یا معین

۷۸۶

هو الکل

قدیم وجدید افغانستان کے

دو سفرنامے

باتصویر

ایک ہز مجسٹی غازی محمد نادر شاہ تاجدار افغانستان کا

دوسرا مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کا

جسمیں کابل۔ غزنی۔ قندھار۔ ہرات چشت۔ بلخ مزار شریف وغیرہ مشہور مقامات کے حالات اور تصویریں اور نقشے درج کئے گئے ہیں اور یونانی اور ہندو اور اسلامی حکومتوں کے زمانہ کی عمارتوں کی تصاویر اور تاریخی سرگزشت بھی ہے

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں

سید ابن عربی کارکن حلقہ مشایخ بک ڈپو دہلی نے شایع کیا

خواجہ برقی پریس حاجب مسجد دہلی میں چھپا

قیمت پانچ روپیہ کلدار

طبع اول

۷۸۶

فہرست مضامین

فہرست تصاویر سفر نامہ

اعلیٰ حضرت غازی محمد نادر شاہ تاجدار افغانستان

دیباچہ سفرنامہ افغانستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اُس نے اس سفرنامہ کو شائع کرنے کی توفیق دی جس کا انتظار تمام ہندوستان میں ہو رہا تھا اور سینکڑوں خطوط اور متعدد تار تقاضے کے آ رہے تھے کہ افغانستان کا سفرنامہ ابتک کیوں شائع نہیں ہوا۔ اور میں اپنے ہفتہ وار اخبار روزنامچہ میں معذرت شائع کرتا رہتا تھا کہ جو تصویریں کابل میں حاصل کی تھیں اُن کے بلاک بنوانے کا آرڈر مطبع عمومی کابل کو دیا تھا کیونکہ میں نے دیکھا تھا کہ اُس مطبع میں بہت اچھا کام ہوتا ہے۔ مگر معلوم نہیں کیا اسباب پیش آئے کہ تصویروں کے بلاک ایک سال تک نہیں آئے۔ میں نے مطبع کو اور وزارت خارجہ کو یہاں تک کہ خود اعلیٰ حضرت کے دفتر شاہی کو متعدد خطوط لکھے اور تار بھی دئیے۔ غالباً سیاسی وجوہات حائل ہوں گی اور تصویروں کو دیکھا جا رہا ہوگا کہ کون کونسی تصویریں ہندوستان میں شائع کرنے کے قابل ہیں اور کونسی ایسی تصویریں ہیں جن کی اشاعت مناسب نہیں ہے چنانچہ ایک سال کے بعد جب بلاک بنکر آئے تب میں نے اس دیر کی وجہ کو سمجھا کہ تقریباً ایک سو تصویریں بلاک بننے کو دی تھیں مگر صرف سینتیس ۳۷ بلاک وصول ہوئے اور باقی تصویریں سنسر نے منظور نہیں کیں۔ مگر یہ سب میرا قیاس ہے۔ کیونکہ مطبع سے یا حکومت سے اس معاملہ میں

مجھے کوئی تحریری اطلاع نہیں ملی۔

جو تصویریں میں نے خود اُتاری تھیں ان میں سے بعض کابل کے فوٹو گرافر سے دُھلوا کر مطبع عمومی کابل میں دے دی تھیں اور بعض میرے ساتھ ہندوستان آگئی تھیں جن کو یہاں میں نے دُھلوایا اور بلاک بنوائے۔ افسوس ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے مزار کی جتنی تصویریں میں نے لی تھیں اُن میں سے ایک بھی صاف نہیں آئی۔ چونکہ گنبد میں روشنی اچھی نہیں تھی غالباً اس وجہ سے تصویریں صاف نہیں آئیں۔

کتابیں گُم ہوگئیں یہ تو ناظرین کو معلوم ہے کہ معلومات کی جتنی کتابیں افغانستان سے میں لایا تھا اِن کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ اور کابل سے یہاں تک لانے میں مجکو بڑی دشواریوں کا سامنا ہوا تھا کیونکہ میں کابل سے غزنیں گیا اور غزنیں سے مُقر گیا اور مُقر سے قلات اور قلات سے قندھار اور قندھار سے چمن اور چمن سے کوئٹہ اور کوئٹہ سے مُلتان اور مُلتان سے دہلی آ۔ اس تمام راستہ میں مذکورہ کتابوں کی کئی من کی گٹھڑی میرے ساتھ رہتی تھی اور جیسی وقت ان کتابوں کو موٹر میں اور ریل میں چڑھانے اُتارنے میں ہوتی تھی میرا ہی دل جانتا ہے۔ مگر دہلی اسٹیشن پر استقبال کرنیوالوں کے ہجوم میں اُس قیمتی گٹھڑی کا خیال جاتا رہا۔ یا تو ریل میں رہ گئی اور یا قلیوں کے ہاتھ آئی۔ بہر حال وہ گُم ہوگئی۔ اور میں نے سفرنامہ میں جہاں جہاں وسیع معلومات درج کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کا پورا کرنا ناممکن ہوگیا اور یہی وجہ ہے کہ اس سفرنامہ میں محض میرا روزنامچہ شائع ہوا ہے اور کوئی موعودہ معلومات نہیں ہے۔

غازی محمد نادرشاہ کا سفرنامہ البتہ ایک نایاب چیز اس سفرنامہ میں بڑھ گئی ہے جو افغانستان کے متعلق معلومات کا ایک بے مثل خزانہ ہے اور وہ خود غازی نادرشاہ کا لکھا ہوا ہے جبکہ وہ افغانستان کے سپہ سالار تھے۔ یہ سفرنامہ پڑھنے کے بعد میرے سفرنامہ کے بہت سے عیب چھپ جائینگے۔ ورنہ میرا لکھا ہوا سفرنامہ ہرگز اس قابل نہ تھا کہ اس کو شائع کیا جاتا۔

رسالہ کابل کا سالنامہ اگست ۱۹۳۳ء کے اخیر میں رسالہ کابل کا سالنامہ موصول ہوا جس میں تین سو عکسی تصویریں ہیں اور ایسی معلومات ہے کہ اُردو زبان کے کسی رسالہ کے سالنامہ میں اتنی خوبیاں نہیں ہوتیں۔ اس سالنامہ کی معلومات عامہ سے فائدہ اُٹھاکر میں نے آخر میں ایک ضمیمہ لگا دیا ہے جس سے تھوڑی بہت ترقی میرے سفرنامہ کی معلومات میں بھی ہو جائے گی۔

ہرات کے مزارات میں نے افغانستان کی کتاب "مزارات ہرات" کا اقتباس بھی اس سفرنامہ میں شریک کر دیا ہے کیونکہ میرے مقاصد سفر میں یہ مقصد بھی بہت اہم تھا کہ میں افغانستان کے اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوں۔ اگرچہ مزارات کی کیفیت ایسی نہیں ہے جس سے ناظرین کی معلومات کو پورا فائدہ ہو سکے تاہم یہ اضافہ سفرنامہ کی دلچسپی بڑھانے کا موجب ہوگا۔

یہ مختصر دیباچہ لکھنے کے بعد اب مجھے افغانستان کی رعایا
اور افغانی سرحد کے مسلمان قبائل اور ہندوستان کے سب ہندو
مسلمان سکھ بھائیوں سے ایک ضروری بات کہنی ہے کیونکہ اتفاق
سے یہ سفرنامہ ایسے وقت میں شائع ہو رہا ہے جبکہ مجھے یہ گزارش
افغانستان کے فائدہ کے لئے اور مسلمانوں اور ہندوستانی
اقوام کے فائدہ کے لئے بہت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

سرحدی شورش

مذکورہ ملکوں اور قوموں سے جو کچھ مجھے کہنا ہے اس کے لکھنے
کے قبل میں ان حالات کو لکھنا ضروری سمجھتا ہوں جن سے
متاثر ہوکر اس گذارش کی ضرورت پیش آئی ہے۔

پہلے تو یہ بات لکھنی ہے کہ اس سال کے شروع سے
افغانستان کی موجودہ حکومت کے خلاف آزاد قبائل میں شورش ہو
رہی ہے۔اور کہا جاتا ہے کہ غازی امان اللہ خاں صاحب کے
کوئی عزیز اس شورش کے بانی ہیں۔اور دوسری بات یہ لکھنی ہے
کہ غازی نادرشاہ کے بڑے بھائی کو برلن جرمنی میں ایک مسلمان نے
یہ کہہ کر شہید کر دیا کہ نادرشاہ کی حکومت انگریزوں کی دوست
ہے۔اور تیسری بات یہ کہنی ہے کہ انگریزی فوجوں نے امن قائم
رکھنے کے لئے اُن اشخاص کو سرحدی قبائل سے مانگا جو شورش کا
باعث بنے ہوئے ہیں اور قبائل نے اُن کے دینے سے انکار کیا
اور جب انگریزوں نے افغانستان اور سرحدِ افغانستان کا امن قائم
رکھنے کے لئے اِن اشخاص کو حاصل کرنے کی کوشش کی اور کی
وجہ سے بمباری ہوئی تو ہندوستان کے مسلمانوں نے اس
مداخلت کے خلاف جلسے کرنے شروع کر دئے۔

وہ اشخاص اب تک انگریزوں کے ہاتھ نہیں آئے ہیں
اور جب تک وہ آزاد قبائل میں موجود ہیں شورش بڑھتی رہیگی اور
افغانستان کی مسلمان حکومت کو اطمینان میسر نہیں آئے گا جن
انجمنوں اور معزز و مقتدر اشخاص نے بمباری اور انگریزی
مداخلت کے خلاف احتجاج کیا ہے میں ان کی نیک نیتی اور
اسلامی حمیت کے خلاف کچھ لکھنا نہیں چاہتا کیونکہ میں مانتا ہوں
کہ ان کا احتجاج نیک نیتی پر مبنی ہے۔اور ان میں سے کوئی بھی
افغانستان اور اس کی موجودہ حکومت کا بدخواہ نہیں ہے۔اور
ان میں سے اکثر ایسے دُور اندیش اور سیاسی دماغ رکھنے والے
ہیں کہ وہ اس احتجاج کے اُن مضر اثرات کو سمجھ سکتے ہیں جو انگریزوں
کی مداخلت نہ ہونے اور شورش انگیز اشخاص کو قبائل سے جُدا نہ
کرنے کی صورت میں افغانستان اور اس کی موجودہ حکومت کو
برداشت کرنے پڑینگے۔مجھے یقین ہے۔اور اس یقین کی وجوہات
اور دلائل میرے پاس ہیں کہ جمعیت علمائے ہند اور اس کے صدر
حضرت مولینا مفتی کفایت اللہ صاحب اور اس کے ناظم حضرت
مولینا احمد سعید صاحب اور ان کی جمعیت کے تمام ارکان افغانستان
کے امن امان کے دل سے خواستگار ہیں اور وہ گزشتہ حکومت کے
اُس طرزِ عمل کو پسند نہیں کرتے جو دیوبندی علماء کے خلاف اختیار
کیا گیا تھا اور جس کے ذریعہ ڈاڑھیاں منڈوانے اور پردہ اٹھانے

کے جبر یہ احکام نافذ ہوئے تھے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جمعیت
علمائے ہند اور اس کے رہنما غازی محمد نادر شاہ سے ذاتی
تعلقات اور واقفیت بھی رکھتے ہیں اور جب محمد نادر شاہ یورپ
سے افغانستان جارہے تھے اور بچہ سقہ نے افغانستان میں ہل
چل مچا رکھی تھی تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب غالباً دہلی
سے لاہور تک ان کے ساتھ بھی گئے تھے اور نادر شاہ کی تخت
نشینی کے بعد بھی جمعیت علما اور اس کے مذکورہ رہنماؤں نے
نادر شاہ کی حکومت سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ اور جب نادر شاہ
کی پابند مذہب حکومت اور افغانستان کی اصلاحات و ترقیات
کے حالات اخباروں میں آنے شروع ہوئے تو جمعیت علمائے ہند
کے اخبار "الجمعیت" نے شروع سے آخر تک ہر موقعہ پر ان کارناموں
کا بہت اچھے الفاظ میں خیر مقدم کیا تھا۔ اور جبکہ والا حضرت شاہ
ولی خاں فاتح کابل برادر نادر شاہ یورپ سے افغانستان گئے تو
جمعیت علما کے صدر اور ناظم جیل میں تھے لیکن ان کے اخبار
کے اسٹاف نے اور دہلی کے تمام احرار افراد نے غازی ممدوح کا نہایت
عمدہ خیر مقدم کیا تھا پس ان سب حالات سے ظاہر ہوتا ہے
کہ جمعیت علما اور دوسرے سب مسلمانوں نے بمباری کے خلاف
جو احتجاج کیا ہے وہ محض اسلامی محبت اور حمایت حق کی نیت
سے ہے۔ افغانستان کی دشمنی کا خیال ان میں سے کسی کے
احتجاج میں نہیں ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ معاملات ایسے اُلجھ گئے ہیں کہ سرحدی
قبائل بھی اسلامی مہمان نوازی کے جذبہ سے شورش انگیزوں کو
پناہ دئے ہوئے ہیں اور ہندوستان کے مسلمان بھی سرحدی
مسلمانوں کو بمباری سے بچانا چاہتے ہیں۔ مگر افغانستان اور اسکی
موجودہ حکومت کو ان انقلاب پسند شورش انگیزوں کی وجہ سے
جو نقصان پہنچیگا۔ اور افغانستان کی بدامنی سے ہندوستانی
اقوام اور ان کی تحریک آزادی کو جو نقصانات پہنچیں گے اس کا
تدارک کیا ہونا چاہئے۔ یہ بھی سوچنے کی چیز ہے؟

میں نے سب جلسوں کے حالات اور اخباری مضامین
کو بہت غور سے پڑھا مگر مجھے کسی تحریر اور تقریر میں یہ نظر نہیں آیا
کہ کسی نے افغانستان کے امن امان کے تحفظ کے مسئلہ پر بھی
توجہ کی یا نہیں۔

انگریز اور نادر شاہ

اب مجھے صفائی سے یہ بات لکھنی
ہے کہ بعض خود غرض انقلاب پسندوں نے یہ بات مشہور کردی
ہے کہ نادر شاہ امان اللہ خاں کی طرح آزاد نہیں ہیں بلکہ انگریزوں
کے ایسے ہی دست نگر ہو گئے ہیں جیسے امان اللہ خاں سے پہلے
افغانستان کے حکمراں ہوتے تھے۔ مگر میں اپنے مشاہدات سفر
افغانستان کی بنا پر ان لوگوں کو یقین دلا سکتا ہوں جو میری بات
کو سچا جانتے ہوں کہ نادر شاہ انگریزوں کے دست نگر یا پابند
یا خوشامدی ہرگز نہیں ہیں۔ اور نہ ان کی حکومت نے انگریزوں
سے کوئی ایسا عہد نامہ کیا ہے جو افغانستان کی اُس حاصل شدہ
استقلال و آزادی کے خلاف ہو جو امان اللہ خاں کے زمانہ

میں ایک کامیاب لڑائی کے بعد بحیثیت سپہ سالار افواج افغانستان نادر شاہ نے حاصل کی تھی۔

نادر شاہ اور ان کی حکومت کے تعلقات روسیوں سے بھی دوستانہ ہیں۔ اور اٹلی اور فرانس اور جرمنی اور جاپان اور ترکی اور ایران سے بھی ان کی دوستی ہے اور انگریزوں سے بھی ان کی دوستی ہے اور ہر چھوٹے بڑے ملک کے سفیر کابل میں اور افغانوں کے سفیر ان ملکوں میں موجود ہیں۔ نادر شاہ کسی ایک قوم سے خاص مراعات اور آزادی شکن دوستی کا برتاؤ اگر شروع کر دیں تو ان کو تین قسم کے **نقصان پہنچینگے**

پہلا نقصان تو یہ کہ ان کا سارا ملک متحد ہو کر ان کو حکومت سے معزول کر دے گا کیونکہ ان کا ملک آزاد ہو جانے کے بعد ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس کا روادار نہیں ہے کہ ان کی حکومت روس یا انگریزی کی حکومتوں کی پابند یا **دست نگر** ہو۔ دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ یورپ کے پالٹیکس کے توازن میں زلزلہ آجائیگا خصوصاً بالشویک اور برطانیہ کے سیاسی تعلقات درہم برہم ہو جائینگے اگر نادر شاہ اور ان کی حکومت کسی ایک یورپین طاقت سے ایسے تعلقات بڑھائینگے جو افغانستان کی آزادی کے منافی ہوں۔ تیسرا نقصان یہ ہوگا کہ تمام دُنیا کے مسلمان نادر شاہ اور ان کی حکومت کے خلاف ہو جائینگے اگر انھوں نے انگریزوں یا روسیوں یا یورپ کی کسی قوم سے ایسے تعلقات قائم کئے جو افغانستان کی آزادی کے خلاف ہوں۔

مذکورہ تینوں اسباب کے مدِ نظر نادر شاہ اور ان کی حکومت کے اراکین مجبور ہیں کہ وہ کسی یورپین طاقت سے مقررہ حدود سے آگے بڑھ کر دوستی نہیں بڑھا سکتے۔ اور جو لوگ نادر شاہ اور ان کی حکومت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ نادر شاہ اور ان کی حکومت انگریزوں کی غلام ہو گئی ہے وہ یا تو افغانستان کی پولیٹکل پوزیشن اور یورپین طاقتوں کی باہمی رقابت اور انگریزوں اور روسیوں کی تاریخی سیاست سے واقف نہیں ہیں اور یا دانستہ کسی غرض سے اپنے آپ کو ناواقف ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ میں پوری ایمانداری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ نادر شاہ اور ان کی حکومت ہر اعتبار سے آزاد ہے اور اس کے کسی اختیار میں انگریزوں یا روسیوں یا کسی یورپین طاقت کی مداخلت نہیں ہے اور یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ افغانستان کی موجودہ حکومت اسلامی نکتہ نظر سے اور جمہوریت اور آزادی کے نکتہ نظر سے اور افغانی نکتہ نظر سے نہایت کامیاب اور مضبوط اور ترقی و اصلاح کی سڑک پر وقار و دانشمندی سے چلنے والی حکومت ہے۔ نہ اس میں گزشتہ زمانہ کی جلد بازیاں ہیں نہ اُس میں اسلامی تمدن اور اسلامی سیاست کے خلاف گستاخیاں ہیں۔ اور نہ اس کو قدامت پرستی پر اصرار ہے اور نہ وہ نئی ترقیوں اور اصلاحوں سے انکار کرنے والی ہے۔ پس ایسی بے لاگ۔ بے عیب ترقی کرنے والی اسلامی سلطنت کو شورش اور بے امنی سے پریشان کرنا مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے۔ اگر میری آواز سرحدی قبائل کے مسلمان بھائیوں تک پہنچ سکتی ہے تو میں ان

سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ قیامت کے دن ان کو خدا
کے سامنے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے
جواب دینا ہوگا اگر انہوں نے دیدہ و دانستہ کوئی ایسا کام
کیا جس سے افغانستان کے امن و امان اور ایک ترقی کرنیوالی
اسلامی سلطنت کے اطمینان کو نقصان پہنچا۔

لامذہب نوجوان آخر میں ہندوستان اور بیرون
ہندوستان کے ان نوجوانوں سے مختصر خطاب کرنا چاہتا ہوں
جو اپنے پیدائشی مذہب کو آزادی اور ترقی کے خلاف سمجھتے
ہیں۔ اور جن کا عقیدہ ہے کہ دُنیا سے مذہب کا نام و نشان
مٹا دیا جائے اور جو روسیوں کی لامذہبی اور بیدینی کی پیروی
کرنی چاہتے ہیں کہ وہ مہربانی کرکے اپنے عقائد اور خیالات
کسی دوسری جگہ استعمال کریں۔ افغانستان اور سرحد افغانستان
کے سچے اور پکے مسلمانوں کو اپنی اس زہریلی تحریک سے متاثر
کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ وہاں وہ ہرگز ہرگز کامیاب نہ ہونگے۔

اس کے بعد اپنے پیارے وطن ہندوستان کے ہندوؤں
اور سکھوں اور مسلمانوں اور سب آزادی چاہنے والوں سے
مکرر درخواست کرتا ہوں کہ وہ سرحدی بمباری کے خلاف
احتجاج کرنے کے ساتھ ہی اس بات کو بھی فراموش نہ کریں
کہ افغانستان اور اس کی موجودہ آزاد حکومت کو ان ناعاقبت
اندیش شورش انگیزوں کی شرارتوں سے بچانا بھی ہمارے فرائض
میں ہے ورنہ افغانستان میں انقلاب ہوا تو ہندوستان کی عزت
اور آزادی بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔

سرحدی قبائل کے نام پیام

اگر آج کل کسی جگہ سچا اسلام موجود ہے تو وہ جگہ صرف
افغانستان ہے اور سرحد کے **آزاد قبائل** ہیں۔ کیونکہ
ان میں اسلام کی پابندی بھی ہے۔ اور اسلام کی غیرت و
حمیت بھی ہے اور وہ اسلام کی عزت پر اپنے جان و مال کو
قربان کر دینا بھی جانتے ہیں اور ہمیشہ اپنی جانوں کو اسلام
کے نام پر قربان کرتے رہتے ہیں اور ان کے جذبہ پر تمام دُنیا کے
مسلمان فخر کرتے ہیں۔ ورنہ دوسرے آزاد و غیر آزاد مسلمان
ممالک کی حالت جیسی کچھ ہو رہی ہے سب کو معلوم ہے۔ لہذا
میں سرحدی قبائل کے نام یہ پیغام لکھتا ہوں۔

بھائیو! اپنی موجودہ آزادی کو سلامت رکھنے اور اسلام
کی آبرو برقرار رکھنے اور اسلام کا علم بلند کرنے کے لئے آپس
میں متحد ہو جاؤ اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر خانہ جنگی کر کے اپنی
قوت برباد نہ کیا کرو۔ اور یہ بھی سوچا کرو کہ غازی محمد نادر شاہ
جیسا دیندار۔ پابند شریعت۔ تہجد گزار۔ عابد و زاہد اور بہادر
مجاہد۔ حکومت کی کامل صلاحیت رکھنے والا بادشاہ دُنیا
میں کسی حکومت میں بھی موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ
الصّٰلِحُوْنَ۔ یقیناً زمین کی (حکومت) وراثت میرے انھی

بندوں کو دی جاتی ہے جو حکومت کی صلاحیت رکھتے ہوں۔"
پس معلوم ہوا کہ حکومت ورثہ کی چیز نہیں ہے کہ باپ کے بعد
بیٹا وارث ہو بلکہ حکومت ان کا حق ہے جو حکومت کی عقل رکھتے
ہوں اور حکومت کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ان کے اعمال
خدا رسولؐ کی شریعت حقّہ کے موافق ہوں اور جو اپنی ذات کے
عیش و آرام کے لئے نہیں بلکہ خدا کے بندوں کی راحت اور
آسانی کے لئے حکومت کرتے ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
آلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ
مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ "آگاہ ہو جاؤ تم میں ہر ایک حاکم
ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے حقوق کی نسبت بازپرس
ہوگی اور حساب مانگا جائے گا" خدا رسول کا یہ حکم سننے کے
بعد ہمیشہ خیال رکھو کہ جب کبھی تمہارے پاس آ کر کوئی شخص یہ کہے کہ میں
افغانستان کی حکومت کا حق دار اور وارث ہوں اس لئے
تم میری مدد کرو اور افغانستان کی موجودہ حکومت کے خلاف
لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ تو تم اس کو یہ جواب دیا کرو کہ
افغانستان کی موجودہ حکومت شریعت اسلام کی پابند
حکومت ہے اور اس کا بادشاہ غازی ہے اور مجاہد ہے اور
شریعت کا حامی ہے۔ اور قرآن مجید و حدیث نبویؐ کے احکام
کی بموجب پوری صلاحیت کے ساتھ حکومت کر رہا ہے۔ لہذا
اس کے خلاف ہم کو لڑنا جائز نہیں ہے اور ایسی اچھی حکومت
کے خلاف لڑنا گویا خدا رسولؐ کے حکم کے خلاف لڑنا ہے۔ اور
اور ہم کسی کو کسی ملک کا مالک نہیں سمجھتے کیونکہ قرآن مجید میں
ارشاد ہے کہ اَلْمُلْکُ لِلّٰہِ "ملک کا مالک تو خدا ہے"۔ اور
بادشاہ لوگ مالک الملک خدا کے عاجز بندوں کی طرح
حکومت کرتے ہیں اس لئے کوئی شخص ذاتی جائداد کی طرح
ملکوں کی حکومت کے ورثہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

اگر تم یہ جواب دیا کرو اور افغانستان کی موجودہ حکومت
کے مددگار رہو اور وہ حکومت تمہاری مددگار رہے تو ساری
دُنیا کی مسلم و غیر مسلم قومیں تمہاری عزت کریں گی اور اللہ تعالےٰ
اور اس کے رسولؐ بھی تم سے خوش ہوں گے۔

افغانستان سے خطاب

سرحدی بھائیوں سے بات کرنے کے بعد اب میں افغانستان کے
سب مسلمان بھائیوں اور ہندو سکھ باشندوں سے کہنا چاہتا
ہوں کہ وہ گزشتہ انقلاب کی تکلیفوں کو بھولے نہ ہوں گے
اور ان کو بچہ سقہ جیسے شخص کے ہاتوں جن مصائب کا سامنا
ہوا تھا اس کی یاد اب تک ان کے دل میں موجود ہوگی۔
لہذا ان کو بھی موجودہ نادرشاہی حکومت کی عمدگی آزادی
اور ترقیات کی قدر کرنی چاہئے۔ اور وہ یہی ہے کہ جب کوئی
ناعاقبت اندیش شخص یا اشخاص ملکی امن کے خلاف کوئی
کام کرنا چاہے یا کرنا چاہیں تو ان کو اس طرح دبائیں گویا وہ
خود افغانستان کی حکومت کے ذمہ دار ہیں۔ کیونکہ نادرشاہی

حکومت نے ایسے طرز سے حکومت کی ہے کہ ہر افغان کو مساوی درجہ کے حقوق حکومت میں حاصل ہو گئے ہیں اور ہر افغان یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اس کے مُلک اور اس کی قوم کی عزت اور ترقی اور حفاظت خود اس کی ذات پر منحصر ہے۔

یورپ کی اقوام ذاتی اعمال میں کیسی ہی ہوں مگر ملکی اور قومی کام میں وہ سب ایک جان و صد ہزار قالب بنی ہوئی ہیں اور ایک فرد بھی ان میں ایسا نہیں ہے جو اپنے ملک اور قوم سے غدّاری کرے۔

میں فخر سے کہتا ہوں کہ افغانستان کے باشندوں میں بھی اپنے وطن کی محبت کسی یورپین قوم سے کم نہیں ہے اور ہر افغان اپنے ملک و قوم پر ہر وقت فدا ہے مگر ان میں بعض ایسے ہیں کہ حریفوں کی غلط بیانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں لہٰذا ان کو اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔ یعنی وہ کسی حریف کی سازش اور غلط بیانی کا شکار نہ ہوں۔ اور ان کی حکومت مصالح سیاسی کی بنا پر جو کچھ بھی عمل کرے اس میں ساری افغانی قوم اس کی تائید کے لئے تیار ہو جائے تاکہ تمام دُنیا میں افغانوں کی متحدہ قومیت تسلیم کی جا سکے۔

بس یہی میرا چھوٹا سا دیباچہ ہے۔ اس کو پڑھ کر اب دروازہ کھول لئے اور افغانستان کے سفرنامہ کی سیر شروع کیجئے۔

دیباچہ کی کُنجی سے دروازہ کھول کر رخصت ہونیوالا

حسن نظامی

۲۸ ماہ رضا ۱۳۱۲ شمسی ہجری

۲۸ اگست ۱۹۳۳ء دہلی

سفرنامۂ افغانستان

از مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی

۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۰ ہجری مطابق ۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء
یوم سہ شنبہ۔ مقام دہلی

سفر افغانستان کی ابتداء

تائید ربانی خدا کے فضل سے سفر افغانستان کا ارادہ اور مقررہ پروگرام اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اگرچہ کل سے سید ابن عربی اور شاہ بانو کو بہت سخت بخار ہے اور سید ابن عربی کے بغیر گھر کی اور دفتر کی نگرانی مشکل ہے تاہم میں نے اپنے ارادہ میں تبدیلی نہیں کی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کی تائید اُسی انسان کے ساتھ ہوتی ہے جو اپنے عزم میں راسخ اور مستقل ہو۔ اس لئے میں نے اللہ کے فضل پر بھروسہ کرکے یقین کرلیا کہ بخار جلدی دور ہو جائیگا۔ مجھے سفر ملتوی نہ کرنا چاہئے۔

خواجہ بانو اسباب سفر کے انتظامات میں مصروف ہیں۔ کبھی اپنے بھائی اور بھاوج کی تیمارداری کرتی ہیں۔ کبھی میرے کپڑوں اور بستر کو درست کرتی ہیں۔ کبھی ملنے والی عورتوں سے باتیں کرتی ہیں جو میرے سفر کی خبر سُنکر دہلی اور بستی سے آ رہی ہیں۔ میں صبح سے دو بجے تک دفتر میں کام کرتا رہا۔ اسکول اور بورڈنگ کے انتظامات کو دیکھنے بھی گیا۔ سب ماسٹر آگئے۔ اور آج اسکول کھُل گیا۔ حافظ معین الاسلام صاحب کو بورڈنگ ہاؤس کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا گیا جو پانی پت کے رہنے والے ہیں اور عرصہ سے میرے اسکول میں تعلیم دینے کا کام کرتے ہیں

آج بھی ملنے والے بہت زیادہ آئے مگر میں اپنا کام کرتا رہا معمولی اور رسمی باتیں آنے والوں سے کرلیں کیونکہ سفر کی وجہ سے کام بہت زیادہ تھا۔

رخصت ڈو بجے کے بعد کام ختم کرکے زنانہ میں گیا۔ ابن عربی اور شاہ بانو کو دیکھا۔ اخلاص بانو نظامی اور بھابی محمد دلہن اور سب بچوں سے رخصت ہوا۔ پیارے میاں صاحب کو بھی بخار ہے ان سے بھی رخصت ہوا۔ پہلے والد صاحب کے مزار پر گیا۔ بوسہ دیا۔ دعا مانگی۔ اور روح سے خطاب کرکے سفر کی اجازت طلب کی۔ صادق شہید اور خاکسار صاحب و والدہ کے مزارات پر بھی گیا۔ اسکے بعد بوبڈنگ کو دیکھنے گیا۔ پھر مزار شریف حضور محبوب الٰہی کی طرف متوجہ ہوکر بہت دیر تک مراقب رہا اور اجازت حاصل کی۔

عبدالرحیم صاحب رنگ ساز دہلی کے ایک بوڑھے رنگ ساز عبدالرحیم صاحب توحید منزل میں رنگ کررہے ہیں۔ یکایک میرے پاس آئے اور کہا ابھی میرے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ کابل کے سفر میں الحمد زیادہ پڑھتے رہنا۔ میں نے ان کی مخلصانہ اور ایک خاص انداز کی بات سُنی تو ہنسی آگئی۔ میں نے جواب دیا۔ بھائی صاحب الحمد میں ضالین (گمراہوں) کا نام بھی ہے میں اسکو کیونکر پڑھوں۔ یہ بات سُنکر وہ کچھ دیر خاموش رہے اور کہا اچھی بات ہے تو پھر قُل ھُوَ اللہ پڑھ لیا کیجئے۔

مسلمان قوم اتنی بھولی ہوگئی ہے کہ اسکو ہنسی کی بات میں بھی جس رُخ چاہو بدل دو۔ اگر میں کہتا کہ الحمد میں رب العالمین کا ذکر ہے اور عالمین میں ہندو بھی شامل ہیں اور میں ہندوؤں کا نام قرآن شریف میں لینا نہیں چاہتا۔ تو عبدالرحیم صاحب فوراً کہہ دیتے کہ ہاں جناب تو الحمد نہ پڑھئے۔

فوٹو کا سبق گھر سے روانہ ہوا تو دفتر کے سب آدمی اور سب نوکر اور سب بچے موٹر تک آئے۔ زیدا اور کوثر اور حسین اور علی نے رخصتی سلام کئے۔ سید نثار علی نظامی حور بانو کے شوہر نے حور بانو کی طرف سے ایک خوبصورت کارچوبی بازوبند (امام ضامن) باندھا۔ موٹر چلی تو بستی کے مسلمان باشندے دوڑے ہوئے آئے اور موٹر رُکوا کر سب نے مصافحے کئے اور سفر کی کامیابی کی دعائیں دیں۔ ان کو کابل جانے کا حال ابھی معلوم ہوا تھا۔

میں دہلی میں سب سے پہلے فوٹوگرافر کی دُکان پر گیا اور فوٹو لینے کا کیمرہ خریدا اور دکاندار سے ایک گھنٹہ میں فوٹو اُتارنے کا طریقہ بھی سیکھا۔ سفیر صاحب افغانستان کو لکھا تھا کہ کابل میں یہ اطلاع بھیج دیجئے کہ میں افغانستان کی مسجدوں اور مقبروں اور آثار قدیم کے فوٹو بھی لینے چاہتا ہوں اس لئے فوٹو کا کیمرہ ساتھ لے جاؤنگا۔ آپ

کابل سے اسکی اجازت منگوا دیجئے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ فوٹو کا کیمرہ ساتھ رہنے سے جاسوسی کا شبہ نہ کیا جائے۔ آج اس کے جواب میں سفیر صاحب کا خط آیا ہے کہ میں نے کابل تار بھیجکر فوٹو کا کیمرہ ساتھ رکھنے کی اجازت منگالی ہے۔ آپ کیمرہ لے جا سکتے ہیں۔

احمد ابدالی نظامی کا پاسپورٹ بھی منظوری کے لئے سفیر صاحب کو بھیجا تھا۔ آج وہ واپس آیا ہے اور سفیر صاحب نے لکھا ہے کہ وقت کم ہے اور آپ کو جانے کی جلدی ہے اور مرکزی حکومت کی اجازت کے بغیر میں اس پاسپورٹ کی تصدیق نہیں کرسکتا جس کا مجھے بہت افسوس ہے۔

واحدی صاحب کا مکان

فوٹو کا کیمرہ خرید کر اور بازار کی بقیہ ضرورتوں سے فارغ ہو کر واحدی صاحب کے مکان پر آیا جہاں بہت سے احباب جمع تھے۔ حکیم عبدالحی صاحب انصاری خلف حکیم نابینا صاحب راستہ کے لئے دوائیں لیکر آئے تھے اور امام ضامن بھی باندھا تھا۔ ڈاکٹر محمد عمر صاحب سید ابن عربی اور شاہ بانو کو دیکھنے گھر پر گئے تھے واپس آکر واحدی صاحب کے ہاں مجھ سے بھی ملے اور رخصتی ملاقات کی۔ اُن سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا بخار موسمی ہے۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ واحدی صاحب نے آج بھی بہتری دعوت کا انتظام کیا ہے۔ مولانا عارف صاحب ہسوی اور بقائی صاحب اور ملنسار نظامی اور منشی عبدالحمید صاحب وغیرہ احباب بھی ملنے آئے۔ آٹھ بجے رات کو روانہ ہوا۔ ریل پر گیا۔ اگرچہ کل سیٹ ریزرو کرادی تھی۔ لیکن معلوم ہوا کہ انکوائری آفس والوں نے سیٹ کا انتظام نہیں کیا۔ بہت تشویش اور پریشانی کے بعد ایک سیٹ ملی۔ مسٹر حبیب خاں نظامی افغانستان تک میرے ساتھ جائیں گے۔ اسٹیشن پر ڈاکٹر سید محمود صاحب جنرل سکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے بھی ملاقات ہوئی۔ ابھی احمد آباد سے آئے ہیں۔ خوب باتیں ہوئیں۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر زمیندار بھی مل گئے۔ وہ بھی مدراس سے آئے ہیں اور لاہور جا رہے ہیں۔ میرے بازو پر اخلاص بانو نظامی اور حور بانو نظامی اور حکیم عبدالحی صاحب انصاری کے خوبصورت کارچوبی امام ضامن بندھے ہوئے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب نے اُن کو دیکھ کر از راہ خوش طبعی کہا "اوہو! امام ضامن تو بہت چمکدار ہیں" میں نے جواب دیا "امام تو چمکدار ہی ہوتے ہیں"

اسٹیشن پر حسب ذیل احباب رخصتی ملاقات کے لئے جمع ہوئے تھے۔ خان صاحب حاجی غلام حسن صاحب کنٹریکٹر۔ واحدی صاحب۔ ملنسار نظامی۔ بقائی صاحب ایڈیٹر پیشوا۔ غزالی خاں کلاتھ مرچنٹ۔ منشی

عبدالحمید صاحب ایڈیٹر مولوی محمد انوار صاحب ہاشمی مالک رسالہ دین دنیا۔ مفتی شوکت صاحب فہمی ایڈیٹر دین دنیا مولانا محمد جعفری صاحب ایڈیٹر روزانہ اخبار ملت۔ چودھری الٰہی بخش صاحب ہیڈ کلرک دفتر ریلوے بورڈ۔ محمد رحمٰن صاحب بی۔ اے۔ کلیمی صاحب نظامی۔ سجادہ نشین درگاہ حضرت شیخ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی۔ شیخ محمد یعقوب صاحب۔ توکلی شاہ صاحب نظامی۔ نیازی صاحب۔ اور کپور تھلے والے ڈاکٹر صاحب۔ اور میاں عزیز محمد خاں حسن پوری۔ خلیل احمد نظامی کلاتھ مرچنٹ۔ مرزا سہراب شاہ تیموری۔ انور علی نظامی۔ سید شوکت صاحب نظامی۔ قاضی لطیف الدین صاحب پیرزادہ درگاہ خواجہ قطب صاحبؒ۔ ڈاکٹر احمد صاحب مالک احمد کمپنی۔ بابو عبدالحمید صاحب قادیانی۔ حکیم امتیاز الحق صاحب وغیرہ۔

۹ بجکر ۵ منٹ پر گاڑی روانہ ہوئی۔ چند ہندو رفیق سفر ہیں۔ میرٹھ سے نور حسین صاحب سب انجینیر بھی رفیق سفر ہوئے۔ سہارن پور پر گاڑی پہنچی تو ڈیرہ دون کے بھائیوں کا قافلہ موجود تھا۔ حالانکہ میں نے محمد صادق نظامی کو لکھ دیا تھا کہ سہارن پور کے نظامی بھائی آدھی رات کو ریل پر نہ آئیں۔ میں اس وقت سوتا ہوں گا۔ انبالہ کے حاجی فتح محمد صاحب خدمتی نظامی بھائی کو بھی ریل پر آنے سے منع کر دیا تھا۔ اور لدھیانہ والوں کو بھی فضل محمد نظامی کے ذریعہ امتناعی اطلاع دے دی تھی۔ مگر ڈیرہ دون والوں کا خیال بھی نہ تھا کہ وہ اتنی دور سے سہارن پور تک آئیں گے۔ رحمت اللہ نظامی اور عبدالرحیم نظامی اپنے چھوٹے لڑکے محمد اشرف کے ساتھ آئے تھے۔ محمد طفیل اور مہر دین وغیرہ بھائی بھی ساتھ تھے۔ نہایت عمدہ نرم نرم روٹیاں بھی لائے تھے۔ جو اتنی موٹی اور اتنی بڑی بڑی تھیں کہ سہارن پور میں افغانستان نظر آگیا۔ پھولوں کے ہار بھی پہنائے۔ تکبیر کے نعرے بھی لگائے اور اپنی محبت کا مظاہرہ اچھی طرح کیا۔

زہریلا کیڑا

۱۲ بجے کے بعد مطمئن ہو کر سو گیا۔ روشنی خاموش تھی مگر ایک برساتی کیڑا کہیں سے آگیا اور گھٹنے پر لگا گیا جس سے گھٹنے پر ایک بڑا زخم پڑ گیا۔ صبح تک اس کی بے چینی رہی۔ زخم بڑا ہے۔ برساتی کیڑوں کے اس زہر کو حاصل کر لیا جائے تو آبلہ ڈالنے کی بہت اچھی تجارتی دوا تیار ہو سکتی ہے۔

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ہجری مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۳۱ء
یوم چہارشنبہ۔ سفر افغانستان

پشاور تک

صبح نماز کے وقت گاڑی جالندھر پہنچی۔ برکت علی نظامی پٹواری موجود تھے۔ سید غلام جیلانی شاہ

صاحب نظامی کے صاحبزادہ اور سعید اختر نظامی کے بھائی چند مستورات کے ساتھ آئے تھے۔ مکلف کھانے کا خوان بھی لائے تھے جس میں طرح طرح کے عمدہ کھانے تھے۔ اس کے بعد جالندھر شہر اسٹیشن پر صوفی غلام محمد نظامی اور پیر محمد نظامی وغیرہ بھائی ملے۔ صوفی صاحب بھی پان اور پھل لائے تھے۔ امرت سر پر بہت سے بھائی جمع تھے۔ خان بہادر سید بڈھے شاہ صاحب اور سید محمد زاہد نظامی اور رحمت اللہ نظامی اور فضل کریم نظامی اور غلام نبی نظامی وغیرہ احباب و اخوان طریقت جمع تھے۔ خان بہادر صاحب نے ناشتہ کا بہت وسیع پیمانہ پر انتظام کیا تھا۔ حاجی شمس الدین نظامی برادر سیالکوٹ سے استقبال کے لئے امرت سر آئے ہوئے تھے۔ میرے ساتھ ہی وزیر آباد تک گئے۔ نو بجے کے قریب گاڑی مغلپورہ پہنچی۔ وہاں کچھ مسلمان ملنے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ آج مغلپورہ کالج پر مسلمان پکٹنگ کر رہے ہیں اور گرفتاریاں ہو رہی ہیں۔ مغلپورہ کے بعد لاہور اسٹیشن آیا۔ حکیم محمد شریف صاحب آئی ڈاکٹر راستہ کے لئے بواسیر کی دوائیں لے کر تشریف لائے۔ کہتے تھے پچھلی دوا برسات کی ہوا سے خراب ہو گئی ہو گی اس واسطے اثر نہ کیا۔ احمد آباد والے سیٹھ علی میاں کیمپ مرچنٹ کے لڑکے مکلف کھانا لئے ہوئے موجود تھے۔ محمد شریف نظامی برادر بھی کھانا اور عمدہ لسی لائے تھے۔ سعد اللہ نظامی اور امیر الدین نظامی وغیرہ بھی نذر اور پھول لائے تھے۔ مولانا تاجور صاحب اور مولانا سجاد صاحب ایڈیٹر ادبی دنیا بھی تشریف لائے تھے اور انگور بھی لائے تھے جن کے اندر شراب پوشیدہ ہوتی ہے۔ حکیم یوسف حسن صاحب ایڈیٹر نیرنگ خیال بھی آئے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب کے استقبال کے لئے بھی پلیٹ فارم پر ہندو مسلمان جمع تھے۔ جنہوں نے نعرے بھی لگائے۔

آج صبح میرٹھ والے سب انجینئر نور حسین صاحب نے نہایت عمدہ گفتگو کی۔ اگرچہ انگریزی لباس میں تھے لیکن قرآن مجید پر بہت اچھا عبور ہے اور مجتہدانہ انداز سے گفتگو کرتے ہیں۔ مسئلہ عذاب قبر اور مسئلہ قیامت پر بہت اچھی تقریریں کیں۔ میں نے کہا۔ میں تو وجود انسانی کو زندہ قبر سمجھتا ہوں جس میں روح دفن ہے۔

محمد شریف نظامی نے میرے پاؤں چومے تو مولانا تاجور صاحب ایڈیٹر ادبی دنیا نے اعتراض کیا۔ اور کہا کہ میں آپ کی کتاب "مرشد کو سجدۂ تعظیم" کی تردید لکھوں گا۔ میں نے کہا واحدی صاحب تردید لکھ چکے ہیں۔ ہنسکر بولے تو بس کافی ہے۔ میں نے

کہا۔ میں اپنے لئے قدمبوسی اور تعظیمی سجدہ کو پسند نہیں کرتا اور ہمیشہ لوگوں کو اس سے روکتا ہوں تاہم اپنے بزرگوں کے مسلک اور ارشاد کے بموجب تعظیمی سجدہ کو مباح سمجھتا ہوں۔

لاہور سے گاڑی چلی تو گوجرانوالہ پر غلام حیدر صاحب گورنمنٹ پنشنر کے صاحبزادہ بشیر احمد نظامی اپنے ماموں کے ساتھ ملنے آئے۔ یہ پیدا ہونے سے پہلے میرے مرید ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں ان کے والد دہلی میں پوسٹ ماسٹر تھے اور انہوں نے منت مانی تھی کہ لڑکا ہوگا تو وہ آپ کا مرید ہوگا بشیر احمد پیدا ہوا تو ان کے والد نے منت کے موافق ان کی بیعت کی اطلاع مجھے دی۔ اب ماشاءاللہ یہ لڑکا جوان ہے۔ آج میں نے پہلی دفعہ اس کو دیکھا۔ بہت خوبصورت اور سعادتمند ہے۔ ایف۔ اے میں تعلیم پاتا ہے۔

میں نے اس سفر کی اطلاع کسی کو نہیں دی تھی۔ محض روزنامچہ کو دیکھ کر یا اخبار میں خبریں پڑھ کر لوگ ملنے آ رہے ہیں۔

گوجرانوالہ کے بعد گاڑی وزیرآباد پہنچی۔ وہاں بہت سے ہندو مسلمان احباب جمع تھے۔ سیالکوٹ سے محمد صدیق نظامی اپنے بچہ عبدالحمید اور مستورات کے ساتھ آئے تھے۔ کھانا اور پھل بھی لائے تھے۔ اور بھی سیالکوٹ کے اخوان طریقت موجود تھے۔ وزیرآباد کے لالہ چرن جیت لال صاحب ایڈوکیٹ اپنے احباب کی جماعت کے ساتھ موجود تھے۔ ایک بڑا تھال بھی لائے تھے جس میں قسم قسم کی عمدہ مٹھائیاں تعزیرات ہند کے قوانین گوناگوں کی طرح آراستہ تھیں۔ دوسرے تھال میں وزیرآباد کے بنے ہوئے نہایت عمدہ چاقو تھے اور چاقو کے کارخانہ کے مالک صاحب بھی موجود تھے۔ میں نے ایک چاقو لے لیا۔ کیونکہ بھائی چرن جیت لال ہر مہینہ چاقوؤں کا ایک پارسل بھیجد یتے ہیں اور میرے گھر میں اب قلمیں اتنی نہیں ہیں جتنے قلم تراش چاقو جمع ہو گئے ہیں۔ اسواسطے زیادہ چاقوؤں کی ضرورت نہ تھی۔ بھگوان داس صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ سری کرشن جی کے سچے بھگت ہیں۔ چہرہ پر ایک محویت کا عالم طاری تھا۔ مسٹر عزیزاللہ وکیل بھی ملنے آئے تھے۔ حاجی شمس الدین نظامی یہاں سے جدا ہو گئے۔

وزیرآباد سے چلے تو گجرات کے بعد لالہ موسیٰ جنکشن پر محمد امین نظامی اور سیکریٹری میونسپلٹی جہلم میوہ کا ایک بڑا ٹوکرا لئے ہوئے موجود تھے۔ اسلامیہ ہائی اسکول کے اراکین اور دوسرے بہت سے مسلمان بھی جمع تھے۔ عبدالواحد صاحب بی۔ اے بی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر بھی ملنے آئے تھے۔ ایک مولوی صاحب نے حضرت حافظ

کی ایک غزل لکھکر نذر کی۔ میں نے کہا یہ بہت اچھا شگون ہے۔ محمد امین نظامی نے لالہ موسے کے مسلمانوں کی طرف سے دہلی میں تار دیا تھا کہ مسلمان آپ کو روکنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں ٹھہرانے کا اصرار کیا گیا مگر میں نے معذرت کردی۔ محمد امین نظامی مدت کے بعد ملے۔ ذرا کمزور ہو گئے ہیں۔ کئی آدمیوں سے لالہ موسے نام کی وجہ تسمیہ پوچھی مگر کوئی جواب نہ دے سکا کہ یہ موسے کے ساتھ لالہ کہاں سے آگیا۔ مگر حسن ابدال پر ایک صاحب نے کہا کہ یہاں لالہ بڑے بھائی کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے موسے نامی کوئی شخص اپنے بھائیوں میں بڑا ہو اور اسکے نام پر یہ آبادی قائم ہوئی ہو۔

جہلم پر گاڑی پہنچی تو پلیٹ فارم مسلمانوں سے بھرا ہوا تھا آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے رضاکار بھی بہت کثرت سے آئے تھے۔ تکبیر کے نعروں سے اسٹیشن گونج رہا تھا" خواجہ مبلغ اعظم زندہ باد" کے نعرے لگائے جارہے تھے۔ سب مسلمان نہایت قاعدہ کے ساتھ پلیٹ فارم پر صف بندی کر کے کھڑے ہو گئے اور میں نے گاڑی سے اتر کر سب سے مصافحے کئے اور میوے کے ٹوکرے ان سب سب مسلمانوں کو دیئے کیونکہ اس کثرت سے کھانا اور مٹھائیاں اور میوہ آیا ہے کہ اب گاڑی میں جگہہ باقی نہیں رہی۔ پھر گاڑی میں کھڑے ہو کر میں نے ایک تقریر بھی کی اور کشمیر کے معاملہ میں مسلمانوں کو باہمی اختلاف سے احتیاط کرنے کی نصیحت کی

جہلم سے روانہ ہو کر گاڑی گوجرخاں پر ٹھہری۔ وہاں بھی اسلامیہ ہائی اسکول کے اراکین اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وغیرہ مسلمان جمع تھے۔ مستری شیر محمد صاحب میوہ بھی لائے تھے۔ محمد امین نظامی یہاں سے رخصت ہو گئے۔ لالہ موسے اور جہلم اور گوجرخاں کے انتظامات کو دیکھ کر مجھے محمد امین نظامی کی تنظیمی قابلیت کا اندازہ ہوا اور بہت خوشی ہوئی کہ میری جماعت میں بھی ایسے خوش سلیقہ لوگ موجود ہیں۔ گاڑی میں مسٹر اندر سین نائب تحصیلدار بھی ہیں۔ یہ بہت فقیر دوست معلوم ہوتے ہیں۔ سادھو سیوا کا جذبہ بہت اچھا ہے۔ کچھ دیر میرے پاؤں دبائے اور اپنے حسن اعتقاد کو ظاہر کیا۔ غلام نبی صاحب ریلوے ٹی۔ ٹی بھی رفیق سفر ہوئے۔ بہت خوبصورت اور نمازی نوجوان ہیں۔ میرے ہاں ایک دفعہ مہمان ہو چکے ہیں۔ پیر فتح شاہ صاحب اور مستری نیاز محمد صاحب بھی ملنے آئے۔ پیر صاحب ابھی دہلی میں بھی مجھ سے ملنے گئے تھے۔

راولپنڈی پر گاڑی پہنچی تو فضل دین نظامی اور ان کے بچے اور بھائی احمد علی اور دوست محمد اور محمد ابراہیم اور محمد اسمٰعیل اور محمد اسحاق اور محمد شفیع

وغیرہ آئے تھے اور بہت سے کھانوں کا ایک عمدہ خوان بھی لائے تھے۔ میں نے صرف مرغ کا شوربہ اور گرم روٹیاں لے لیں۔ پلاؤ زردہ اور حلوہ وغیرہ واپس کردیا۔ یہ ابھی نظامیہ جلسہ میں دہلی بھی گئے تھے۔ اسی ٹرین میں مولانا نیاز صاحب فتحپوری ایڈیٹر رسالہ نگار بھی کشمیر جا رہے ہیں۔ مجھ سے ملنے آئے تو میں پہچان نہ سکا کیونکہ انگریزی لباس میں تھے۔ امام الدین نظامی بھی میوہ لے کر ملنے آئے تھے۔ یہ ہمیشہ دہلی بھی ملنے جایا کرتے ہیں۔ راولپنڈی سے گاڑی چلی تو گولڑہ شریف پر ٹھہری جہاں حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ گولڑہ کے بعد ٹیکسلا اسٹیشن آیا جہاں بدھ مذہب کے زمانہ کا ایک دبا ہوا شہر نکلا ہے اور جہاں ہندوستان اور وسط ایشیا کی بدھ یونیورسٹی تھی۔ اور جس کے دیکھنے کا مجھے بہت ہی شوق ہے۔ راستہ میں سیمنٹ بنانے کا ایک کارخانہ نظر آیا جو ہندوستانی کمپنی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سارا پہاڑ ایسا ہے جسکے پتھروں کو سفیدی کی طرح بھونکتے ہیں۔ تو سیمنٹ بن جاتی ہے۔

حسن ابدال کے اسٹیشن پر مظفرآباد کشمیر سے آئے ہوئے مولانا عبدالرحمن نظامی اور ان کا بچہ سعید الرحمن نظامی اور محمد عبداللہ نظامی اور عبدالرحمن قلعی گر نظامی ملے جو بہت بڑا سفر کرکے کشمیر سے یہاں تک آئے ہیں۔ مولانا پشاور تک میرے ساتھ جائیں گے۔ حسن ابدال کی وجہ تسمیہ بھی معلوم نہیں ہوئی۔ یہاں پہاڑ کی چوٹی پر پیر قندھاری صاحب کا مزار ہے اور بابا نانک صاحب کے پنجہ کا ایک نشان بھی ہے۔ یہاں بکثرت سکھ عورت مرد زیارت کے لئے آتے رہتے ہیں۔ اٹک دریا کا پُل آیا تو ایک پرانا شوق پورا ہوا۔ مجھے اسکے دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ یہاں کی سینری نہایت عمدہ ہے۔ پُل کے دائیں طرف اٹک کا مشہور قلعہ دریا کے کنارہ پر اپنی شان دکھا رہا ہے۔ کابل کا دریا لُنڈا ابھی اٹک میں مل جاتا ہے یہ پُل دو پہاڑیوں پر بنایا گیا ہے۔ یہاں دریا کا دہانہ بہت ہی چھوٹا ہے۔ دریا ایک معمولی نہر معلوم ہوتا ہے۔ پُل کے بائیں طرف دریا کے وسط میں ایک پہاڑی ہے جسکی وجہ سے دریا دو سمت میں تقسیم ہوگیا ہے اور اس سے منظر میں عجیب دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔ اٹک دریا کی نسبت سنا تھا کہ جس کے دل میں اٹک ہے وہ اٹک جاتا ہے اور اٹک کو عبور نہیں کرسکتا۔ میرے دل میں اٹک ہو یا نہ ہو لیکن میں نے اٹک دریا کو تونسہ شریف جاتے وقت کئی دفعہ عبور کیا ہے۔

کیمبل پور اسٹیشن پر بھی مسلمان جمع ہوگئے اور انہوں نے کہا۔ اس طرف کسی کو آپ کے آنے کی خبر نہیں ملی ورنہ یہاں ہزاروں مسلمان جمع ہوجاتے۔ کیونکہ سب لوگ آپ کا نام جانتے ہیں۔

نوشہرہ پر گاڑی پہنچی تو ایک دُبلے پتلے پھرتیلے مسلمان گاڑی میں آئے۔ حضور احمد نام بتلایا شُبہ کے لہجہ میں پوچھا

آپ افغانستان کیوں جاتے ہیں۔ میں نے کہا آثار قدیم دیکھنے۔ ان کا شبہ اور بڑھ گیا۔ غور سے میرے چہرہ کو دیکھ کر بولے۔ افغانستان میں آثار قدیم کہاں ہیں؟ میں نے کہا غزنی اور غور کا نام سنا ہے؟ بولے جی ہاں! سنا ہے مگر وہاں بھی آثار قدیم نہیں ہیں۔ مجھے اس جواب سے ہنسی آگئی۔ افغانستان کے قریب رہنے والے بھی غزنی اور غور کے آثار قدیم سے ناواقف ہیں یا شک وشبہ کی وجہ سے ناواقف بننا چاہتے ہیں۔ انکا نام حضور احمد نہیں دوراز احمد ہوتا تو اچھا تھا۔

ٹرین میں ایک مسلمان خانساماں چل رہے ہیں۔ گھڑی گھڑی میرے پاس آتے ہیں اور خدمت کرتے ہیں میں ان کو برابر بٹھلا کر راستہ کے حالات پوچھتا ہوں۔

رات کے ساڑھے آٹھ بجے گاڑی پشاور چھاؤنی پر پہنچ گئی۔ خاں صاحب میرزا بدرالدین خاں پنشنر انسپکٹر پولیس اسٹیشن پر موجود تھے اور انہوں نے میرے قیام اور طعام کا انتظام بھی کیا تھا مگر نواب سر عبدالقیوم صاحب کے کارندے عبدالکریم صاحب بھی آئے تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ نواب صاحب نے شملہ سے ہدایت بھیجی ہے کہ خواجہ صاحب میرے مکان پر ٹھہریں۔ کچھ دیر سچے مسلمانوں کی طرح مہمان کی نسبت ان دونوں مسلمانوں میں میرے ٹھہرانے کی بابت حجت ہوتی رہی۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ میں اپنے ہاں لیجاؤں۔ مجھ سے پوچھا گیا۔ میں نے کہا مردہ بدست زندہ میں دونوں جگہ پسند کرتا ہوں۔ آخر نواب سر عبدالقیوم خاں صاحب کے ہاں ٹھہرنا طے ہوا۔ اسٹیشن پر فضیل الدین نظامی کے بھائی احمد نظامی بھی موجود تھے۔ موٹر میں قیام گاہ پر آیا۔ مولانا عبدالرحمٰن نظامی بھی ساتھ آئے۔ موٹر کابل تک کے لئے ایک سو تیس روپئے میں طے ہوئی عبدالکریم صاحب نے نواب سر عبدالقیوم صاحب کی عدم موجودگی میں ایسی خدمت کی گویا خود نواب صاحب موجود ہیں۔ یہ بڑے خلیق و منتظم آدمی ہیں اور چہرہ سے بھی شریف معلوم ہوتے ہیں۔ راستہ میں آندھی آئی تھی۔ تمام جسم اور سر کے بال گرد آلود ہیں مگر خنکی کی وجہ سے نہانے کی ہمت نہ ہوئی۔ دس بجے کے بعد سو گیا۔ ساڑھے تین بجے رات کو مولانا عبدالرحمٰن نظامی نے جگایا۔ اور میں نے صبح تک ان کی امداد سے روزنامچہ مرتب کیا۔

یہاں خنکی معلوم ہوتی ہے۔ پانی بہت ٹھنڈا ہے۔ برف کی ضرورت نہیں ہے۔ میری صحت خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ البتہ نزلہ کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ اب کل صبح دس بجے روانگی مقرر ہوئی ہے موٹر ڈرائیور وعدہ کرتا ہے کہ پرسوں جمعہ کی نماز سے پہلے کابل پہنچا دیگا سر عبدالقیوم صاحب کا مہمان خانہ بہت شاندار اور مشرق و مغرب کے طرز کا مجموعہ ہے۔ اور یہاں ہمیشہ مہمان آتے رہتے ہیں۔

۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ ہجری مطابق ۱۷ستمبر ۱۹۳۱ء

یوم پنجشنبہ۔ سفر افغانستان

پشاور سے روانگی صبح ناشتہ کے بعد چہل قدمی کی

جناب میرزا بدرالدین صاحب (خان صاحب حاجی غلام حسن خاں
صاحب کنٹراکٹر کے خسر) تشریف لائے اور مستری حبیب خاں
نظامی کا پاسپورٹ پشاوری مامورِ افغانستان سے تصدیق
کرانے لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد پھر آئے اور کہا مامور صاحب
آپ کا دستخطی رقعہ چاہتے ہیں میں نے وہ بھی لکھ دیا تب مستری
کے پاسپورٹ کی تصدیق ہوئی اور روانگی کا سامان شروع ہوا۔

صوفی حاجی محمد صاحب پشاور میں کسی کو اطلاع نہیں دی
تھی۔ یہاں تک کہ میرے بہت پرانے رفیق تبلیغ صوفی حاجی
محمد صاحب کو بھی میرا پشاور میں آنا معلوم نہ تھا لیکن ان کی معلومات
مقامی سے فائدہ اٹھانے کے لئے میں نے ان کے پاس آدمی
بھیجا۔ فوراً تشریف لے آئے۔ کبھی صورت نہ دیکھی تھی خط و
کتابت سالہا سال سے تھی۔ میرے تبلیغی کام کو نہایت عمدگی
سے انجام دیتے تھے۔ آج دیکھا تو چہرہ بھی ذہین اور آنکھیں بھی
تیز و مستعد پائیں۔ بہت اخلاق سے ملے اور فوراً لنڈی کوتل
تک ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور مجھے ان کی اتنی رفاقت
بھی بہت غنیمت معلوم ہوئی۔

ٹھیک گیارہ بجے صبح موٹر میں سوار ہوا۔ عبدالکریم صاحب
کارندہ سر عبدالقیوم صاحب اور میرزا بدرالدین صاحب اور
مولانا عبدالرحمن نظامی سے رخصت ہوا اور موٹر نے افغانستان
کی طرف اپنے پہیہ کو حرکت دی۔

غزنوی میدانِ جنگ پشاور کی آبادی سے باہر آتے
ہی پہاڑوں کے دامن میں ایک وسیع میدان نظر آیا۔ صوفی
حاجی محمد صاحب نے بتایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سلطان محمود
غزنوی کا ہندو فوج سے مقابلہ ہوا تھا۔ میدان پر نظر ڈالتے
ہی مجھے خیال آیا کہ یہاں ہزاروں مسلمان کھڑے ہونگے
اور یہاں لاکھوں ہندوؤں کی فوجیں ہوں گی۔ اور اس جگہ
سلطان نے شکست کے آثار دیکھ کر خاک پر سجدہ کیا ہو گا
(اس میدان کو کچا گڑھی بھی کہتے ہیں)۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ سلطان کے پہلے حملہ کے
وقت پشاور کے سامنے لڑائی ہوئی تھی اور پنجاب کا راجہ
لاکھوں کی جرار فوج کے ساتھ مقابل ہوا تھا اور جب شکست کے
آثار پیدا ہوئے تو سلطان گھوڑے سے اترا۔ خاک پر سجدہ
کیا اور فتح کی دعا مانگی۔ یکایک ہندوؤں کو شکست ہو گئی اور
مسلمان کامیاب ہو گئے۔

جبتک موٹر اس میدان کے سامنے رہی مجھے اپنے تصوّر
سے ہوش نہ آیا۔ یکایک صوفی صاحب نے کہا یہ اسلامیہ کالج
کی عمارتیں ہیں۔ بھاگتی ہوئی موٹر میں پورا نظارہ تو نہ کر سکا تاہم
کالج کی عظمت و شان کا عمارتوں سے اندازہ ہو گیا۔

تھانہ ہری سنگھ اسلامیہ کالج کے بعد ہری سنگھ نلوہ مشہور
سکھ سردار کا تھانہ نظر آیا۔ اس کو ہری سنگھ کا برج کہتے ہیں
ہری سنگھ نے بھی اس علاقہ میں خوب شہرت حاصل کی تھی
اور اسی جگہ ایک افغان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔

جمرود کا قلعہ اس کے بعد جمرود کا قلعہ آیا۔ یہ بھی ہری سنگھ نلوہ کا بنوایا ہوا قلعہ ہے۔ کہتے ہیں اس کی بنیادوں میں آفریدیوں کے سر کاٹ کر رکھے گئے تھے۔ اب اس قلعہ میں انگریزی فوج رہتی ہے۔

قلعہ شہ گئی اس کے بعد شہ گئی قلعہ آیا۔ بہت مستحکم اور شاندار ہے۔ یہ سڑک انگریزی قبضہ میں ہے اور اطراف میں آزاد قبائل سرحد کے مکانات ہیں۔

سرحدی مورچے آزاد قبائل کے سب مکانات کچے اور مٹیالے ہیں۔ یعنی کچی مٹی کی چار دیواریاں بنی ہوئی ہیں اور ہر مکان کے اندر ایک اونچا مینار ہے جو دور سے نظر آتا ہے مینار کے اوپر بندوق چلانے کے سوراخ بنے ہوئے ہیں ایک مینار میں چار پانچ آدمی کھڑے ہو کر بندوقیں چلا سکتے ہیں یہ مینار آج کل بھی کام آتے رہتے ہیں۔ کیونکہ سرحدی قبائل یا تو انگریزوں سے لڑتے ہیں یا آپس میں لڑتے ہیں اس لئے ان مورچوں کا استعمال جاری رہتا ہے۔

علی مسجد قلعہ شہ گئی کے بعد وہ مسجد آگئی جس کی زیارت کے لئے ساری عمر سے ترس رہا تھا۔

(مسجد کیا ہے ایک چھوٹا سا مقبرہ معلوم ہوتا ہے۔ چار پانچ گز اندر جگہ ہے۔ چار دروازے ہیں اس پر ایک برج ہے مسجد کے آس پاس مسلمانوں نے جھنڈیاں لگا رکھی ہیں۔

حضرت علیؑ کے نام سے اس لئے منسوب ہے کہ لوگوں کے عقیدہ میں حضرت علیؑ یہاں آئے تھے یا اُن کا تیر یہاں آ کر گرا تھا۔ بہر حال حضرت علیؑ کا آنا ثابت نہ بھی ہو تب بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے نام سے مسلمانوں نے کسی وقت یہاں کوئی بڑا کام نکالا۔)

درہ خیبر علی مسجد سے درہ خیبر شروع ہوتا ہے۔ اس درہ کی شہرت بچپن سے سُنتا تھا۔ حفیظ صاحب جالندھری جب درہ خیبر کی نظم سُناتے تھے تو میری قومی روح کو وجد آتا تھا اور بار بار اس نظم کو سُنتا تھا۔ جب افغانستان کے سفر کا تصور کرتا تھا درہ خیبر کی عجیب ہیئت خیال میں آتی تھی۔ کتابوں میں دیکھتا تھا کہ یہ درہ اتنا تنگ ہے کہ ایک سوار مشکل گزرتا ہے اور دوسرا اس کے برابر نہیں چل سکتا۔ اور دس بارہ میل تک ایسا ہی تنگ راستہ ہے۔

یہی وہ درہ خیبر ہے جس سے سکندر ذو القرنین گزر کر ہندوستان میں آیا۔ اور اسی درہ سے سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری اور نادر شاہ دُرانی اور احمد شاہ ابدالی وغیرہ فاتح ہندوستان پر حملہ آور ہوئے ہیں ان تاریخی حملوں کو یاد کر کے درہ خیبر کی دید کے لئے بے قرار تھا۔ اس کی خاک کو ، اس کی دیواروں کو گزشتہ زمانہ کے تصور سے دیکھنا چاہتا تھا۔

مگر آج سارا شوق برباد ہو گیا کیونکہ درہ خیبر کی قدیمی شان باقی نہیں ہے۔ قوموں کی فوجی ضروریات نے درہ کی تنگی کو فراخ کر دیا ہے۔ علی مسجد سے ڈکہ تک کئی کشادہ راستے بنا دئے

گئے ہیں اور اب وہ ایک سوار کے گزرنیکے قابل تنگ راستہ باقی نہیں ہے اور ہمارا موٹر ایسے نئے راستہ سے گزری کہ وہ تنگ راستہ کسی اور سمت رہ گیا۔ صوفی حاجی محمد صاحب نے کہا کہ اب کئی راستے فوجی ضروریات کے سبب بنا دئے گئے ہیں درہ خیبر کی گزشتہ ہیئت باقی نہیں ہے۔

علی مسجد سے ڈکہ تک بارہ تیرہ میل کا فاصلہ سب درہ خیبر کہلاتا ہے اور پہلے افغانستان کے قبضہ میں تھا مگر اب انگریزی قبضہ میں ہے۔

لنڈی کوتل

پشاور سے ۲۹ میل طے کرنے کے بعد لنڈی کوتل چھاؤنی آگئی۔ جہاں سے صوفی حاجی محمد صاحب ہم سے رخصت ہو کر پشاور چلے گئے۔ ان کی معلومات سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اور انہوں نے اپنا حرج کرکے پورا دن قربان کر دیا۔ اب وہ شام تک کسی لاری میں پشاور پہنچ جائینگے

لنڈی خانہ

لنڈی کوتل کے بعد لنڈی خانہ مقام آیا اور اسی کے قریب طورخام مقام ملا۔ جہاں انگریزی افسر پاسپورٹ دیکھتے ہیں۔

پشاور کے ایک خان بہادر کی بیرحمی

طورخام میں موٹر ٹھہری۔ میں مستری حبیب خاں کے ساتھ اندر دفتر میں گیا۔ دونوں پاسپورٹ دکھائے۔ محمد یعقوب صاحب نائب تحصیلدار اس خدمت پر مامور ہیں۔ میرے رسائل کے خریدار اور معقول مسلمان ہیں۔ کھڑے ہو گئے۔ کھانے چار پائی کو پوچھا۔ مگر پاسپورٹ دیکھتے ہی بولے کہ آپ نے ان پر سی آئی ڈی پشاور کی مُہر نہیں لگوائی؟ میں نے کہا مجھ سے کسی نے اس ضرورت کو بیان نہیں کیا اور میں خود واقف نہ تھا۔ انہوں نے اسی وقت پشاور کے دفتر سی۔ آئی۔ ڈی کو ٹیلیفون کیا خان بہادر عبد العزیز صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے حالات سُن کر جواب دیا کہ خواجہ صاحب کے ساتھ رعایت کرو اور ان کو جانے دو مگر ان کے ساتھی کو واپس کر دو۔ محمد یعقوب صاحب نے کہا۔ خواجہ صاحب کو اپنے رفیق سفر کے بغیر تکلیف ہو گی مگر خان بہادر صاحب نے کچھ پروانہ کی اور اپنا حکم بحال رکھا۔ میں نے کہا اگر غلطی ہے تو ہم دونوں کے پاسپورٹ میں ہے۔ مجھ سے رعایت کیوں کی جاتی ہے اور یہ رعایت تو ایسی ہے کہ ہم آپ کا سر نہیں کاٹتے مگر ہاتھ پاؤں کاٹ لیتے ہیں۔ اتنے بڑے سفر میں مجھ بیمار اور بڈھے مسافر کے لئے رفیق کی ضرورت بے حد ہے۔ رفیق کے بغیر میرے ہاتھ پاؤں بیکار ہیں۔

بہر حال خان بہادر صاحب کی بیرحمی اور حکم ناحق کا علاج نہ ہو سکا اور مستری حبیب خاں کو پشاور واپس کیا گیا محمد یعقوب صاحب نے بہت مہربانی سے ایک لاری میں ان کے جانے کا بندوبست کر دیا۔ خان بہادر صاحب کی بیرحمی سے میں روپئے کا زائد خرچہ بھی ہو گا۔ مجھے اور مستری کو تکلیف بھی ہو گی اور مجھ کو اُف کرنے کی اجازت بھی نہ ملے گی

مسٹری حبیب خاں نظامی - رفیق سفر افغانستان

کیونکہ انہوں نے میرے ساتھ تو رعایت کردی۔ اگر پشاور کی خفیہ پولیس نے یہ قاعدہ نکالا ہے تو اس کو بندوبست کرنا چاہئے کہ پشاور سے نکلتے ہی پاسپورٹ دیکھ لئے جائیں اور ۳۰ میل دور جاکر یہ مصیبت مسافروں کو نہ ہو۔

ایک خان بہادر عبد العزیز لاہور کے ہیں جو پبلک کی آسانی کے لئے ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں اور ایک خان بہادر عبد العزیز پشاور کے ہیں جو ٹیلی فون میں بے رحمی کا حکم دے کر خوش ہوتے ہیں۔ پشاور کے حکام کو چاہئے کہ وہ ایسے مسافر نواز خان بہادر کو ڈبل خان بہادر کا خطاب دیدیں۔

بدخشاں کا متر لیاس میں طورخام کے پاسپورٹ آفس میں ایک گھنٹہ سے زیادہ دیر تک بیٹھا رہا۔ ستری کی جدائی کی کوفت کے ساتھ ہی عجیب و غریب مسافروں کی دید کا لطف بھی اٹھایا جو اپنے پاسپورٹ دکھانے آ رہے تھے۔ ایک صاحب بدخشاں سے آئے تھے۔ بوڑھے آدمی سفید ڈاڑھی روئی کا چوغہ پہنے ہوئے۔ نام پوچھا تو کہا متر لیاس۔ میں نے حیرت سے اس نام کو سنا۔ محمد یعقوب صاحب نے نام کی تشریح پوچھی تو معلوم ہوا نام مہتر الیاس ہے اس کو بگاڑ کر متر لیاس بنا لیا ہے۔

میں نے کہا۔ کیوں جناب! بدخشاں میں لعل اب بھی ہوتے ہیں؟ بڑے میاں نے جواب دیا لعل کیا چیز؟ وہاں لعل نہیں ہوتے۔ محمد یعقوب صاحب ان کی زبان میں میرے سوال کا ترجمہ کرتے تھے اور بڑے میاں کے جوابوں سے مجھے بہت لطف آتا تھا۔ میں نے کہا تو بس لعل بدخشاں ہمارے لٹریچر میں ہتھیاروں کے ناموں کی طرح رہ گیا ہے اصلیت ختم ہو چکی ہے۔ اب کسی معشوق کے لب لعل کی تعریف کرنی ہوگی تو بدخشاں کے لعل سے تشبیہ نہ دی جائیگی بلکہ یوں کہا جائے گا کہ میرے محبوب کے ہونٹ ایسے لال ہیں جیسے بندر کا منہ۔ یا جرمنی کا لال رنگ۔ یا جاپان کا لال ڈراج یا پولیس کے سپاہی کی لال پگڑی۔ یا پشاور کے خان بہادر عبد العزیز کا غضبناک چہرہ۔ یا ان کے دستخط کرنے کی لال روشنائی۔

ہنس اکیلا اُڑا آخر مستری حبیب خاں کو جدا کر کے میں اکیلا افغانستان کی طرف چلا۔ محمد یعقوب صاحب اور انکے ساتھی موٹر تک پہنچانے آئے۔ جان محمد موٹر ڈرائیور نے باتیں شروع کیں اور میں بھی جی بہلانے کے لئے سوالات کرتا رہا۔

میلے کپڑوں کی وجہ جان محمد چھ ہزار روپے قیمت کی موٹر کے مالک ہیں۔ بیوک موٹر ہے۔ کہتے تھے خدا نے سب کچھ دیا ہے۔ ایران و ترکستان کی سیر بھی کر چکا ہوں موٹر سے بہت کماتا ہوں مگر کپڑے میلے اس لئے رکھتا ہوں کہ لوگ امیر سمجھ کر لوٹنے کی حرص نہ کریں۔

ڈکہ طورخام سے نکلتے ہی افغانی چوکی ملی اور بندوق بلند نو عمر خوبصورت سپاہی نے موٹر کو روکا۔ جان محمد ڈرائیور نے

نے کہا یہ حضرت صاحب ہیں اور اعلیٰ حضرت (بادشاہ) کے
ذاتی مہمان ہیں۔ یہ سُنتے ہی اس نے سلام کیا اور آگے جانے
کی اجازت دے دی۔ ڈرائیور پشتو اور فارسی خوب بولتا
ہے۔ سگرٹ میں ملا کر چرس بھی پیتا ہے۔ اور چرس کے نشہ
میں باتیں بھی خوب کرتا ہے۔

تھوڑی دور جا کر افغانی چوکی ڈکہ نامی آئی۔ ڈکہ کا نام
بہت سُنا تھا۔ بہت سے مسلح سپاہی کھڑے تھے۔ میں موٹر
سے اُتر کر اندر کمرہ میں گیا۔ محمد حسن صاحب نامی ایک نوعمر افسر
تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ پاسپورٹ دیکھ کر تصدیق لکھ دی
اور حکم دیا کہ ان کے اسباب کی تلاشی نہ لو۔ پھر چاے منگا کر
پلائی اور موٹر تک پہنچانے آئے۔ اسلامی اخلاق کا پورا نمونہ دکھایا۔
سب نے ہاتھ چوم کر فقیر دوستی کا مظاہرہ کیا۔

موٹر کی قلابازی

رات کو جان محمد صاحب موٹر ڈرائیور نے
مجھ سے چالیس روپے پیشگی لئے تھے اور ناٹک دیکھنے کے
کار خیر میں بھی اس میں سے کچھ خرچ کیا تھا۔ رات بھر جاگے
تھے اس لئے اونگ رہے ہیں۔ طورخام تک انگریزی سڑک
تھی اور بہت عمدہ تھی۔ اب افغانی سڑک ہے ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ سڑک کی مرمت کرنے کے لئے کسی نے سڑک کو
کھدوا ہے اور تختہ لگا دیا ہے کہ مرمت کے لئے سڑک بند ہے یعنی سڑک
کُھدی ہوئی ہے جگہ جگہ گڑھے۔ روڑی بکھری ہوئی۔ بڑے بڑے پتھر بھی جگہ
جگہ راستہ کی مزاحمت کرتے ہوئے۔ مگر یہ خرابی بعد میں جا کر
بہت غنیمت معلوم ہونے لگی۔ کیونکہ پھر تو ایسی سڑک آئی کہ
اس کو سڑک کہنا خوش اعتقادی ہے کیونکہ پہاڑی ندی نالوں
کی بٹیاں بھی ہوئی ہیں۔ موٹر اُچھلتی ہے تو چھت کی لکڑی
سر میں لگتی ہے مگر ڈرائیور صاحب بے تحاشا دوڑاتے ہوئے
جا رہے ہیں۔ سامنے ایک بڑا نالہ آیا جس کے پُل کے کنارے
ٹوٹے ہوئے تھے۔ موٹر نے اس کو عبور کر لیا۔ آگے بڑھی تو
نالے کی گہرائی کی طرف سڑک چھوڑ کر جھکی۔ میں سمجھا کسی بڑے
پتھر سے بچانے کے لئے موٹر کو موڑا ہے مگر جب موٹر کے
دائیں رُخ کے دونوں پہیے غار میں گرے اور موٹر آڑی ہوگئی
تو معلوم ہوا کہ موت نے دھکا دیا ہے۔ میرے مُنہ سے
بے اختیار "یا اللہ" کی چیخ نکلی اور میں موٹر کی چھت کی
لکڑی کو پکڑ کر لٹک گیا۔

مگر آفریں ہے جان محمد کو کہ میری آواز سُنتے ہی جاگا اور
ایک سکنڈ میں موٹر کو موڑ لیا اور جو پہیے نیچے گر چکے تھے ان کو
ایک چکر میں اوپر لے آیا مگر موٹر دس بارہ قدم اوپر آنے کے
بعد بھی پتھروں سے ٹکراتی ہوئی چلی اور ایسا معلوم ہوا کہ موٹر
پاش پاش ہوگئی۔

ڈرائیور اور ان کے ساتھی موٹر روک کر اُترے اور
موٹر کو دیکھا کہ کیا کیا ٹوٹا۔ میں نے کہا۔ کیوں جان محمد!
نیند تو بڑے مزہ کی تھی؟ بولا۔ حضور! رات کو ناٹک میں گیا
تھا۔ پارسی ناٹک کمپنی جانے والی تھی۔ آخری تماشا تھا۔

ساری رات جاگا تھا۔ بندہ ہے آنکھ لگ جاتی ہے۔ آپ بے فکر رہئے میں بہت آرام سے آپ کو لے جاؤں گا۔ مگر موٹر چلانے میں نیند آجانے کی تو مجھے عادت ہے۔ یہ کہہ کر ایک قہقہہ لگایا۔ جان محمد کے ساتھی نے کہا۔ ایک دفعہ میری موٹر گری تو میں کود پڑا اور موٹر میں آگ لگ گئی۔ یہ کہہ کر دونوں خوب ہنسے۔

میں نے دل میں کہا مسلمان ہوں تو ایسے بے فکرے ہوں موت کے منہ سے بچے ہیں اور ہنستے ہیں۔ جان محمد نے کہا آپ کی برکت سے موٹر بچ گئی اور کوئی پرزہ خراب نہیں ہوا میں نے کہا میری برکت سے تمہاری موٹر بچی اور تمہاری کرامت سے میں بچا۔ ورنہ میں دائیں طرف تھا نالہ کے اندر گر پڑتا تو سرحدیوں کے لئے ایک سید پیر کی قبر بن جاتی۔ مگر میری عقل میں یہ بات ابتک نہیں آئی کہ آدھی موٹر نالہ کے اندر لٹک گئی اور پھر ایک ہی حرکت میں اوپر کیونکر آگئی۔ جان محمد نے جواب دیا۔ یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔ آپ کی "یا اللہ" آواز سے میری آنکھ کھلی اور میں نے بے اختیاری میں پہیہ موڑ دیا اور خدا موٹر کو اوپر لے آیا۔

قبروں کی کثرت

راستہ میں جگہ جگہ بکثرت قبریں ملتی تھیں جن پر جھنڈے اور پتھر لگے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا گزشتہ انقلاب کے زمانہ میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں یہ لوگ مارے گئے تھے۔ راستوں پر بوڑھے۔ جوان۔ بچے پٹھان ملتے تھے بہت ہی میلے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے۔ جان محمد نے کہا۔ یہ سب زمیندار اور خوش حال ہیں مگر اپنی دولت کو مخفی رکھنے کے لئے میلے کپڑے پہنتے ہیں۔ ان لوگوں کے چہرے خوب سرخ اور آنکھیں خونخوار ہوتی تھیں۔ جگہ جگہ مٹی پر لیٹے ہوئے ملتے تھے یا بیٹھے ہوئے۔ ان کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں کالے کپڑے پہنتی ہیں اور ہندو عورتوں کی طرح غیر مرد کو دیکھ کر کپڑے کی آڑ چہرہ پر کر لیتی ہیں۔

جلال آباد

عصر کے بعد موٹر جلال آباد پہنچی مگر میں یہاں ٹھہرا نہیں کیونکہ ڈکہ کے کرنل محمد حسن خاں صاحب نے کہا تھا کہ آپ نِملہ مقام پر رات بسر کیجیے گا وہاں کے ڈاک بنگلہ میں ٹیلیفون کر دیتا ہوں۔

جلال آباد گرم مقام ہے سردی کے ایام میں کابل کی حکومت کبھی کبھی یہاں آجاتی ہے۔ امیر حبیب اللہ خاں صاحب شہید کا مزار بھی یہاں ہے۔ میں نے راستہ سے دیکھا پکا بنا ہوا ہے۔ جلال آباد میں بھی مٹیالے مکان ہیں اور اکثر مکانات سقہ شاہی دور میں جلا دئے گئے ہیں اور ویران پڑے ہیں۔

جلال آباد سے آگے فتح آباد مقام آیا۔ یہاں موٹر میں پانی ڈالا گیا۔ بازار میں مرجھائے ہوئے تربوز بک رہے تھے اور چائے کے سماوار تو ہر بازار میں نظر آتے ہیں۔ میلے کپڑوں کے دکاندار بے دودھ کی چائے فروخت کرتے ہیں۔

نِملہ

مغرب کے بعد نملہ پہنچے۔ ڈاک بنگلہ میں گئے ملازم

نے کہا چاول منگائے ہیں وہ آجائیں تو پکا دینگے۔ جان محمد نے کہا ابھی ایک فرانسیسی کو لایا تھا اس کے لئے چاول پکے تو برابر کے کنکر تھے وہ نہ کھا سکا۔ یہ سُن کر میں نے کہا ہمارے ساتھ کھانا ہے۔ تم فقط مکان اور پانی اور روشنی دے دو ولی محمد نوکر پانی لایا۔ میں نے نمک پانی سے ناک صاف کی۔ کیونکہ نزلہ کی شدّت ہے۔ جو دہلی سے شروع ہو گیا تھا۔ اکسیر نزلہ ٹرنک میں بند ہے اور کنجی غلطی سے مستری کے ساتھ پشاور چلی گئی ہے۔

تاڑ سے بڑے سرو ڈاک بنگلہ شاہجہاں بادشاہ کے باغ میں ہے۔ جہاں حوض اور سرو کے درخت شاہ جہاں کی یادگار ہیں۔ نرگس کا پھول بھی یہاں بہت عمدہ ہوتا ہے شاعر سے سُنا تھا کہ ؎

سب اس کو سرو باندھتے ہیں تو اس کو تاڑ باندھ
بوسہ کی گر ہوس ہو تو گرد اس کے پاڑ باندھ

مگر نملہ کے باغ میں تاڑ سے اونچے سرو دیکھے جو بڑ کی طرح گنجان اور پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے تنے اتنے موٹے ہیں کہ دو آدمی کی کولی میں نہ آسکیں۔ راستہ کا بچا ہوا کھانا میں نے بھی کھایا۔ ڈرائیوروں کو بھی دیا اور بنگلہ کے ملازمین کو بھی بانٹا۔ ۹ بجے سو گیا۔ اتنا تھک گیا تھا کہ بے خبری کی نیند آئی اور تین بجے آنکھ کھلی سردی زیادہ تھی یعنی دہلی سے ذرا زیادہ تھی۔ جلال آباد تک گرمی رہی اب سردی شروع ہوئی۔

ڈاک بنگلہ کے نوکروں کو انعام دینا چاہا تو انہوں نے انکار کیا ان میں پھرتی اور چستی نہیں ہے مگر سیر چشمی ہے۔ لالچی نہیں ہیں جدید حکومت کا رعب بھی اس سیر چشمی کا ایک باعث ہے، اور یہ بھی کہ افغان فقراء اور علماء سے بہت عقیدت رکھتے ہیں پاٹ دیا خانہ کا گملہ بھی ایک ملازم بنگلہ نے خود صاف کر دیا۔ کہتا تھا دہلی کا بہت شوق ہے کہ وہاں جاؤں اور پیرانِ عظام کی زیارت کروں۔

ولی محمد نوکر خوب سُرخ و سفید نوجوان اور تندرست آدمی ہے، مگر گاندھی کی چال چلتا ہے یعنی جواہر لال کی سی چستی اور تیزی کام کاج میں نہیں ہے۔ دوسرا افسر جس نے گملہ صاف کیا تھا عمر میں زیادہ ہے مگر خوب مستعد اور تیز ہے نملہ کے باغ کو اور سرو کی قطار کو اور قدیمی حوضوں کو دیکھ کر میرے تصور کو شاہ جہانی دور یاد آگیا۔ کیا زمانہ تھا کہ وہ آگرہ اور دہلی سے تفریح کرنے اتنی دور آتے تھے۔ ایک ہم ہیں کہ موٹر میں سوار ہیں رستے بنے ہوئے ہیں اور راستہ کی تکلیف سے ہمت پست ہوئی جاتی ہے۔

تکلیف کی برداشت بھی ایک عادت ہے، جس کو یہ عادت نہ ہو وہ تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا میں باوجود برداشت کی عادت ہونے کے اس سفر سے گھبرایا ہوا معلوم ہوتا ہوں۔

۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۰ ہجری مطابق ۱۸ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء یوم جمعہ سفر افغانستان

نملہ سے روانگی ملک سلیمان میں نمل (چیونٹی) نے آنکھ کھولی تلی ہوئی دال ساتھ ہے۔ اس کا ناشتہ کیا۔ بے دودھ کی چاء پی اور سات بجے روانہ ہوا خیال یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کابل میں مل جائیگی۔

لاری سے ٹکر راستہ میں کابل سے پشاور جاتی اور آتی ہوئی لاریاں بکثرت ملتی ہیں جن میں میوہ جاتا ہے۔ ڈرائیور عموماً پٹھان ہوتے ہیں اور ایسی بے احتیاطی سے موٹر چلاتے ہیں کہ روزانہ موٹریں غاروں میں گرتی ہیں۔ چنانچہ میں نے راستہ میں جگہ جگہ گری ہوئی اور ٹوٹی ہوئی موٹریں دیکھیں۔

نملہ سے روانہ ہوتے ہی جان محمد نے سگرٹ نوشی شروع کی۔ وہ ہر پانچ منٹ کے بعد سگرٹ پیتا ہے اور میں ایک پان کھاتا ہوں۔ سڑک کی یہ حالت ہے کہ ہر دس قدم کے بعد ایک موڑ آتا ہے۔ پہاڑوں پر ایسی ہی چکر دار سڑکیں ہوتی ہیں۔ سڑک اگرچہ چوڑی ہے لیکن اس میں گڑھے ہیں اور پہاڑی روڑے اور بٹیاں ہیں موٹر اُچھلتی ہوئی جکراتی ہوئی۔ ڈگمگاتی ہوئی چلتی ہے۔ ڈرائیور صاحب کے ہاتھ میں سگرٹ تھا۔ دوسرے ہاتھ میں موٹر کا پہیہ تھا۔ موٹر کا ہارن کیونکر بجاتے۔ اُدھر سے ایک لاری آرہی تھی اس میں بھی پٹھان ڈرائیور تھا اور سردی کے سبب اس کو بھی ہارن بجانے کے لئے کپڑوں سے باہر ہاتھ نکالنے کی ہمت نہ تھی آخر ایک موڑ پہ اوپر سے لاری آئی نیچے سے میری موٹر گئی اور دونوں میں گرمجوشی کا ایک معانقہ ہوا یعنی ٹکر ہوئی مگر دونوں ڈرائیور عین وقت پر ہوشیار ہو گئے۔ اور ہر ایک نے موٹر روک لی اس لئے زیادہ صدمہ نہ پہنچا نہ کوئی چیز ٹوٹی۔

البتہ یہ لطف ہوا کہ ہر ڈرائیور نے پشتو زبان میں ایک دوسرے کو گالیاں دیں۔ ان کی پشتو کی تو معمولی بول چال بھی لڑائی معلوم ہوتی ہے جان محمد نے کہا حضرت صاحب کی برکت سے خیر ہو گئی ورنہ دونوں کا یہاں خاتمہ ہو جاتا۔ حضرت صاحب کا لفظ سُن کر لاری کے ڈرائیور نے نہایت ادب اور عقیدت کے انداز سے مجھے سلام کیا۔

خاک جبار کی چڑھائی دوپہر کے قریب خاک جبار پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوئی جو اس قدر خوفناک ہے کہ کابل کے سفر کو ایک یادگار سفر بنا دیتی ہے۔ ہر قدم پر معلوم ہوتا تھا کہ موٹر لڑکی اور کسی غار میں گری۔

مسلمان فاتح کیسے دلیر تھے کہ ان راستوں سے آنا جانا معمولی بات سمجھتے تھے۔

بت خاک خاک جبار کی دشوار گزار منزل ختم ہوئی تو بت خاک کی منزل شروع ہوئی جس کے بعد کابل آجائے گا۔

بت خاک بدھ مذہب کی حکومت کے زمانہ کا نام ہے یہاں بُت خانہ تھا مگر اب اس کا نشان باقی نہیں ہے۔

کابل کی حدود باوجود کوشش اور جلدی کرنے کے دو بج گئے اور کابل نہ آیا۔ میری گھڑی میں دو بجے ہیں مگر کابل میں سوا بجا ہے۔ یہاں پون گھنٹے کا فرق ہے۔ میں نے اپنی گھڑی کا خیال کر کے یہ سمجھ لیا کہ اب جمعہ کی نماز نہیں ملے گی۔ ورنہ سوا بجا تھا۔ نماز مل جاتی۔

قلعہ بالا حصار کابل کا مشہور قلعہ بالا حصار دور سے نظر آیا اور میری ملت پرست روح میں ایک خروش پیدا ہوا۔ کابل کے لاہوری دروازہ پر موٹر رُکی جنگی والوں نے

ڈرائیور سے "حضرت صاحب" کا لفظ سن کر اسباب کا معائنہ
نہ کیا۔ اور آگے جانے کی اجازت دیدی۔ یہ سب ہی فقراء
کا ادب کرتے ہیں۔

کہاں ٹھہروں؟ ڈرائیور نے کہا کہاں جانا ہے۔ میں
نے کہا مجھے معلوم نہیں کہاں ٹھہروں گا۔ پشاور سے وزیر خارجہ
کو تار دیا تھا انہی کے پاس چلو۔ معلوم ہوا جمعہ کی تعطیل کے
سبب دفتر بند ہیں۔ میں نے کہا وزیر صاحب کے گھر چلو۔ بازار
میں وزیر صاحب کے مکان کا راستہ پوچھا۔ افغان اس معاملہ میں
یورپین ہیں بہت سے جمع ہو گئے اور ہر ایک نے راستہ کی تفصیل
بتانی شروع کر دی۔ ایک خوبصورت نوعمر سپاہی دوڑ کر آیا
اور موٹر میں بیٹھ گیا اور کہا چلو میں وزیر صاحب کے مکان پر پہنچا
دوں۔ میں نے کہا (اگر مکان دور باشد شمارا بوا پسی تکلیف شود)
اگر وزیر صاحب کا مکان دور ہے تو تم کو یہاں واپس آنے
میں تکلیف ہوگی۔ بولا "نہ۔ خیر صاحب اگر در روس باشند
می روم" نہیں جناب اگر وہ روس میں ہوں تب بھی جاؤں گا۔

کچی دیواروں کے ایک عالیشان پھاٹک پر موٹر رکی
باغ کے اندر سے ایک گورا چٹا لڑکا بھاگا ہوا آیا۔ اور کہا "وزیر
صاحب بیروں رفتہ اند" وزیر صاحب شہر سے باہر گئے ہوئے
ہیں۔ البتہ ان کے والد موجود ہیں۔ میں نے کارڈ دیا۔ لڑکا بھاگا
ہوا گیا۔ تھوڑی دیر میں سردار گل محمد خاں صاحب سابق سفیر
افغانستان تشریف لائے جن سے میری اٹھارہ سال کی دوستی
ہے۔ فیض محمد خاں صاحب وزیر خارجہ انہی کے فرزند ہیں اور
حضرت مولانا سید محمد بلال صاحب خلف حضرت مولانا سید
شاہ ابوالخیر صاحب دہلوی کے ساتھ کابل سے باہر لوہ گرد گئے
ہوئے ہیں۔

سردار گل محمد خاں صاحب نے سینہ سے لگا لیا اور کہا
یہ بے اطلاع آپ کہاں سے آگئے۔ خدا نے برسوں کی آرزو
پوری کی کہ آپ ناگہاں میرے گھر پر آگئے۔ مجکو بڑا فخر ہوا۔
اسباب اندر لے گئے اور فوراً "گرما" خربوزہ منگایا اور کھلایا
سردہ سے بہت زیادہ شیریں اور لطیف تھا۔

مجھ پر تکان کا غلبہ تھا۔ بالوں میں خاک جمع تھی نیم غنودگی
طاری تھی۔ گرم قالین پر بیٹھ گیا اور سردار صاحب سے باتیں کرنے لگا۔

وزیر صاحب کی آمد عصر کے بعد وزیر صاحب اور مولانا سید
محمد بلال صاحب بھی آگئے۔ مولانا صاحب بھی اسی مکان میں
مقیم ہیں۔ دونوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ وزیر صاحب نے
کہا۔ اعلیٰ حضرت (بادشاہ سلامت) کو آپ کی اطلاع ہو چکی
ہے اور انہوں نے آپ کے قیام کا بندوبست کرا دیا ہے۔ مگر
ابھی آپ کو میرے مکان پر رہنا چاہئے۔ میں نے کہا میں بھی
یہی چاہتا ہوں کہ ایک رات یہاں آرام کروں کہ آپ کے والد
اور مولانا سید بلال صاحب دہلوی یہاں ہیں اور اپنے گھر کی سی
راحت معلوم ہوتی ہے۔

بادشاہ سلامت کا ٹیلی فون بعد مغرب وزیر صاحب

سردار فیض محمد خان صاحب وزیر خارجه کی تقریر

کو بادشاہ سلامت نے ٹیلی فون پر یاد کیا۔ وزیر صاحب بات
کر کے میرے پاس یہ پیغام لائے کہ اعلیٰ حضرت بعد سلام
مسنون کے فرماتے ہیں:۔

"میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں اور خوش آمدید
کہتا ہوں۔ آپ میرے ذاتی مہمان ہیں۔ میرے
دسترخوان کا کھانا آپ کے لئے آئے گا۔ علیحدہ
مکان کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ مجھے اپنا
بھائی تصور کیجئے۔"

میں نے وزیر صاحب کے ذریعہ سلام کے بعد جواب دلوایا:۔

خدا نے آپ کو فاتح بنایا ہے۔ آپ کے یہ الفاظ
دلوں کو فتح کرنے والے ہیں۔ یقیناً میں آپ
کو بھائی تصور کرتا ہوں۔"

کھانے کے بعد وزیر صاحب سے خوب باتیں ہوئیں۔ وہ سوائے
چین کے تمام دنیا کا سفر کر چکے ہیں۔ اور نہایت دانشمند اور
تعلیم یافتہ اور پابندِ مذہب نوجوان ہیں۔

رات کو تکان کے سبب جلدی سو گیا۔ سردی ایسی تھی
جیسی نومبر کے مہینہ میں دہلی میں ہوتی ہے۔
نزلہ کی شدت بڑھ گئی ہے۔ رات کو خوب غفلت کی نیند آئی۔

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۳۱ء
یوم شنبہ۔ کابل

آج کا دن تکان کا اثر دور نہیں ہوا۔ مسٹری حبیب خاں
شاید آج شام تک یہاں آ جائیں۔ میں نے دس بارہ خط لکھے۔
روزنامچہ لکھا۔ دہلی کو تار بھی بھجوایا۔

کابل میں میرے آنے کی کسی کو خبر نہیں ہے تاہم سردار
ایشور سنگھ اور رحمت اللہ صاحب ہمایوں ملنے آئے۔

سردار صاحب انقلابی پارٹی کے ممبر ہیں۔ سانولا رنگ ہے
آنکھیں چمکدار ہیں۔ میانہ قد ہے۔ ہوائی جہاز کے ذریعہ روس
جائینگے وہاں سے جرمن جائینگے۔ امریکہ کی غدر پارٹی سے
تعلق رکھتے ہیں۔ امرتسر کے رہنے والے ہیں۔

میں نے کہا۔ بال بچے بھی ہیں؟ مسکرا کر کہا ہاں تھے
مگر سنا ہے ایک بچہ مر گیا۔ مجھے تو اپنے مقصد سے محبت ہے
بال بچوں سے کچھ تعلق نہیں رہا۔ یہ کہا تو ان کی آنکھوں میں
خوشی اور فخر کی ایک چمک پیدا ہوئی۔

یہ وہی صاحب ہیں جن کے لئے سردار سردول سنگھ
صاحب کویشر نے مجھ سے دہلی میں سفارش کرنے کے لئے کہا تھا
مگر یہ تو خود ہی افغانستان سے جرمنی جانے کا فیصلہ کر چکے
ہیں۔ ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی لے لیا ہے۔

رحمت اللہ صاحب ہمایوں حاجی شمس الدین صاحب
سابق سکریٹری انجمن حمایت الاسلام لاہور کے صاحبزادہ
ہیں۔ یہاں شاہی سترجمان کے عہدہ پر مامور ہیں۔ ہجرت
کی تحریک کے زمانہ میں یہاں آئے تھے۔

میں شام تک تاریخ محاربہ کابل و قندھار پڑھتا رہا جو

وزیر صاحب کے کتب خانہ سے ملی ہے۔

وزیر صاحب اور ان کے والد سے انقلاب افغانستان کے حالات کی تفصیل بھی سُنی۔ حضرت مولانا سیّد محمد بلال صاحب دہلوی کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں اور خوب خوش ہوں۔ نزلہ کی تکلیف بڑھ رہی ہے۔

مستری کی واپسی شام کو مستری حبیب خاں نظامی پشاور سے پاسپورٹ کی تصدیق کرا کے واپس آ گئے اور ان کے آنے سے مجھے اطمینان ہو گیا۔

آج بھی کہیں نہیں گیا۔ کیونکہ نزلہ میں آرام کرنا مفید ہوتا ہے۔ بادشاہ سلامت نے جو مکان مقرر فرمایا ہے وہاں بھی نہ گیا کل جانے کا ارادہ ہے۔ آج یہاں اور آرام کروں گا۔

خدا کے فضل سے آج بھی رات کو آرام سے رہا۔

آج اخبار "اصلاح کابل" کے نمایندے ملنے آئے تھے یہ سرکاری اخبار ہے۔ ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ معقول اشاعت ہے۔ نمایندہ نے میرا بیان اپنے اخبار کے لئے حاصل کیا۔

۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۰ ہجری مطابق ۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء

یوم یک شنبہ - کابل

آج کی کیفیت نزلہ کو آرام نہیں ہے۔ میں افغانستان سے واقف ہونے کے لئے دن بھر تاریخ افغانستان پڑھتا رہا۔ سردار گل محمد خاں صاحب ہر وقت میرے پاس رہتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ مولانا سیّد بلال صاحب کے ساتھ کھانے اور نماز کا لطف رہتا ہے۔

مولانا سیف الرحمن صاحب آج مولانا سیف الرحمن صاحب ملنے آئے تھے۔ یہ فتح پوری کی مسجد دہلی میں پڑھاتے تھے انقلابی خیالات رکھتے ہیں اور عرصہ سے ہجرت کر کے یہاں آ گئے ہیں ان کے لڑکے بھی ساتھ تھے۔

مولانا محمد بشیر صاحب لاہوری ایڈیٹر "المجاہد" بھی ملنے آئے۔ یہ بھی انقلابی مسلمان ہیں سرحد کے مقام چمرکنڈ میں رہتے ہیں جہاں مجاہدین اور مہاجرین کا جتھہ آباد ہے۔

عصر کے بعد اسباب نئے مکان میں چلا گیا۔ اور میں مولانا سیّد محمد بلال صاحب اور وزیر صاحب کے ہمراہ "دار الامان" میں گیا جو امان اللہ خاں نے بنایا ہے۔ کئی میل کی سڑک ہے جس کے دونوں طرف چنار کے نازک نازک درختوں کی قطار ہے جو سرو کی طرح سیدھے اور بہت اونچے ہیں۔ ان کے سفید اور خوبصورت تنے دیکھ کر میں نے کہا "ایں راہ سیم تناں است" اس سڑک کو راہ سیم تناں کہنا چاہیے۔ باغ میں مغرب کی نماز پڑھی۔ یہ باغ کشمیر کے شالامار باغ سے بڑا اور بہت خوبصورت ہے۔ یہاں امان اللہ خاں کی بنوائی ہوئی اور جرمن انجنیر کی بنائی ہوئی ایک بڑی عمارت ہے جس کو "دار الحکومت" کہتے ہیں۔ غازی نادر شاہ نے اس عمارت کی چھت بنوائی ہے مگر اب بھی اس کی پوری تکمیل نہیں ہوئی ہے۔

سردار علی احمد خان صاحب مرحوم جماعت مجاهدین افغانستان کے ساتھ

باغ میں شہزادہ احمد علی خاں صاحب سے ملاقات ہوئی جو احمد شاہ درانی کی اولاد ہیں اور لاہور میں رہتے ہیں سردار علی احمد خاں شہید کے لڑکے بھی ملے۔ چاندنی رات میں خوب سیر کی اور خوب شعر بازی ہوئی۔ شہزادہ احمد علی خاں اردو کے اچھے ماہر ہیں اور ان کو شاعری کا بھی اچھا ذوق ہے۔ وزیر صاحب بھی ساتھ تھے۔

قیام گاہ پر آیا۔ بہت آراستہ مکان ہے۔ قالین اور مسہریاں اور میزیں کرسیاں ضرورت سے زیادہ ہیں۔ شاہی دسترخوان کا کھانا آیا۔ بادشاہ سلامت نے اپنی خدمت کے ایک خاص سید زادہ سید مومن کو بھیجا جنہوں نے نہایت ادب سلیقہ کے ساتھ کھانا کھلایا اور سونے کے وقت تک حاضر رہے۔ نوعمر ہیں اور بہت شائستہ اور مہذب ہیں۔

سردار عبدالقدوس خاں صاحب مرحوم سابق صدر اعظم افغانستان کے صاحبزادہ بھی شریک طعام ہوئے۔ ان کو بھی میری مہمانداری کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

محمد مرتضیٰ خاں نظامی خلف گورنر کشمیر بھی ملنے آئے جو یہاں چمڑہ کے کارخانہ میں نوکر ہیں اور میرے پرانے مرید ہیں۔

سفرنامہ کی تیاری کر رہا ہوں۔ جزئیات کی تفصیل اس میں آئیگی۔ کل سے کابل کی سیر شروع ہوگی۔ بادشاہ سلامت نے خاصہ کی ایک موٹر مقرر کردی ہے جو ہر وقت موجود رہے گی۔

سید مومن صاحب نے بچہ سقہ کی موت کے حالات سنائے وہ اس کے قتل کے وقت موجود تھے۔ (کہتے تھے بارہ آدمیوں کو ایک وقت میں گولیوں سے مارا گیا۔ مرنے سے پہلے ان کا خون خشک ہوگیا تھا اور چہرے سفید ہوگئے تھے۔ گولیاں لگنے کے بعد خون بہت کم نکلا۔ رعایا بچہ سقہ کے ظلم سے اس قدر ناراض تھی کہ اس کی لاش کے جوتیاں ماریں اور ایک عورت نے اس کا گوشت کاٹ کر کباب بنائے اور سب کے سامنے کھائے۔)

رات کو آرام سے سویا۔ سردی بڑھ رہی ہے۔

۸ رجمادی الاولی ۱۳۵۰ سنہ ہجری مطابق ۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء

یوم دوشنبہ۔ کابل

استڑے ماشے "ماندہ نباشید" تم کو تکان نہ ہو۔ تم ہشاش بشاش رہو۔ افغانستان میں یہ لفظ بہت عام ہے۔ پشتو بولنے والے جب کسی سے ملتے ہیں تو "استڑے ماشے" کہتے ہیں۔ سننے والا جواب دیتا ہے "مخوارے بے" (تم بھی سلامت رہو" لفظی معنی شاید یہ ہوں کہ تم کو خواری و ذلت نہ ہو۔ فارسی بولنے والے کہتے ہیں "ماندہ نباشید" تم تازہ دم رہو۔ تم ہر ماندگی سے محفوظ رہو۔ اسکے جواب ہیں "سلامت باشید" کہا جاتا ہے۔ پھر دونوں کھڑے ہو کر جوڑ ہستی (تم تندرست ہو) خوب ہستی (تم اچھے ہو) احوالِ شما بگو (اپنا حال کہو) عیال اطفال خوب ہستند (بال بچے اچھے ہیں) خوش آمدی (خوب آئے)

عرض یہ کہ چند منٹ مذکورہ الفاظ کی تکرار ہوتی ہے اور دونوں بڑی گرمجوشی سے یہ الفاظ کئی کئی دفعہ استعمال کرتے ہیں۔

صبح ناشتہ کرکے سید مومن کے ساتھ سیر و زیارات کے لئے روانہ ہوا۔ خاصہ کی شاہی موٹر صبح سے رات تک حاضر رہتی ہے پہلے روزنامچہ تیار کیا۔ خطوط ۱۳ عدد لکھے اور دہلی بھیجدئے۔

مزار عاشقان عارفانؓ ان مزارات کی نسبت بیان کیا گیا۔ کہ کسی صحابی رسولؐ کے فرزندوں کے مزارات ہیں گویا یہ دونوں تابعی ہیں۔ ان کے والدین نے حضور رسول مقبولؐ کی دعوت کی تھی۔ یہ دونوں بچے اس وقت تنور میں گر کر مر گئے مگر ماں باپ نے اس حادثہ کو پوشیدہ رکھا۔ حضورؐ نے کھانے کے وقت بچوں کو بلایا تو معلوم ہوا کہ کھیلتے میں حادثہ ہو گیا اور بچے تنور میں گر کر مر گئے مگر ماں باپ نے حضورؐ کی دعوت کے خیال سے صبر کیا اور خبر نہ دی۔ حضورؐ نے دونوں بچوں کی لاشوں کو سامنے منگایا اور دعا کی۔ بچے زندہ ہو گئے اور معجزہ سے مدتوں زندہ رہے۔

یہ دونوں بڑے ہوئے تو حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اسلامی فوج کے ساتھ جہاد کے لئے کابل آئے اور یہاں شہید ہوئے۔ کابل والے ان کو عاشقاں عارفاں کہتے ہیں اور ان کی درگاہ مشہور ہے۔

دریائے کابل کے پل سے عبور کر کے تنگ گلی کوچوں سے ان مزاروں کا راستہ گیا ہے۔ مزارات الگ الگ ہیں مقبروں کی تعمیر نئی معلوم ہوتی ہے۔ لکڑی کی چھتیں ہیں مزار بہت لمبے ہیں۔ شاید سات آٹھ گز لمبی قبریں ہیں۔ افغانستان کے دستور کے موافق قبروں کے چاروں طرف چوبی جنگلہ ہے جو بند ہے۔ جالیوں سے زیارت کرتے ہیں۔ مزار اندر سے گرد آلود تھے۔ مزار چونہ کے بنے ہوئے تھے۔ بانسوں اور بلیوں پر جھنڈے لگے ہوئے تھے اور یہ بانس بلیاں بے تمیزی سے قبروں پر کھڑی تھیں۔ یہاں نئے زمانہ کی تعمیر کے کتبے بھی ہیں جو میں نے سفرنامہ کے لئے نقل کئے۔

نادری یتیم خانہ ان درگاہوں کی زیارت کرکے واپسی میں نادری یتیم خانہ دیکھا جو غازی نادر شاہ نے قائم کیا ہے ۷۵ یتیم لڑکے عمدہ قالینوں پر بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ میں نے ایک یتیم سے سوال کیا۔ تعلیم حاصل کرنیکے بعد کیا کام کرو گے؟ دلیری سے جواب دیا وطن کی خدمت کروں گا۔ بچوں کی تصویر اور پورے حالات سفرنامے کیلئے حاصل کئے گئے۔

کابل کا دریا دریا کا نام سن کر خیال آئیگا کہ گنگا جمنا سے بڑا دریا ہوگا کیونکہ کابل کا نام سن کر تو ہر چیز ایک پہاڑ کی طرح بہت بڑی ہو کر تصور میں آتی ہے مگر دریائے کابل کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کسی شاعر نے اس کو دریا کہدیا ہوگا ورنہ پندرہ بیس گز چوڑی ایک نہر ہے جو سوکھی ہے اور تھوڑا سا پانی اس کے اندر اس طرح رینگ رینگ کر چل رہا ہے جیسے مجھ ناتواں کی رگوں میں خون۔

یہ دریا کابل شہر کے وسط میں بہتا ہے۔ اسی کے کنارے بازار کی دکانیں ہیں۔

نادری یتیم خانہ کابل — غازی محمد نادرشاہ کے دور حکومت کی یادگار
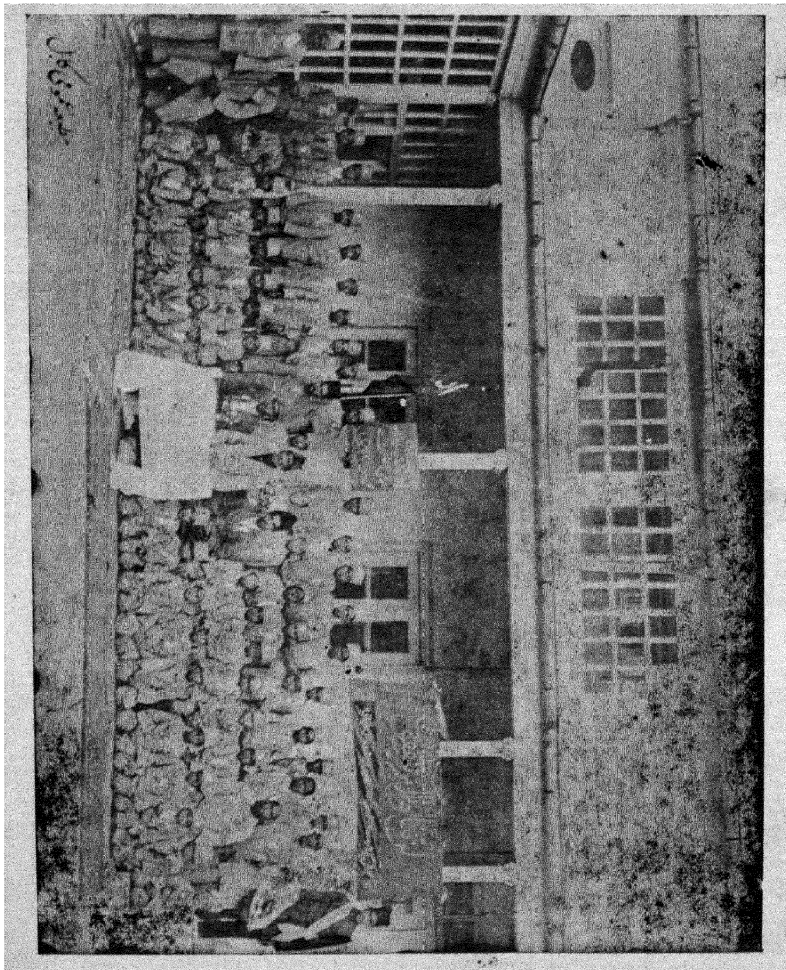
عاشقاں عارفاں کی زیارت کر کے آیا تو بازار کا نام پوچھا کہا گیا " سہ دُکان " میں نے کہا یہاں تین نہیں بہت سی دُکانیں ہیں۔ جواب ملا پہلے یہاں تین دُکانیں تھیں اب بڑھ گئی ہیں۔

بازار میں ایک آدمی دُکان پر بیٹھا حضرت امام حسینؑ کی لڑائی کا قصہ خوش لحنی سے پڑھ رہا تھا۔ عورتیں بازار میں فرش خاک پر بیٹھی قصہ سُن رہی تھیں۔ کچھ مرد بھی سُن رہے تھے مگر عورتیں قصہ گو کی طرف پیٹھ کئے بیٹھی تھیں اور بازار کی خاک کو قالین سمجھ رکھا تھا۔

یہ قوم زندگی کی ہر چیز سے زیادہ جنگی افسانوں کو محبوب رکھتی ہے۔ عورت مرد۔ بچے بوڑھے سب میں جنگی ولولہ ہے۔

مزار عاشقاں عارفاں کے برابر پہاڑ ہیں۔ پہاڑ کے وسط میں ایک عمارت نظر آئی۔ معلوم ہوا عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں کوئی درویش یہاں رہتے تھے ان کا مزار ہے۔

افغانستان کی پہلی مسجد واپسی میں کابل دریا کے کنارے ایک مسجد دیکھی اور کہا گیا کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں اسلامی فوج نے کابل کو فتح کر کے یہ مسجد بنائی تھی اور افغانستان کی پہلی مسجد یہ ہے۔ امان اللہ خاں کی حکومت کے زمانہ میں اس مسجد کو از سرِ نو بنایا گیا ہے۔

رسول اللہؐ نے پشتو میں بات کی افغانستان میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ رسول اللہؐ نے ایک دفعہ فرمایا کہ اہل جنت کی زبان عربی ہو گی اور دوزخ والوں کی زبان عجمی ہو گی۔ خالد بن ولید بن عتبہ بن عکرمہ سلیمانی (افغان) نے یہ حدیث سُنی تو اس کو بہت رنج ہوا کہ میری زبان پشتو ہے اور عجمی ہے اس لئے دوزخ کی زبان ہے۔ پس خالد نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونا ترک کر دیا۔ حضورؐ نے سبب پوچھا اور یہ سن کر کہ خالد بن ولید افغان کو زبان پشتو کے سبب رنج ہے تو حضورؐ خود خالد بن ولید افغان کے مکان پر تشریف لے گئے اور خالد کو پشتو زبان میں آواز دی۔ اور یہ لفظ ارشاد فرمایا

" خَالِدَہ رَاشَہ غِیشَی لِینْدَہ رَاوڑَہ "

اے خالد! اِدھر آ اور تیر کمان لا۔

خالد حضورؐ کی زبان سے پشتو لفظ سُن کر خوش ہو گئے اور پھر جہاد میں بڑے بڑے کام کئے۔

میں نے اس حدیث اور خالد کے نسب کی پوری تحقیقات معتبر کتابوں سے سفرنامہ کیلئے تیار کر لی ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے اور مجھے یقین ہے کہ پشتو میں بات کرنے کی روایت درست ہے۔ اور حضور رسول مقبولؐ ہی نے افغانوں کو "پتان" کا لقب دیا تھا۔ اور سب افغان بنی اسرائیل یعنی حضرت سلیمانؑ پیغمبر کی اولاد ہیں اور اسی لئے سلیمانی کہلاتے ہیں۔ بخت نصر بادشاہ کے فتنہ کے زمانہ میں افغانستان میں آ گئے تھے جب حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کے چند سردار حضورؐ کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو گئے۔

شاہ دو شمشیرا دریائے کابل کے کنارے قدیمی مسجد کے بعد ایک سڑک ہے اور سڑک کے کنارے حضرت شاہ دو شمشیرا کا مزار ہے جو صحابی رسولؐ تھے اور قیس نام تھا۔ کفار کابل سے جہاد ہوا تو ان کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور دونوں تلواروں سے جہاد کر رہے تھے۔ اس لئے شاہ دو شمشیرا کے نام سے مشہور ہوئے۔

میں نے گنبد کے اندر جاکر مزار کی زیارت کی۔ کتبہ پڑھا نہیں گیا۔ کسی افغان امیر کی لڑکی کی قبر بھی وہاں بنا دی ہے باہر بھی چند قبریں ہیں جن پر کتبے لگے ہوئے ہیں۔ مگر یہ سب بعد کی ہیں۔

ڈاک خانہ اس مزار کے قریب افغانی ڈاکخانہ بھی ہے جہاں میں نے روزنامچہ رجسٹری کر کے دہلی روانہ کیا۔ رسید فارسی زبان میں ملی اور میرا دل اس کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ سفرنامہ میں اس رسید کی نقل بھی شائع کروں گا۔

قیام گاہ ایک بجے قیام گاہ پر آیا۔ کھانا کھایا۔ شاہی دستر خوان سے کھانا آتا ہے۔ کئی قسم کے پلاؤ، کئی قسم کے سالن روٹیاں ایسی چوڑی چکلی جیسے ہاتھی کے کان۔ طرح طرح کی مٹھائیاں اور قسم قسم کے میوے۔ مرغ اور دنبہ کا گوشت ہر چیز میں ہے اور میرے لئے یہ سب غذائیں زہر ہیں۔ بواسیر کا خون صبح شام آتا ہے۔ نزلہ بھی بڑھ گیا ہے۔ کھانا اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ تیس چالیس آدمی کھالیں۔ بادشاہ سلامت نے خیال کیا ہوگا۔ بھوکے ملک کا پیر ہے خوب کھاتا ہوگا یا خوب کھائے تاکہ موٹا تازہ ہو کر اپنے ملک میں جائے مگر بادشاہ سلامت نے افغانی معدہ ہضم کرنے کے لئے نہیں بھیجا۔

سفیر ترکی ظہر کی نماز کے بعد ترکی سفیر سے ملنے گیا۔ بڑی شاندار کوٹھی ہے مگر باہر سے کچی دیواریں ہیں۔ کابل میں سب امیروں وزیروں کے مکان کچے ہیں۔ کچی اینٹوں کی دیواریں چن کر اوپر بھس اور مٹی سے لیپ دیتے ہیں مگر مکانوں کے اندر خوب آراستگی ہوتی ہے۔ ہر جگہ قیمتی قالینوں کے فرش ہوتے ہیں۔

پہلے عارف امین صاحب ترک میر منشی سے ملاقات ہوئی مسٹر چرچل کا چہرہ تھا۔ خیال ہوا مسٹر چرچل جنرل ٹاؤن شنڈ کے ساتھ قید ہو کر آ گئے ہیں۔

سفیر صاحب اطلاع ملتے ہی باہر آ گئے۔ دہلی میں ملاقات ہو چکی تھی۔ بہت اخلاق سے ملے۔ تکلف ناشتہ میزوں پر آراستہ کرایا۔ مگر میں نے فقط سادہ (بغیر دودھ کی) چائے پی۔ سفیر صاحب نے کہا کہ میں دہلی سے کابل تک موٹر میں آیا تھا۔ میں نے چاہا کہ کابل کے راستہ کی خرابی بیان کر کے اپنے سفر کی داد لوں کہ بڑی مشکل سے کابل تک پہنچا ہوں۔ مگر سفیر صاحب نے اس راستہ کی خرابی کو بہت معمولی کہکر مجھے دم بخود کر دیا۔ زندہ اور آزاد قومیں سب مشکلات کو معمولی تصور کرتی ہیں اسی لئے زندہ اور آزاد ہیں اور ہم غلام لوگ معمولی تکلیف سے گھبرا جاتے ہیں اس لئے محکوم اور غلام ہیں۔ میرے دل نے اس سفر کی جو اہمیت

کابل میں عید کی نماز
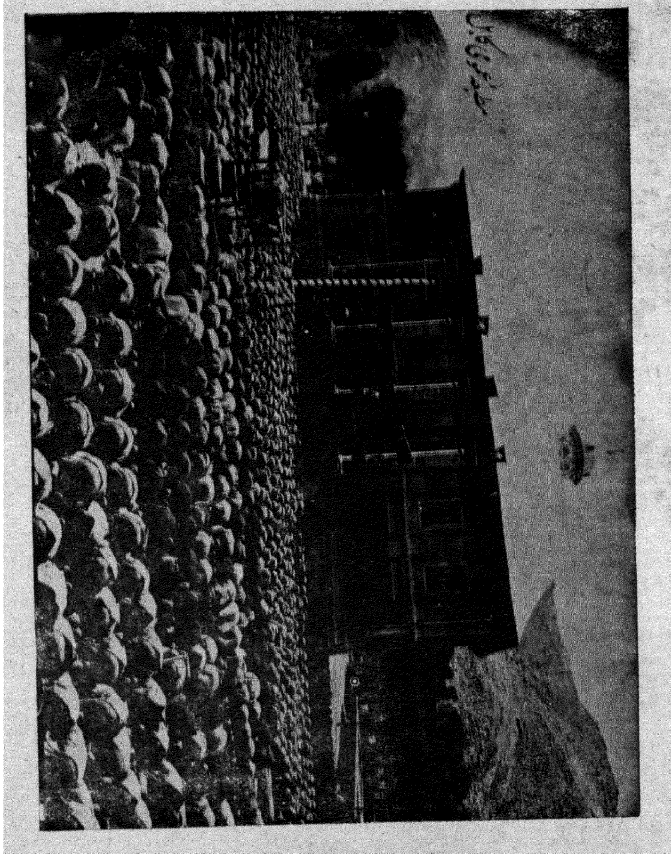
قائم کی تھی وہ سفیر صاحب کی بات سن کر پانی پانی ہوگئی۔ سچ ہے سفر ابن بطوطہ کا تھا۔یا اور دوسرے سیاحوں کا کہ نہ موٹر نہ ریل نہ سڑک نہ امن مگر وہ تمام دنیا کا چکر لگاتے تھے اور ذرا نہ گھبراتے تھے۔ ہم کو نئی روشنی کے تمدن نے آرام طلب بنا دیا ہے۔بہرحال آج کی گفتگو سے میری ہمت سفر میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔

باغی قیدی سفیر ترکی سے مل کر واپس آیا تو راستہ میں قیدیوں کا ایک گروہ ملا۔پیروں میں بیڑیاں تھیں اور ہاتھوں میں تسبیح۔چہرے مطمئن اور بشاش تسبیح پڑھتے ہوئے آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔میں نے ان کو حیرت سے دیکھا اور انہوں نے مجھ کو غور اور توجہ سے دیکھا معلوم ہوا بچہ سقہ کے ساتھی ہیں۔بغاوت کے جرم میں قید ہیں اسلامی ملک ہے نماز و تسبیح کی اجازت ہے۔

عباس آفندی ایک ہندوستانی نوجوان ملنے آئے عباس آفندی نام ہے۔ترکی سفارت خانہ میں مترجم ہیں بہت خلیق اور ملنسار ہیں۔میں نے ان کو سفیر صاحب ترکی کے ایک سوال کا جواب سمجھایا کہ شاید میری فارسی بولی سفیر صاحب نہ سمجھے ہوں تو آپ سمجھا دیں۔

مسٹر رحمت اللہ ہمایوں بھی ملنے آئے۔سردار گل محمد خاں صاحب بھی ملنے آئے۔وہ یہاں بھی دن میں دو بار ملنے آتے ہیں اور خوب باتیں ہوتی ہیں۔

دارالامان کی سیر شام کو مسٹری حبیب خاں نظامی اور مرتضیٰ خاں نظامی اور سید مومن کے ساتھ دارالامان کی سیر کو گیا۔مغرب کی نماز باغ کے ایک برج میں پڑھی۔چاروں طرف پھول تھے۔چشمے زور سے بہہ رہے تھے۔ہو کا عالم اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔باغ کہتا تھا کہ مجھے دیکھ کہ میں ہی بہشت ہوں۔میں کہتا تھا شداد کی بہشت تجھ سے زیادہ شاندار تھی اور اس میں بہشت کے سب سامان موجود تھے مگر شداد اس کو نہ دیکھ سکا۔اسی طرح تجھ کو بھی تیرا بنانے والا امان اللہ خاں ایک دفعہ بھی نہ دیکھ سکا اور جب وہ ملک کو چوروں کے حوالے کر کے قندھار کی طرف بھاگا تو اسی باغ کے پاس سے گزرا اور حسرت سے اس منظر کو دیکھتا ہوا چلا گیا۔

نماز کے بعد چشموں کے کنارے چاندنی رات کی بہار دیکھی۔چاندنی پہاڑی چشموں میں غوطے لگا رہی تھی اور اپنے سفید جسم کو پانی کی رفتار میں اس طرح غلطاں پیچاں کر رہی تھی جس طرح آجکل کی نئی روشنی والے اپنے عقائد کو یورپ کے الحاد میں غوطے دیا کرتے ہیں۔

سرور گویا آج شہزادہ احمد علی خاں کے ساتھ ایک خوبصورت جوان بھی آئے تھے۔سرور گویا نام بتایا۔آنکھوں کے دلکش حسن میں علمیت و شرافت کا ایک خمار بھی ہے۔افغانستان کے بہت اچھے ادیب ہیں۔فارسی کے بے شمار اشعار یاد ہیں تاریخ پر عبور رکھتے ہیں۔حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی

غیر معمولی ہے۔

دس بجے رات یہاں حکم ہے کہ رات کو دس بجے تک سب لوگ اپنے گھروں میں چلے جائیں۔ دس بجے کے بعد جو راستہ میں نظر آئے گا اور پولیس کا خفیہ جملہ یاد نہ ہوگا تو گرفتار کیا جائے گا۔ گرفتاری میں مزاحمت کرے گا تو گولی ماردی جائے گی۔

اس لئے میرے ملاقاتی دس بجے چلے جاتے ہیں۔

دریچہ کی سیر جب سب چلے گئے تو میں نے کمرہ کا دریچہ کھول لیا اور جانماز بچھاکر بیٹھ گیا اور چاندنی میں باہر کے منظر کو دیکھنے لگا۔ بالا حصار قلعہ اور پہاڑ اور شہر کی عمارتیں اور موجودہ بادشاہ کا ارک (قلعہ) سامنے تھا۔

تصوّر نے دکھایا۔ آریہ قوم شہر آریا (پہلے آریانا نام تھا پھر ہری نام ہوا۔ پھر ہرات مشہور ہوا جو اب بھی ہرات کہلاتا ہے۔ ہندو قوم اسی مقام سے ہندوستان میں آئی تھی) سے ہندوستان جارہی ہے۔ پھر سکندر رومی کو دیکھا۔ فوجیں لئے ہندوستان جارہا ہے۔ پھر ایرانی فوجوں کو دیکھا ہندوستان جارہی ہیں۔ پھر صحابہ رسول ؐ کی فوجوں کو حملہ آور دیکھا۔ پھر محمود غزنوی۔ شہاب الدین غوری اور احمد شاہ ابدالی کے جوش جہاد کی بہار دیکھی۔ پھر اپنی غلامی اور بیکسی اور ناتوانی کو دیکھا۔ رونا آگیا۔ جانماز اُٹھائی۔ پلنگ پر لیٹ گیا۔ نیند بہت دیر میں آئی۔

بواسیر کے خون نے جسم کی طاقت کو بہت کم کردیا ہے نزلہ دہلی سے شروع ہوا تھا۔ اب تک موجود ہے۔ پکتا بھی نہیں۔ دوائیں کھارہا ہوں مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

کوئی ہے؟؟ جو بواسیر و زکام کو میرا فرمان پہنچائے کہ ما جناب عزیمت مآب تم دونوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تم کتنا ہی زور دکھاؤ ہمارا عزم تم سے مغلوب نہیں ہوگا۔ ہم پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ نہیں ہوگا۔ اور اگر میں مغلوب ہو بھی گیا تب بھی تم دونوں کی اطاعت سے سرکشی کرتا رہونگا اور روز تم کو ستاتا رہوں گا۔

۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ہجری مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

یوم شنبہ۔ کابل

دُو۔بُو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعدؓ کی تعظیم کرانے کے لئے فرمایا تھا قوموا لسیدکم۔ اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاؤ۔ فرانسیسی زبان میں اس حدیث کا ترجمہ کرنا ہو تو کہیں گے "دُو۔بُو" کھڑے ہوجاؤ۔ فارسی میں کہا جائے گا "برخیز" اُردو میں کہنا ہو تو "کھڑے ہوجایئے۔ اُٹھئے" کہا جائے گا۔

مجھے بھی ایک نیک انسان کی عزت کرنی ہے۔ ایسا انسان جو افغانستان کا فرمانروا ہے۔ تاجدار ہے۔ ملک و ملت کا خادم ہے۔ دین کا بھائی ہے۔ وہ دُبلا دُبلا۔ وہ لمبا لمبا

نو جوان افغانونکی ایک جماعت
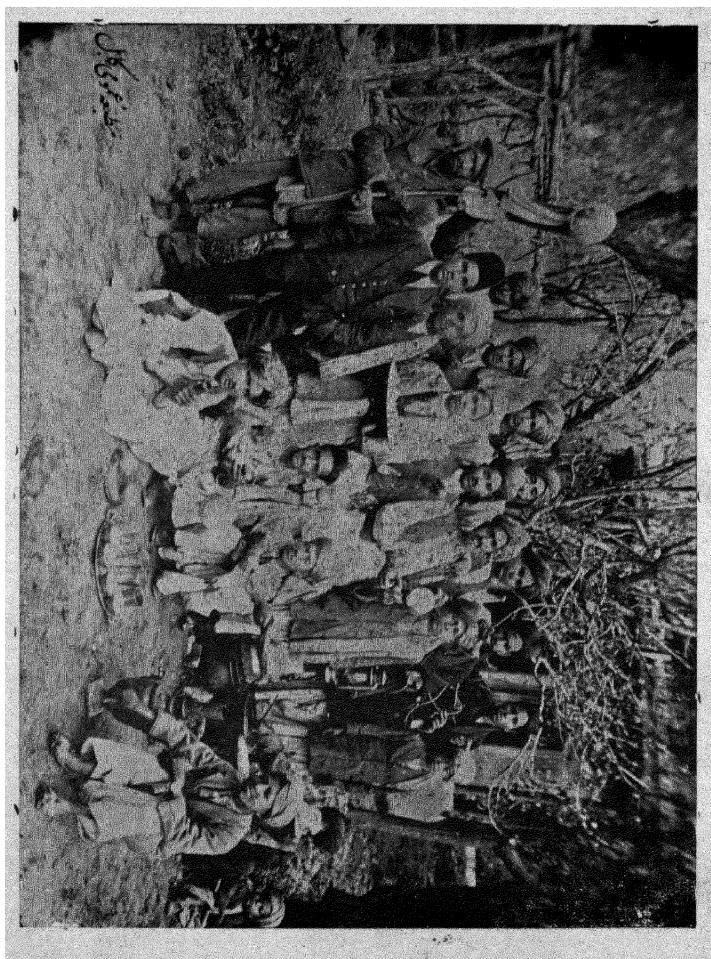
وہ سفید ڈاڑھی والا۔ وہ فصیح و بلیغ اُردو بولنے والا۔
جو غازی ہے جس کے جہاد فی سبیل اللہ کی توپیں گواہ
ہیں۔ بندوقیں اور تلواریں اور سنگینیں اور پستول اور بمب
شہادت دیتے ہیں کہ اس نے محض اللہ کے حکم سے اللہ کی
رضامندی کے لئے اپنے ملک و قوم کو آزاد کرانے کے لئے
جہاد کیا اور ملک و ملّت نے اس بنا پر اس کو غازی کا لقب
دیا اور جس کو اعلیٰ حضرت بھی کہتے ہیں اور جو اپنے حسن عمل سے
یقیناً اعلیٰ حضرت مشہور ہونے کا مستحق ہے۔

آج صبح بواسیر کا خونی حملہ مجھ پر بہت سخت تھا۔ نڈھال
پڑا ہوا تھا کہ وزیر صاحب صیغہ خارجہ تشریف لائے اور
اطلاع دی کہ اعلیٰ حضرت غازی نادرشاہ نے گیارہ بجے ملاقات
کا وقت مقرر کیا ہے۔ میں نے کہا۔ دُوْ۔ بُوْ۔ میں اُن کے
پیغام کی تعظیم کرتا ہوں مگر کھڑا نہیں ہو سکتا ذرا لیٹا ہوں۔
کمزوری کے سبب چکر آرہے ہیں۔ مگر چکر آنا تو ایک
محاورہ ہے ورنہ کون آتا ہے کون جاتا ہے۔ یعنی نہ کوئی آتا
ہے۔ نہ کوئی جاتا ہے۔

گیارہ بجے قصر دل کشا میں گیا جو ارک (قلعہ شاہی) کے
اندر ہے اور بہت خوبصورت اور شاندار محل ہے۔ ایک آراستہ
ہال کے اندر سے گزر کر زینہ پر گیا۔ جگہ جگہ مسلح افغان کھڑے تھے
بالاخانہ پر وزراء اور فوجی جرنیل کرنیل ہاتھ باندھے خاموش
کھڑے ہوئے تھے۔ میں سیدھا شاہی کمرہ میں گیا۔

بادشاہ سلامت میرے اندر داخل ہوتے ہی کمرہ میں
آگئے۔ پتلون کوٹ پہنے ہوئے سر پر فاختئی رنگ کی کھال کی
اونچی پاپاخ۔ چہرہ کتابی۔ ڈاڑھی سفید اور کہیں کہیں کالے بال
گورا رنگ۔ لمبا قد۔ چھریرا بدن۔ آنکھوں میں دانائی اور نیکی
کا نور۔ چہرہ پر تہجد گزار ہونے کے نمایاں آثار۔

آگے بڑھے۔ جھک کر مصافحہ کیا۔ خوش آمدید کی مروّجہ
تکرار کی۔ ہم دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کمرہ ملکی سامان آرایش
سے آراستہ تھا۔ وزیر خارجہ بھی بیٹھ گئے۔ پون گھنٹے تک گفتگو
ہوئی۔ زیادہ وقت خدا کی ذات پر بھروسہ کرنے اور انسانی تدبیر
کے نقائص کی بحث میں گزرا۔ ان کی گفتگو بہت متانت
آمیز اور سنجیدہ ہوتی ہے۔ بادشاہ سلامت
کا عقیدہ ہے کہ انسانی تدبیر اچھی ہے مگر فضل خدا اور تائید
خدا کی محتاج ہے۔ انہوں نے ذاتی حالات بیان کرکے فضل
ربانی کے کرشمے سنائے۔ زبان اُردو ایسی صاف اور شستہ
تھی گویا کوئی شائستہ دلی والا بول رہا ہے۔

خدا کی عظمت اس شخص کے دل پر اتنی زیادہ ہے اور
دل ایسا گداز اور نرم ہے کہ بات کرتے کرتے آنکھوں میں آنسو
آجاتے تھے۔ اور مجھ سنگدل پر بھی رقت طاری ہوجاتی تھی۔

اب اسلامی دُنیا میں اس مسلمان بادشاہ کے سوا اور
کوئی بادشاہ ایسا پابند مذہب اور سچا و پکا مسلمان نظر نہیں آتا۔

بارہ بجے کی توپ چلی تو میں نے رخصت چاہی۔ بادشاہ

سلامت نے کھڑے ہو کر معانقہ کیا اور میں ایک خاص اثر لیکر واپس آیا۔

بادشاہ میں کینہ نہیں ہے میرا خیال تھا بادشاہ ان لوگوں کی شکایت کرینگے جو امان اللہ کی حمایت میں نادرشاہ کو برا کہتے ہیں۔ اور خود امان اللہ خاں کی برائیاں بھی بیان ہوں گی۔ کیونکہ کابل میں سب نئے پرانے افغان گزشتہ انقلاب کے حالات بیان کرنے کے وقت امان اللہ کی ذاتی خرابیوں کی بہت شکایتیں کرتے تھے اور میرا خیال تھا۔ کہ نادرشاہ بھی ایسا ہی کہیں گے۔

مگر آفریں ہے۔ نادرشاہ کا ظرف بڑا عالی ہے انہوں نے ایک حرف کسی مخالف کے خلاف زبان سے نہ نکالا۔ بس اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ نے غازی امان اللہ خاں کو اتنی عزت و ناموری عطا فرمائی کہ یورپ کے بڑے بڑے بادشاہوں کو شاید اتنی ہی عزت ملی ہوگی مگر انہوں نے بشریت سے یہ خیال کیا کہ یہ عزت ان کو اپنی تدبیر کے سبب حاصل ہوئی حالانکہ یہ سب خدا کا فضل تھا اور خدا کو یہ غرور ناگوار ہوا اور اس نے اپنی شان دکھادی کہ بچہ سقہ ایک چور اور ڈاکو نے اتنے بڑے شخص کو مغلوب کر لیا۔

واپسی میں ایک خاص اثر اور کیف لے کر قیام گاہ پر واپس آیا۔ کھانا کھایا۔ ظہر کے بعد محمد یوسف خاں صاحب ملنے آئے کہ اعلیٰ حضرت نے آپ کو کابل کے تاریخی مقامات دکھانے کے لئے مجھے مامور فرمایا ہے۔ میں ان کے ساتھ روانہ ہوا محمد مرتضیٰ خاں نظامی بھی ساتھ تھے۔

مزار شہنشاہ بابر پہلے شہنشاہ بابر کے مزار پر گیا۔ راستہ میں امیر حبیب اللہ خاں کا بنایا ہوا ایک محل ملا۔ پھر بابر کا مقبرہ آیا۔ کابل سے کئی میل باہر ہے۔ بابر نے اونچے پہاڑ پر ایک بہت خوبصورت باغ بنایا تھا۔ اسی باغ میں اس کو دفن کیا گیا ہے باغ میں ایک خوبصورت عمارت بھی ہے۔ جہاں پہلے جرمنی سفیر رہتا تھا اور آج کل خالی ہے۔ بابر کی قبر کھلے میدان میں ہے۔ سنگ مرمر کا تعویذ ہے۔ سرہانے لوح ہے جس پر خوبصورت کتبہ لگا ہوا ہے۔ میں نے اس لوح کا فوٹو اتارا۔ برابر میرزا حکیم اور ہندال مرزا کی قبریں ہیں جو ہمایوں کے لڑکے تھے اور میرزا حکیم نے اکبر کے خلاف بغاوت بھی کی تھی۔

قبر بابر کے غرب میں عالمگیر ثانی کی اہلیہ مدفون ہیں ان کی لوح مزار کا فوٹو بھی لیا۔

چبوترہ مقابر کے غرب میں نیچے شاہ جہاں بادشاہ کی بنائی ہوئی ایک خوبصورت مسجد ہے جس کی پیشانی پر لکھا ہے کہ شاہجہاں نے ترکستان و ہرات کی فتح کی یادگار میں یہ مسجد بنائی کتبہ اونچا تھا مگر میں نے اس کا فوٹو بھی لیا اور اچھا آگیا۔ مسجد سنگ مرمر کی ہے مگر مقبرہ اور مسجد دونوں شکستہ حالت میں ہیں۔ مرمت نہ ہوئی تو نیست و نابود ہو جائینگے۔ حکومت کو ایک محکمہ محافظ آثار عتیق قائم کرنا چاہیئے تاکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے آثار قدیم محفوظ ہو جائیں۔ واپس ہو کر دارالامان میں گیا اور میوزیم دیکھا اور قدیمی بتوں اور اسلامی آثار کے فوٹو لئے۔

لوح مزار بیگم عالمگیر ثانی مقام کابل

لوح مزار شہنشاہ بابر مقام کابل

پھر منارہ استقلال دیکھا جس پر غازی نادر شاہ کی فتح کا کتبہ امان اللہ خاں نے لگایا ہے جبکہ انگریزوں کے مقابلہ میں غازی نادر شاہ نے فتح حاصل کی تھی۔ یہ کتبہ لگا تو دیا مگر اس کے بعد امان اللہ خاں کبھی اس سڑک سے نہیں گزرے۔ کیونکہ وہ نادر خاں سے اور اُن کی ناموری سے بہت بیزار تھے۔ پھر قلعہ بالاحصار دیکھا جس کا ایک حصہ انگریزوں نے غدر سے پہلے مسمار کر دیا تھا اور بڑا حصہ باقی ہے یہی وہ قلعہ ہے جس کے برج پر اکبر کو اس کے چچا نے بٹھا دیا تھا جبکہ ہمایوں نے اس قلعہ پر گولہ باری شروع کی تھی

شہدائے صالحین کے مزارات

قلعہ بالاحصار کے دامن میں ایک بڑی چڑھائی چڑھ کر شہدائے صالحین کے مزارات پر گیا۔ یہ مزارات صحابہ رسولؐ کے ہیں جو فتح کابل کے بعد غدار کفار کی غداری سے شہید ہوئے اُن کی مفصل کیفیت سفرنامہ میں لکھوں گا۔ تاریخی حالات جمع کر لئے ہیں۔

واپسی میں منارہ نجات بھی دیکھا جو بچہ سقہ کو مغلوب کرنے کی یادگار میں بنایا گیا ہے اور اس پر ایک بہت عمدہ کتبہ ہے۔

مغرب کے وقت گھر میں واپس آیا۔ خون بہت زیادہ آیا۔ جس سے کمزوری بڑھ گئی۔ رات کو مولانا منصور انصاری صاحب خلف جناب مولانا عبداللہ صاحب انصاری مرحوم سابق ناظم دینیات علی گڈھ کالج ملنے آئے جو یہاں عرصہ سے ہجرت کر کے آ گئے ہیں اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ شہزادہ احمد علی خاں صاحب درانی اور سرو گویا صاحب اور سردار حیدر جان صاحب معین وزیر دربار خلف سردار عبدالقدوس خاں صاحب مرحوم سابق صدر اعظم افغانستان وغیرہ احباب ملنے آئے۔

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ ہجری مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء

یوم چہار شنبہ۔ کابل

اطہر بیاض

ہندو قوم کے چار وید ہیں۔ جن کا تلفظ بید بھی کیا جاتا ہے۔ وید کے معنی علم کے ہیں اسی لئے علم تصوف کو ویدانت کہا جاتا ہے۔ وید بمعنی علم اور انت کے معنی انجام عاقبت۔ آخری نتیجہ اور موت کے ہیں۔ پس ویدانت کا مطلب یہ ہے کہ انجام حیات کا علم۔

چار ویدوں میں آخری وید اتھروید ہے جس میں پیغمبر آخر الزماںؐ کے ظہور کی بشارتیں بھی ہیں اور اس لحاظ سے اس وید کو اطہر بیاض کہنا چاہئے۔ فرق صرف املا کے حروف کا ہے۔ عربی زبان میں بہت پاکیزہ چیز کو اطہر کہتے ہیں۔ سنسکرت والے اطہر کو اتھر کہتے ہیں۔ ایسے ہی وید کا تلفظ بید بھی ہوتا ہے۔ اور بیاض اور بید بھی حروف املا کے تغیر سے دونوں ایک ہیں۔ پس اتھروید کی بشارتوں کے سبب اس کو اطہر بیاض کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔

ہندو مسلم اتحاد کیلئے الفاظ کا اتحاد میں کابل میں ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ یہ ملک ہندوستانی اقوام کا قدیمی وطن ہے اس لئے ہندوستانی اور افغانی آپس میں غیر نہیں ہیں بلکہ ایک ملک کے باشندے ہیں۔ خیال آیا افغان باپ کو پدر کہتے ہیں اور ہندو پتا اور یہ دونوں آپس میں بہت مشابہ ہیں فارسی زبان میں ماں کو مادر کہا جاتا ہے اور سنسکرت میں ماتا ہندی میں کہتے ہیں عمر ٹیر ہو گئی۔ یعنی گزر گئی۔ بسر ہو گئی۔ فارسی میں بولتے ہیں راہ ٹیر شد (راستہ طے ہو گیا ختم ہو گیا۔ گزر گیا) اور افغانوں پر کیا منحصر ہے میں تو سب ہندو مسلمانوں کو متحد دیکھنے کے لئے مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ ہندو قوم ہندوستان کے ایک دریا کو جمنا کہتی ہے مسلمان یوں کہیں کہ اس کا نام یمنا ہے۔ یم عربی زبان میں دریا کو کہتے ہیں یم نا کا مطلب ہوا ہمارا دریا۔ ایسے ہی ہندو ایک دریا کو گنگا کہتے ہیں۔ یہ اصل میں غنغنہ ہوگا۔ جب ہندو افغانستان سے ہندوستان میں آئے اور انہوں نے گنگا کا دہانہ دیکھا جہاں پانی کا بہت شور تھا تو انہوں نے کہا کہ یہ غنغنہ ہے۔ رفتہ رفتہ گنگا کہنے لگے۔ ایک دریا کو دیکھ کر کہا کہ یہ یم بل (دریائے پُرزور) ہے پھر اس کو چنبل کہنے لگے۔

سر صوت سب سے زیادہ مشابہت سرسوتی دریا کے نام میں ہے۔ مسلمان صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ کائنات میں جس قدر صدائیں بلند ہیں یہ سب ذات الٰہی کی صوت اسرار (جس کو صوتِ سرمدی کہتے ہیں) کا ظہور ہے حضرت اکبر الہ آبادی نے کہا تھا ؎

ایک صوتِ سرمدی ہے، جس کا اتنا جوش ہے
ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے

پس افغانستان سے آئے ہوئے ہندوؤں نے جب سرسوتی دریا کو دیکھا تو اس کو "سر صوتی" کہا رفتہ رفتہ سرسوتی نام ہو گیا۔

حضرت اکبر الہ آبادی نے کہا ہے ؎

یہ اختلاف صورت فطرت کی مستیاں ہیں
یہ اختلاف معنی ذہنوں کی ہستیاں ہیں

پس میں سے جو مشابہت مذکورہ الفاظ کی بیان کی وہ سب ذہن کی ایجادیں ہیں اور اس غرض سے ہیں کہ ہندوستان و افغانستان کی قومیں آپس میں دوست بنیں اور ہندوستان کے ہندو مسلمان آپس میں محبت کریں ورنہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مشابہت درست ہے، البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس مشابہت میں جدت اور دلچسپی ضرور ہے (اور یہ مولانا کرامت علی صاحب کے ذہن رسا کی شان ہے)

سرگذشت تو خیستی؟ چشم واکن۔ تماشائے حیات افغانی را ببیں۔ تو جاگا۔ آنکھ کھول حیات افغانی کا تماشا دیکھ۔

آج صبح بھی موذی مرض نے ستایا۔ جسم کو جان کو نیم جاں بنایا۔ اسی عالم بے توانی میں توانائی کی کمر ہمت و عزم سے باندھی اور سیر کے لئے چلا۔ پہلے وزیر صاحب خارجہ کے مکان پر گیا۔ حضرت مولانا سید محمد بلال صاحب دہلوی آج کابل سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اُن کے مریدوں کا ایک بڑا حلقہ موجود تھا

محراب مسجد تعمیر شاہجہاں یادگار فتح بدخشاں قریب مزار بابر کابل

قلعہ غزنی کا بیرونی منظر

میں بھی کچھ دیر وہاں بیٹھا۔ مولانا نوجوان ہیں اور ایک بڑے شیخ کے جانشین ہیں۔ تمام قبائل افغانستان اور حکومت افغانستان میں اُن کا اثر و اقتدار ہے مگر ریاکار صوفی نہیں ہیں۔ پرسوں صبح سب خلفا اور مریدوں کے سامنے کہہ رہے تھے کہ آج میں دیر میں بیدار ہوا صبح کی نماز بھی قضا پڑھی۔ مگر جو ان کی شب بیداری سے واقف ہیں وہ ان بیانات کو کب تسلیم کرتے ہیں ایک کمال اُن میں یہ ہے کہ پیرزادگی کا غرور حسد نہیں رکھتے۔ دوسرے پیروں اور پیرزادوں کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ زمانہ شناس اور روشن خیال ہیں۔ مریدوں کی جیب کے محتاج نہیں ہیں اس لئے بہت آزادی کے ساتھ اُن کی اصلاح کے لئے کہتے ہیں حرص و طمع سے قطعی پاک ہیں اور میں نے ایسے پیر و پیرزادے بہت ہی کم دیکھے ہیں۔

شہزادہ احمد علی خاں درّانی کے ہاں ناشتہ

واپسی میں شہزادہ احمد علیخاں درّانی کے مکان پر ٹھہرا اُن کے اُستاد اور سرور گویا بھی موجود تھے۔ شہزادہ صاحب نے ناشتہ کا مکلّف انتظام کیا تھا۔ پنیر بھی تھا۔ میں کھا چکا تھا مگر پھر کچھ کھایا پیا اور شہزادہ صاحب کی علمی باتیں بھی سُنیں۔ بہت لطف آیا۔

مقبرہ امیر عبدالرحمٰن خاں

میری قیام گاہ کے قریب امیر عبدالرحمٰن خاں کا مقبرہ ہے۔ آج میں اس کو دیکھنے گیا خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے۔ مزار کے سرہانے ایک قرآن شریف رکھا ہے مقبرہ مقفل تھا۔

قبر دیکھ کر مجھے افغانستان کی گزشتہ تاریخ یاد آگئی یہ شخص بڑا بہادر اور بڑا مدبر اور بڑا سفاک تھا۔ آج خاک میں سوتا ہے۔ نہ بہادری باقی ہے نہ مدبری نہ سفاکی اور بہت کم لوگ یہاں آتے ہیں

جرمنی فرانسیسی سکول

امان اللہ خاں کو اپنے نام کا بہت شوق تھا اُنہوں نے جو کام شروع کیا اپنے نام کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ مگر نادر شاہ میں یہ عیب نہیں ہے اُنہوں نے جو کام کیا قوم و ملّت کے نام پر کیا۔ اور دوسری خوبی اُن کی یہ ہے کہ امان اللہ خاں کے کاموں کو مٹایا نہیں بلکہ قائم رکھا اور آراستہ کیا۔ چنانچہ کابل میں دو اسکول (جن کو یہاں مکتب کہتے ہیں) امان اللہ خاں نے قائم کئے تھے ایک کا نام امانیہ رکھا تھا اور دوسرے کا امانی ایک میں فرانسیسی زبان میں تعلیم ہوتی ہے دوسرے میں جرمنی زبان کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے۔ نادر شاہ نے ان دونوں کے نام اور کام باقی رکھے ہیں۔ ان اسکولوں کا مقصد یہ ہے کہ جن لڑکوں کو جرمنی اور فرانس میں تعلیم کیلئے جانا ہو وہ پہلے یہاں تعلیم حاصل کرلیں۔ فرانسیسی اسکول میری قیام گاہ کے سامنے ہے اور جرمنی اسکول ذرا فاصلہ پر ہے۔

وزیر معارف

پہلے سردار علی محمد خاں صاحب وزیر معارف (تعلیمات وغیرہ) سے ملنے گیا۔ لمبا قد ہے دُبلا بدن ہے حبیبیہ کالج کابل کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اُنہوں نے ایک بڑی تمہید میں انقلاب کے

زمانہ کی بربادیوں کو بیان کر کے ثابت کرنا چاہا کہ اگر اسکولوں کے معائنہ میں کوئی خرابی نظر آئے تو اس کو درگذر کیا جائے۔ وہ بہت متین اور شائستہ افسر معلوم ہوتے ہیں۔

فرانسیسی مکتب پہلے فرانسیسی مکتب کو دیکھا۔ فرانسیسی پرنسپل ساتھ رہے۔ یہ فارسی خوب بولتے ہیں جس جماعت میں جاتا تھا لڑکے دُو۔ بُو کہکر کھڑے ہوجاتے تھے۔ میں نے ہر جماعت سے کچھ کچھ سوالات بھی کئے۔ جوابات عموماً صحیح تھے مگر ایک خوبی خاص تھی کہ ہر لڑکے میں جرات و دلیری بہت زیادہ تھی کوئی لڑکا امتحان سے خائف نہ ہوتا تھا۔ اس کے معائنہ سے مجھ پر یہ اثر ہوا کہ انتظام اور صفائی بہت اچھی ہے اور تعلیم کا طریقہ بھی خوب ہے

فرانسیسیوں کے قد چھوٹے ہوتے ہیں اور جسم بہت بھاری نہیں ہوتے مگر یہ لوگ بہت ذہین اور زندہ دل معلوم ہوتے ہیں **موسیو بوزلے** نے مجھے اسکول کی سیر کرائی۔

تعلیمی راز میں نے فرانسیسی اور جرمنی اسکول کو دیکھنے کے بعد محسوس کیا کہ ہندوستان میں جس طریقہ سے تعلیم دی جاتی ہے تقریباً وہی طریقہ یہاں بھی ہے لیکن ایک فرق ایسا ہے جس کو میں عمدہ تعلیم کا راز تصوّر کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہاں کے پڑھانے والے اس نیت سے پڑھاتے ہیں کہ لڑکے کچھ حاصل کرلیں۔ اور ہمارے ملک میں تعلیم دینے والوں کے سامنے یہ بات نہیں ہوتی بلکہ وہ اس نیت سے تعلیم دیتے ہیں کہ ان کے دفتروں کا کام چلتا رہے۔ اور ہم ان کے کلرک بنے رہیں۔ نصب العینی اور نیت کا فرق انسانوں کو جانور بھی بنا سکتا ہے اور فرشتہ بھی بنا سکتا ہے۔

جرمنی مکتب میں گیا ڈاکٹر **اِی وِن** پرنسپل نے پہلے اسکول کی مشکلات کا ذکر کیا کہ انقلاب کی وجہ سے بہت سی خامیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ میں نے ہنس کر کہا آپ ناحق ڈرتے ہیں ہمارے ملک کے اسکولوں میں بغیر کسی انقلاب کے بکثرت خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر اِی وِن کا قد لمبا ہے اور خوب مضبوط جسم ہے مگر بال سفید ہوگئے ہیں۔ عمر پچاس سال ہے۔ میں نے کہا بال جلدی سفید ہوگئے کہا جنگ یورپ کے مصائب نے اُن کو سفید کردیا۔ ڈاکٹر اِی وِن میں ۱۸ سالہ نوجوانوں کی سی تیزی اور پھُرتی ہے وہ میرے ساتھ ہر چیز دکھلانے کیلئے دوڑتے رہے۔

یہاں بچّہ سقّہ کے سپہ سالار سید حسین کا لڑکا سید حسن بھی پڑھتا ہے۔ میں نے اس کو غور سے دیکھا۔ حکومت اس کا خرچ دیتی ہے۔ اور امیر حبیب اللہ خاں مرحوم کا ایک لڑکا عبدالشکور بھی پڑھتا ہے میں نے اس کو بھی دیکھا۔ اس میں ہندو لڑکے بھی ہیں ایک ہندو لڑکے کے سینہ پر گاندھی جی اور موتی لال جی اور جواہر لال جی کی تصویر بھی لٹکی ہوئی تھی۔ جرمنی اسکول میں سائنس کا

کابل کا ایک اسکول

سامان بہت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ یہاں بچہ سقہ کے گدھے اور گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ اس لئے سائیس کے کمرہ میں لید کی بُو ابتک ہے۔ اور کھڑا ہونا مشکل ہے۔

وزیر صاحب خارجہ اور وزیر صاحب معارف بھی اس معائنہ میں ساتھ ہیں۔ میں نے یہاں بھی مختلف جماعتوں سے مختلف سوالات کئے۔ اور لڑکوں نے بہت دلیرانہ عمدہ جوابات دیئے۔

حبیبیہ اسکول جرمنی، فرانسیسی اسکول دیکھکر حبیبیہ اسکول دیکھا۔ یہ پہلے حبیبیہ کالج کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں ہندوستانی استاد زیادہ ہیں۔ اور فارسی کے ذریعہ تعلیم ہوتی ہے۔ افغانی زبان میں اسٹینڈ (کھڑے ہوجاؤ) کی جگہ اُلھار کہتے ہیں۔ اس اسکول کی حالت بھی اچھی ہے۔ مگر دیسی اُستاد ہر اسکول میں عموماً کمزور معلوم ہوتے ہیں اور ہندوستانی استادوں کی جسمانی حالت زیادہ خراب نظر آتی ہے۔ شاید اُن کی رہایش کی جگہ اچھی نہیں ہے؟

دو بجے تک اسکولوں کی سیر میں مصروف رہا بہت تھک گیا۔ بخار معلوم ہونے لگا۔ قیام گاہ پر آیا۔ کھانا کھاکر لیٹ گیا۔ ملنے والے آتے رہے۔ مدیر صاحب مجلہ کابل محمد انور صاحب ملنے آئے۔ پھر سفیر صاحب ٹرکی اپنے نائب عارف امین صاحب کے ساتھ بازدید کے لئے آئے اور کچھہ دیر خوب باتیں ہوئیں سردار گل محمد خانصاحب بھی آئے۔ اور بھی ہندو مسلمان مہاجرین ملنے آئے۔

کارخانہ ہتھیار سازی تین بجے محمد مرتضیٰ خاں نظامی اور محمد یوسف خاں صاحب کے ساتھ ہتھیار سازی کا کارخانہ دیکھنے گیا۔ جہاں بمب، بندوقیں وغیرہ ہتھیار تیار ہو رہے تھے۔ سب کاریگر افغان تھے۔ چند ہندوستانی بھی تھے۔ کام لینے والے افغان یورپ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ میرے دل پر اس کارخانہ کی سیر سے بہت ہی اثر ہوا۔ ایک یہ ہیں کہ بناتے ہیں ایک ہم ہیں کہ ان کا نام لینے سے پکڑے جاتے ہیں۔ ہماری جنت تو ان کے سائے میں ہے۔ یہ ہتھیار تو ہماری مذہبی تعلیم کا ایک جزو ہیں۔ پھر ہم ان سے کیوں محروم ہیں۔

پشمینہ بافی حربی کارخانہ سے ملا ہوا پشمینہ بافی کا کارخانہ دیکھا۔ جہاں ہر قسم کے اونی کپڑے مشینوں کے ذریعہ تیار ہوتے ہیں۔

کوہ آسامائی جس پہاڑ کے نیچے یہ کارخانے واقع ہیں اس کو کوہ آسامائی کہتے ہیں۔ محمد مرتضیٰ نظامی نے

کہا۔ یہ ہندو حکومت کے زمانہ کا نام ہے۔ یہاں پہلے آسا مائی دیبی کا ایک مندر تھا۔

ٹکسال انہی کارخانوں کے برابر ٹکسال بھی ہے اسکو بھی اندر جا کر دیکھا۔ سونے چاندی کے سکّے بن رہے تھے۔ کاریگر ہر جگہ افغان اور ہندوستانی ہیں۔ غیر قوم کا کوئی نہیں ہے۔ ہندوستانیوں میں ہندو کاریگر بھی ہیں۔

امیر بخارا سے ملاقات یہ کارخانے دیکھکر امیر بخارا سے ملنے گیا جو کابل سے دس میل دور ایک قلعہ میں رہتے ہیں۔ ان کو چودہ ہزار روپے ماہوار وظیفہ افغانستان کی حکومت دیتی ہے۔ ان کے ملک پر روس نے قبضہ کرلیا ہے۔ اور یہ دس سال سے جلاوطن ہو کر یہاں آگئے ہیں۔ ان کے پاس اتنی دولت تھی کہ جب یہ بھاگ کر چلے آئے تو ان کا خزانہ اشرفیوں اور جواہرات کی صورت میں تین ٹرینوں میں بھر کر روس کے خزانہ میں پہنچا گیا۔

ہم سب کو ملاقات کے کمرہ میں بٹھایا گیا جس کے آس پاس قد آدم شیشہ کے کواڑ تھے۔ کمرہ مختصر تھا اور افسردہ تھا۔ امیر صاحب تشریف لائے معانقہ کیا اور بہت اخلاق سے ملے۔ پچاس کے قریب عمر ہے۔ بہت خاموش اور معصوم معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے اہلکار دست بستہ سامنے کھڑے تھے۔ ایک اہلکار کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ میں نے اسکو آپ کے پاس دہلی بھیجا تھا۔ میں اہلکار کی طرف مخاطب ہوا۔ اس نے کہا میں دو روز آپ کے مکان کے قریب درگاہ کے حجرہ میں ٹھہرا رہا مگر آپ کی نسبت کہا گیا کہ کام میں مصروف ہیں۔ مل نہیں سکتے۔ ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں ملاقات کئے بغیر واپس چلا آیا۔ امیر صاحب نے اپنی ایک کتاب بھی دی جس میں انقلاب حکومت کے حالات ہیں۔ چائے نوشی کے دَور دَورہ ہوئے۔ اور میں بات چیت کرکے رخصت ہوا۔ واپسی میں علم وجہل کا منارہ دیکھا۔ جس پر امان اللہ خاں کے زمانہ کی جنگ قبائل کے مقتولوں کے نام کندہ ہیں۔

مغرب کے بعد گھر میں آیا۔ بہت تھک گیا تھا۔ ذرا آرام کیا۔ شہزادہ احمد علی خاں اور سرور گویا وغیرہ احباب ملنے آتے رہے۔

صدر اعظم کے ہاں دعوت آج افغانستان کے صدر اعظم سردار محمد ہاشم خاں نے میری دعوت کی ہے۔ آٹھ بجے ان کے ہاں گیا۔ حکومت کے تمام وزراء موجود تھے۔ مثلاً سردار فیض محمد خاں وزیر خارجہ۔ سردار احمد خان وزیر دربار۔ سردار محمد ایوب خاں وزیر مالیات

والا حضرت شاه ولی خان صاحب فاتح کابل

سردار میرزا محمد خاں وزیر تجارت۔ سردار علی محمد خاں وزیر معارف۔ غازی شاہ محمود خاں وزیر جنگ۔ سردار عبدالاحد خاں وزیر شورائے (کونسل)۔

افغانستان کے مشہور قوال قاسم جو اور بوڑھا خاں ہندی بھی موجود تھے۔ کچھ دیر قوالی کا لطف رہا۔ صدر اعظم صاحب نے میرے سلسلۂ چشتیہ کی وجہ سے قوالی کا خاص اہتمام کرایا تھا۔

کھانا میز پر تھا اور بہت مکلف تھا۔ مگر ہاتھوں سے کھایا گیا۔ کھانے کے بعد پھر کچھ دیر قوالی ہوئی۔ اس کے بعد صدر اعظم صاحب نے زمانہ انقلاب کے حالات سنائے۔

صدر اعظم اُردو میں باتیں کرتے تھے اور نہایت صاف و فصیح اُردو بولتے تھے۔ ان کا سارا خاندان اُردو بولتا ہے۔ غازی نادر شاہ اپنے گھر میں عورتوں اور بچوں سے بھی اردو میں بات چیت کرتے ہیں۔ جتنے وزراء سے ملاقات ہوئی وہ سب نہایت ذکی تعلیم یافتہ اور وجیہہ معلوم ہوتے تھے۔ ان میں بعض کے چہروں پر تہجد گزاری کے آثار بھی تھے۔ صدر اعظم صاحب نے میری بھی بہت سی باتیں سُنیں اور رات کے گیارہ بجے تک بات چیت رہی۔ گیارہ بجے کے بعد رخصت ہوا۔ میرے مہماندار سید مومن کو افسر پولیس نے بتایا جو دروازہ پر موجود تھا کہ آج رات کا خفیہ نشان "رمارملا" ہے۔ راستہ میں پہرہ دار ٹوکیں تو ان کے کان میں یہ خفیہ لفظ کہدیا جائے۔ آج رات کو نیند بہت اچھی آئی۔ اگرچہ آج بھی خون بہت زیادہ آیا تھا۔ میں نے دعوت میں بہت احتیاط سے غذا کھائی یعنی ثقیل چیز کوئی نہیں کھائی۔

کابل کا پلاؤ تمام دنیا میں مشہور رہے۔ اور میرے لئے شاہی دستر خوان سے روزانہ عمدہ عمدہ قسم کے پُلاؤ آتے ہیں مگر میں اُنکو دیکھ لیتا ہوں کھاتا نہیں۔ کہ آنکھوں کا بھی ایک حق ہے جس طرح زبان اور معدہ کا ایک حق ہے۔

۱۱ جمادی الاولی ۱۳۵۰ ہجری مطابق ۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء
یوم پنجشنبہ۔ کابل۔

اِخ صبح ہو یا شام۔ دن ہو یا رات۔ ہر وقت کابل کے بازاروں اور آبادی کی گلیوں میں ایک آواز سنائی دیتی ہے جسکو "اِخ" کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مگر یہ آواز زبان کی حرکت کے بغیر سانس اور حلق اور ناک کی مدد سے تیار ہوتی ہے۔ یوں سمجھو کہ جب کسی شدت کا نزلہ ہوا اور اس کی ناک بند ہو گئی ہو اور وہ زور سے بذریعہ ناک سانس لینا چاہے تو جو آواز نکلے گی اسکو اس اِخ کے مشابہہ کہا جائیگا۔

یہ اِخ گدھوں کے لئے روانگی کا حکم ہے۔ سُنا تھا کابل میں گدھے بہت ہوتے ہیں۔ خیال کیا تھا

کہ شاید شریروں نے شرارت سے کابل کے ساتھ گدھوں کا نام مشہور کیا ہے مگر جا کر دیکھا۔ واقعی اس ملک میں حضرت عیسےٰؑ کا یہ مرکب بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ بچارہ ہر قسم کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ تجارتی اسباب کے لئے اونٹ اور گدھے زیادہ کام میں آتے ہیں۔ اور گدھے پر شرفا خصوصاً اُنکی عورتیں بھی بہت سوار ہوتی ہیں۔ اور جب گدھے کو اس کا مالک چلاتا ہے تو پہلے اِخ کرتا ہے۔ اِخ سنتے ہی جنابِ حمار روانہ ہو جاتے ہیں اور پھر برابر کانوں کو جنبش دیتے ہوئے چلتے رہتے ہیں۔

میں نے بھی آج اپنے جسم کو جو قرآن مجید کی مثال کے بموجب ایک گدھا ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔ اِخ کی۔ اور میرے وجود لاغر کا خرجس کی صورت شتر بے مہار سے مشابہہ ہے سیر کابل کے لئے تیار ہو گیا۔

میں اپنے قد کی درازی کے اعتبار سے اونٹ ہوں۔ اور علم بے عمل کے لحاظ سے گدھا ہوں۔ اور انگریزوں کی رعایا ہونے کے سبب بیل بھی ہوں۔ کیونکہ انگریزوں کا قومی نام "جان بل" ہے اور بُل انگریزی میں بیل کو کہتے ہیں۔

پس اگر میرا جسم گدھا ہے تو اِخ کہتا ہوں۔ کہ اسکو متحرک کرنے کے لئے اِخ مقرر ہے۔ اور اگر میرا جسم اونٹ ہے تو اُشّ کہتا ہوں کہ اونٹ کے چلنے کا حکم دینا ہو تو افغان اُش کہتے ہیں۔ اور اگر میرا جسم بیل ہے تو اُوابیَہ کہتا ہوں کہ بیل کی روانگی کے لئے یہاں یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اے حسن نظامی! بقول مولانا روم رح تو جمادی تھا، تو نباتی تھا، تو حیوانی تھا اور اب بشکل انسان بھی تیرے اندر جمادات و نباتات وحیوانات کے خواص موجود ہیں۔ اور جنّات و ملائکہ کی صفات خیر و شر بھی تیرے اندر پائی جاتی ہیں۔ لہذا تو کوہستان افغانستان کا پتھر بھی ہے۔ اور گرما سردہ میوہ بھی ہے اور کابل کا گدھا، اونٹ، بیل بھی ہے۔ اور نادر شاہ کی صفات حسنہ اور امان اللہ خاں کی صفات یورپیہ اور گاندھی جی کی صفات عدم تشدد یہ اور سرحد چلپ کی صفات حربیہ تشدد آمیز۔ اور فرانس کی دو۔ بو۔ اور بنی اسرائیل کا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ (ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) سب ہی تجھ میں موجود ہیں۔ پھر کیوں موذی مرض سے گھبراتا ہے۔ چل۔ اُٹھ! کابل کی سیر کر۔

تو کجائی سلطان جان؟ بیا ۔ زود بیا

تم کہاں ہو سلطان جان؟ آؤ جلدی آؤ۔

کابل میں والا حضرت شاہ ولی خاں کا فاتحانہ داخلہ
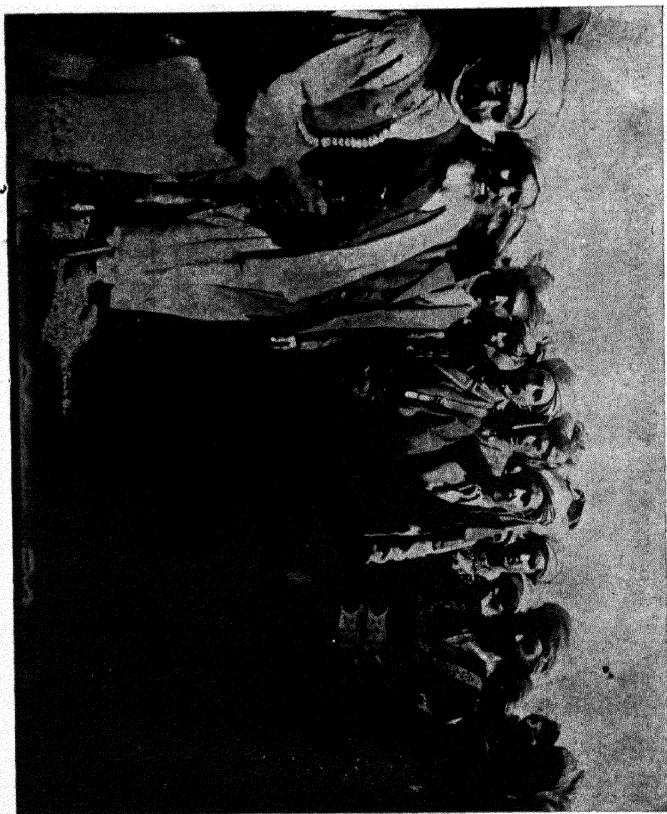
موٹر لاؤ۔ میں سیر کے لئے جلدی جانا چاہتا ہوں۔ اعلیٰحضرت نے شاہی خاصہ کی جو موٹر میرے لئے مقرر کی ہے اس کے ڈرائیور کا نام سلطان جان ہے۔ انہوں نے موٹر دروازہ پر کھڑی کی۔ میں سید مومن اور یوسف خاں اور مستری حبیب خاں نظامی کے ساتھ بالاخانہ سے نیچے اُترا۔ زینہ پر چڑھتا ہوں تو سانس چڑھتا ہے۔ اُترتا ہوں تو پاؤں کانپتے ہیں۔ کوئی ہے اپنی جوانی کی طاقت پر غرور کرنے والا؟ میں اس سے کہہ دوں کہ میاں ۵۵ برس کے ہوجاؤ گے تو یہی حال تمہارا ہوگا۔

بنسی لال فوٹوگرافر پہلے فوٹوگرافر کی دکان پر گیا۔ اپنی اتاری ہوئی تصویریں اسکو دیں کہ دھوکر تیار کردے۔ بنسی لال نام ہے۔ ہندوستانی ہے۔ عرصہ سے یہاں کاربار کرتا ہے۔

پھر فقیر محمد صاحب دہلوی سے ملا۔ پہلے دہلی کے محکمہ خفیہ پولیس میں انسپکٹر تھے عوام نے مارا۔ زخمی ہوئے۔ نوکری چھوڑ دی۔ تجارت شروع کی۔ میونسپل کمیٹی کے ممبر ہوگئے۔ جب دوبارہ انتخاب ہوا تو میں نے انکے حریف کی حمایت میں کام کیا۔ یہ ناکام ہوئے۔ اس لئے مجھ سے ناراض رہتے ہیں۔ اب عرصہ سے کابل میں تجارت کرتے ہیں۔ میری قیام گاہ کے قریب ہی ان کی دکان ہے۔ موٹر کا اسباب فروخت کرتے ہیں۔ اتفاق سے سامنے آگئے۔ بہت اخلاق سے ملے۔ کہتے تھے مجھے آپ کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ بیشک خبر نہ ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اب وہ خفیہ پولیس کی نوکری چھوڑ چکے ہیں۔ جب خفیہ پولیس میں تھے تو میری ہر آمد و رفت ان کو معلوم رہتی تھی۔ خوشی کی بات ہے کہ وہ اپنے کام میں اتنے مصروف ہیں کہ انکو میرا آنا بھی معلوم نہ ہوا۔ حالانکہ کابل کے بچہ بچہ کو میرا آنا معلوم ہے۔ اور ہندوستانی تو سب ہی مجھ سے ملنے آنے ہیں۔

سفارت خانہ برطانی چونکہ کابل سے روانگی نزدیک ہے اس لئے پاسپورٹ کی تصدیق انگریزی سفارتخانہ میں کرانی ضروری ہے۔ بازار سے وہاں گیا۔ شہر سے کئی میل دور ہے۔

خاں صاحب سکندر خاں صاحب اورنٹیل سکرٹری سفیر صاحب موٹر تک لینے آئے۔ بہت خوش اعتقاد مسلمان ہیں۔ ان کے کمرہ میں بیٹھا تو سفارت خانہ کے اور عہدہ دار بھی ملنے آگئے۔ میاں غلام محمد صاحب ایس۔ ڈی۔ او۔ سید ارشاد حسین صاحب متقی میر منشی۔ خاں صاحب حاکم الدین صاحب اور سیر۔ مسٹر رحمت اللہ کلرک۔ محمد مظفر خاں صاحب اسٹور کیپر۔ میاں حیات محمد صاحب ٹھیکیدار و مستری۔ ڈاکٹر عطا محمد خاں صاحب قاضی۔ عبدالواحد صاحب کمپونڈر۔ فتح اللہ خاں نظامی سے

باتیں اور ملاقاتیں ہوئیں۔ سکندر خاں صاحب نے میوے اور مٹھائیاں میزوں پر آراستہ کیں اور مہمان نوازی کی اسلامی شان کا مظاہرہ کیا۔

کابل کی ایک مورت بولنے لگی

سفارت خانہ میں ایک خوبصورت آفریدی نوجوان بھی تھے۔ نام پوچھا تو کہا کابل خاں۔ ٹھیک ہے دہلی خاں کے سامنے کابل خاں کا آنا ضروری تھا۔ لمبا قد۔ کتابی چہرہ۔ بڑی بڑی مگر تیز وطرار آنکھیں۔ جرأت و حیا کی پلکوں کی نوکوں پر رقص کناں عمر اٹھارہ انیس سال۔ پیشانی سے آثار اقبال و ترقی ہویدا۔ موٹروں کی تجارت کرتے ہیں۔ اسلامیہ کالج پشاور میں تعلیم پائی ہے۔ کہنے لگے ہم آفریدیوں نے ہمیشہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے سر کٹائے۔ مگر جب مجبوری میں ہم پر مصیبت آئی تو کسی ہندوستانی نے مدد نہ کی۔

بچپن بھی کیا زمانہ ہے۔ کابل خاں نے اس پر غور نہ کیا کہ آفریدی آزاد۔ اور ہندوستانی غلام۔ بھلا غلام بھی کسی کی مدد کر سکتا ہے۔

آج کل انگریز سفیر صاحب رخصت پر گئے ہوئے ہیں۔ ان کے قائم مقام بھی کابل شہر میں کسی سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ اس لئے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اور پاسپورٹ کی تصدیق سکندر خاں صاحب نے کردی۔

واپسی میں شہر آرا محل کے کھنڈر دیکھے۔ جہاں بچہ سقہ نے حملہ کابل کے وقت مورچے لگائے تھے۔

قیام گاہ پر آ کر کھانا کھایا۔ پھر دفتر اخبار "اصلاح" میں گیا۔ جس کے نمایندے مجھ سے ملنے آئے تھے۔ اخبار "اصلاح" ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ اس کو غازی نادر شاہ نے حملہ کابل کے وقت مورچوں میں جاری کیا تھا۔ مگر ذرا خیال کرنا نام نادر الاخبار نہیں رکھا حالانکہ امیر حبیب اللہ خاں نے اپنے لقب پر سراج الاخبار نام رکھا۔ امان اللہ خاں نے امان افغان۔ اور بچہ سقہ نے حبیب الاخبار۔ مگر نادر شاہ نے محض "اصلاح" نام سے ان کی طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے کہ نام نمود سے کتنے بیزار ہیں۔

اس اخبار کے مالک صاحب کا نام محمد امین خاں خوگیانی ہے۔ اور سر کاتب شیر گل خاں ہیں اور نائب ایڈیٹران مولوی غلام جیلانی خاں اور میرزا غلام دستگیر خاں اور میرزا محمد قلی خاں اور میرزا عبدالاحد خاں ہیں۔ ایک ہندوستانی مقبول احمد خاں مہاجر اردو اخباروں کا ترجمہ کرنے پر نوکر ہیں۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس اخبار میں سرکاری اطلاعات بھی شائع ہوتی ہیں۔ اور یہ تمام صوبوں کے اہل کاروں کے پاس جاتا ہے۔

وزیر صاحب حربیه و محمد غوث صاحب
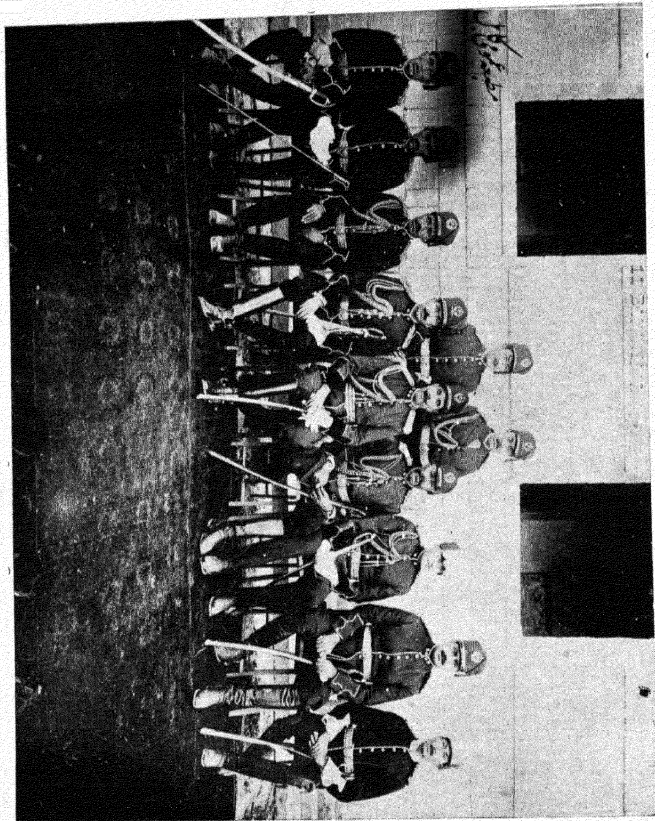
مطبع عمومی ارک (قلعہ) شاہی میں سرکاری چھاپہ خانہ دیکھا۔ جس کو مطبع عمومی کہتے ہیں۔ یعنی عام پبلک کا مطبع۔ اس میں اخبارات اور رسالے اور سرکاری کاغذات۔ پاسپورٹ ٹکٹ۔ پوسٹ کارڈ۔ اسٹامپ وغیرہ طبع ہوتے ہیں۔ ۱۳ ٹریڈل مشینیں کام کر رہی تھیں۔ کئی بڑی مشینیں لیتھو اور ٹائپ کی بھی مصروف عمل تھیں۔ بلاک سازی اور بلاک چھاپنے کی ایسی اعلےٰ مشینیں ہیں۔ کہ ہندوستان میں شاید کہیں نہ ہونگی۔ میں نے کلکتہ اور بمبئی کے بڑے بڑے تصویر گر کارخانوں کو دیکھا مگر یہ سامان کہیں نہیں تھا۔ سب سے بڑی خوبی اس میں یہ تھی کہ ہر چیز صاف اور ستھری تھی۔ پریس کی کئی بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ مگر کہیں کاغذ کا ایک پرزہ اور کوڑہ کا ایک تنکہ موجود نہ تھا۔ چھاپنے والے کاریگر بھی سب ہی صاف تھے۔ بمبئی میں ٹائمز پریس جرمنوں کا دیکھا تھا وہاں بھی صفائی اچھی تھی مگر عمارت بڑی نہ تھی اور صفائی اتنی مکمل نہ تھی۔ چھاپہ خانہ کے کام کا ۳۵ سالہ تجربہ مجھکو ہے۔ میں نے کسی پریس میں اتنی صفائی اور سلیقہ نہیں دیکھا۔

صوفی عبدالحمید صاحب اس کے افسر اعلےٰ ہیں اور انہی کی نفیس طبع کا یہ کرشمہ ہے۔ چھوٹا قد۔ خاموش صفت۔ چہرہ پر متانت و وقار کا آفتاب درخشاں رہتا ہے۔ ابو محمد برکت اللہ خاں ہندی یہاں سالہا سال سے کام کرتے ہیں۔ محمد نوری بک ایک ترک زینکوگرافی کے انچارج ہیں۔ سید محمد ایشاں خاں، سید محمد داؤد خاں اور عبدالودود خاں وغیرہ عہدہ دار کام کرتے ہیں۔ میں نے اپنے سفرنامہ کے لئے بھی تصاویر اسی کارخانہ کو بلاک سازی کے لئے دیں۔ کیونکہ کام اچھا اور نرخ کم۔ اور مطبع کے مدیر جناب صوفی عبدالحمید خاں صاحب طباعت کے فن کے بڑے ماہر ہیں۔

انجمن ادبی مطبع عمومی سے دفتر انجمن ادبی میں آیا۔ یہ انجمن بہت عمدہ کام کر رہی ہے۔ اس کا ایک خوبصورت ماہوار رسالہ بھی شائع ہوتا ہے۔ اعلحضرت کو اس کی کامیابی و بہبودی کا خاص خیال ہے۔ اس کے مدیر محمد انور خاں صاحب بسمل ہیں۔ دفتر میں موجود تھے۔ اس کے معاون شہزادہ احمد علی خاں دُرّانی ہیں۔ اور ممبران خصوصی سیر غلام محمد خاں غبار۔ اور غلام جیلانی خاں عزمی اور محمد سرور گویا صاحب ہیں جو صبح شام مجھ سے ملنے آتے ہیں۔ دفتر میں ایک خوش جمال دُبلے پتلے نوجوان ایک مضمون لکھنے میں محو تھے۔ میں نے انکی محویت دیکھی تو پوچھا۔ کیا لکھ رہے ہو؟ بولے شراب کے خلاف مضمون۔ میں نے کہا۔ فِيهِ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (شراب میں انسانوں کے لئے نفع بھی ہیں)

بے ساختہ جواب دیا۔ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (مگر جوئے اور شراب کا گناہ اُن کے نفع سے بہت زیادہ بڑا ہے)

مجھے اس بے ساختہ اور فوری جواب سے ایسا معلوم ہوا کہ میری زبان سے شیطان بولا۔ اور انکی زبان سے رحمانی وحی نے شہاب ثاقب بن کر شیطان پر رجم کیا۔

قیام گاہ پر آیا۔ رات کو وزیر صاحب خارجہ۔ اور سردار حیدر خاں صاحب معین دربار اور ان کے بچے اور مدیر صاحب مطبع عمومی اور شہزادہ احمد علی خاں صاحب اور سرونہ گو پا صاحب اور مولانا منصور انصاری صاحب اور مولانا محمد بشیر صاحب اور عباس آفندی صاحب اور رحمت اللہ صاحب ہمایوں وغیرہ احباب ملنے آئے تھے۔ میں نے سردار حیدر خاں کے بچہ سے کہا "من نان خوردم نان در شکم من رفتہ صدا کرد۔ من ترا می خورم" (میں نے روٹی کھائی تو روٹی نے پیٹ میں سے آواز دی میں تجھ کو کھاؤں گی) یہ سنکر بچہ خوب ہنسا۔

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ ہجری مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء یوم جمعہ۔ کابل

شور بازار ہندوستان میں اگر ایک بچہ سے بھی پوچھو کہ شور بازار کو جانتے ہو تو وہ کہے گا کہ مُلّا شور بازار کا نام سنا ہے مگر شور بازار کو میں نہیں جانتا۔ گویا شور بازار کو مُلّا کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

نمک سب کھاتے ہیں مگر نمک کے محصول کی قانون شکنی گاندھی جی نے کی تو نمک ہر جگہ مشہور ہوگیا۔ گویا گاندھی جی کے سبب نمک کو شہرت ہوئی۔

یہی حال شور بازار کا ہے۔ ہندوستانی یہ نہیں جانتے کہ کابل میں شور بازار کسی بازار کا نام ہے یا مُلّا صاحب کا لقب شور بازار ہے۔ میں نے کابل میں آتے ہی پہلے اس مسئلہ کو حل کیا۔ اور معلوم ہوا کہ کابل میں ایک مشہور اور بڑا بازار ہے جسکو شور بازار کہتے ہیں۔ اس بازار کے آس پاس آبادی ہے اور اس آبادی میں ایک باا ثر مُلّا صاحب رہتے ہیں۔ جنکو مُلّائے شور بازار کہا جاتا ہے۔

انقلاب کے شروع میں جب مُلّا شور بازار کے خلاف خبریں شائع ہوئیں تو میں نے بھی ان کی مخالفت میں بہت کچھ لکھا لیکن کابل آنے کے بعد معلوم ہوا کہ مُلّا صاحب ناحق بدنام ہوئے۔ انہوں نے محدود خیالی اور تنگ نظری کی کوئی بات نہ کی تھی بلکہ امان اللہ خاں ان کی جان کے درپے ہوگئے تھے۔

واقعہ یہ ہوا کہ جب امان اللہ خاں یورپ سے واپس آئے تو انہوں نے علاءالدین کے عجیب غریب چراغ کی طرح افغانستان کو پلک جھپکاتے یورپ بنادینا چاہا۔ چنانچہ مشہور مجاہد جناب مولانا محمد بشیر صاحب ہندی

جشن استقلال میں غازی محمد نادر شاہ کی تقریر

نے مجھ سے بیان کیا کہ امان اللہ خاں نے ان سے کہا کہ میں افغانستان کو یورپ جیسا ترقی یافتہ بنا دینا چاہتا ہوں۔ مولانا نے جواب دیا۔ بے شک اسکی ضرورت ہے۔ مگر بتدریج پانچ سال کے عرصہ میں سب کچھ ہوسکتا ہے۔ یہ جواب سنکر امان اللہ خاں کو غصہ آگیا۔ اور وہ نفرت وحقارت سے مجھ کو دیکھ کر دوسری طرف مخاطب ہو گئے اور پھر مجھ سے بات بھی نہ کی۔

مولانا محمد بشیر لاہور کے رہنے والے اور انقلابی خیالات کے مسلمان ہیں۔ اہل وعیال اور مال و دولت کو ترک کرکے سترہ سال سے افغانستان میں پڑے ہوئے ہیں۔ مسجدوں کے ملاؤں کی طرح تنگ نظر نہیں ہیں اور انہوں نے جواب بھی عقل کے موافق دیا تھا مگر امان اللہ خاں ہتیلی پر سرسوں جمانی چاہتے تھے اس لئے وہ اس جواب سے خوش نہیں ہوئے۔

اس سے امان اللہ خاں کی جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ بہرحال ایک دن امان اللہ خاں نے فوجی افسروں سے کہا کہ آیندہ فوج کا کوئی سپاہی کسی پیر کا مرید نہ ہو۔ جسکو بیعت کی ضرورت ہو مجھ سے بیعت کرے۔ اور پردہ یک قلم اٹھا دیا جائے اور سب لوگ ڈاڑھیاں منڈا دیں۔

یہ تقریر سنکر بڑے درجہ کے ایک قاضی صاحب نے کہا۔ آپکے یہ سب حکم شریعت کے خلاف ہیں آپ ایسا نہ کیجئے۔ امان اللہ خاں نے قاضی جی سے سخت کلامی کی۔ قاضی کو مذہبی پیشوا ہونے کا گھمنڈ تھا۔ اسنے بھی سخت جواب دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ قاضی کو توپ کے منہ پر باندھ کر اڑادو۔ یہ حکم سُن کر سب وزرا اور ارا کین حکومت دم بخود رہ گئے۔ اور انہوں نے بادشاہ کو نرمی اور تحمل کا مشورہ دیا۔ مگر امان اللہ خاں نہ مانے اور قاضی صاحب کو توپ سے اڑا دیا گیا۔ اس سے شہر میں بہت زیادہ ہلچل پیدا ہوگئی۔ شور بازار کے ملا صاحب ان قاضی صاحب کے قرابتدار تھے اور ملا صاحب کا افغانستان میں بہت زیادہ اثر اور مذہبی اقتدار تھا۔ اسلئے امان اللہ خاں کو اندیشہ ہوا کہ ملا شور بازار قاضی کے قتل سے لوگوں کو بغاوت کا فتوےٰ نہ دیدیں۔ لہذا حکم دیا کہ شور بازار کے ملا کو گرفتار کرلیا جائے۔ مگر ملا صاحب نے قاضی کے قتل کی خبر سنتے ہی کابل چھوڑ دیا تھا اور اپنے مریدِ قبائل میں چلے گئے تھے۔ امان اللہ خاں کے آدمی گرفتار کرنے گئے تو ملا صاحب غائب تھے۔

اس واقعہ کے بعد لوں کی آگ پھوٹ نکلی اور

بغاوت شروع ہوگئی اور مُلّا شور بازار نے بھی امان اللہ خاں کے خلاف فتوے دیدیا۔

پس یہ وجہ ملّا صاحب کے بدنام ہونے کی ہوئی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ملّا شور بازار نے اپنی جان بچانے کے لئے کابل کو چھوڑا اور اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے امان اللہ خاں کے خلاف فتوے دیا۔ لیکن ممکن ہے کہ کچھ اسباب اور بھی ہوں جن کا علم مجھ کو نہ ہو۔ کابل میں جو بات عام طور پر مشہور ہے وہ وہی ہے جو میں نے لکھی۔

آج صبح ناشتہ کے بعد معلوم ہوا کہ اعلیحضرت پغمان جانے والے ہیں۔

پغمان کابل سے تیرہ چودہ میل کے فاصلہ پر نہایت پُر فضا جگہ ہے جہاں سیر و تفریح کے لئے باغ اور آبشار کثرت سے ہیں اور کابل کے اکثر خواص و عوام تعطیل کے دن پغمان چلے جاتے ہیں۔

میں نے فوراً وزیر صاحب خارجہ کو اطلاع دی کہ مجھے مسلمان بادشاہ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کا شوق تھا اور سنا ہے کہ آج اعلیٰ حضرت پغمان جا رہے ہیں۔

وزیر صاحب نے میرا پیغام اعلیٰ حضرت تک پہنچا دیا۔ جواب میں اعلیٰ حضرت نے حکم دیا کہ میرے سب ساتھی روانہ ہو جائیں۔ میں جمعہ کی نماز پڑھ کر پغمان جاؤں گا۔

وزیر صاحب کے والد ماجد سردار گل محمد خاں صاحب کو حکم ہوا کہ وہ مجھ کو لیکر جامع مسجد میں جائیں اور شاہی حجرہ میں جو نہر کے قریب بنا ہوا ہے ٹھہریں۔

اس خبر سے مجھے اطمینان ہوا اور میں شور بازار وغیرہ مقامات کی سیر کے لئے نکلا۔ مولانا محمد بشیر صاحب اور محمد مرتضےٰ خاں نظامی میرے ساتھ تھے اور مستری حبیب خاں نظامی بھی تھے۔ شور بازار میں آیا۔ وہ بہت لمبا بازار ہے۔ یہاں بھی ملک شام و مصر کی طرح بازار پٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ شور بازار بھی پٹا ہوا ہے۔ اس میں ہر قسم کی دکانیں ہیں۔ کپڑے کی دکانیں زیادہ ہیں۔ جاپان کے ریشمی کپڑے اور یورپ کے کپڑے زیادہ فروخت ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ روس کی بنی ہوئی چھینٹ کی دھوم سنی تھی کہ کابل میں بہت بکتی ہے اور بہت عمدہ ہوتی ہے۔ آج میں نے اسکو دیکھا تو بے اختیار ہنسی آگئی۔ یہ چھینٹ نہایت گھٹیا تھی۔ ہندوستان میں تو کوریج کے گدّوں پر منڈھی جاتی ہے۔ بعض لوگ توشک اور فرش کے کام میں بھی لاتے ہیں۔ روسی چھینٹ کا کپڑا اچھا نہیں ہے۔ اور رنگ بھی خراب ہے۔ بہرحال روس کی چھینٹ

جشن غازی محمد نادرشاہ کابل میں
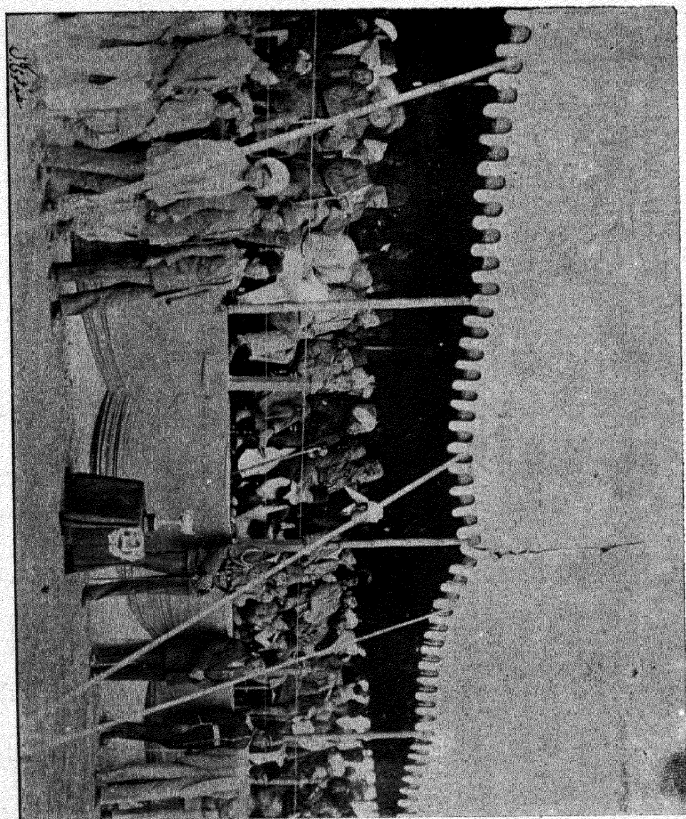
روس کی صناعی کا بہت بُرا نمونہ ہے۔ مانچسٹر اور لنکا شائر کی چھینٹیں اس سے لاکھ درجہ اچھی ہوتی ہیں۔

کپڑے والے عموماً ہندو تھے۔ یہ لوگ زرد یا سرخ پگڑی سے پہچانے جاتے ہیں۔ کیونکہ کوئی مسلمان سُرخ و زرد پگڑی نہیں باندھتا۔ میں نے ہر ہندو دکاندار سے دکان پر بیٹھ بیٹھکر باتیں کیں اور حکومت کے برتاؤ کا حال پوچھا کہ تم پر انقلاب کے زمانہ میں اور انقلاب سے پہلے امان اللہ خاں کے عہد میں اور موجودہ حکومت کے زمانہ میں کیا کیا ستم ہوئے۔

جواب دیا نہ امان اللہ خاں کے عہد میں کوئی ظلم تھا۔ نہ بچہ سقہ نے کچھ ظلم کیا نہ اب کچھ ظلم ہے۔ بچہ سقہ کے دور میں مسلمانوں کو جان و مال کا بہت نقصان ہوا مگر ہندو اور سکھ اور یورپین سب محفوظ رہے۔ ان کو کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ وہ کہتے تھے یہ لوگ ہمارے مہمان ہیں۔ اور نادر شاہ تو ایک اولیا ر بادشاہ ہے اس کے عہد میں تو ہندو مسلمان دونوں ہی بہشت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

دیوان نرنجن داس کے مکان پر میں نے امان اللہ خان کے مشہور امیر دیوان نرنجن داس کو دریافت کیا کہ ان کو بچہ سقہ نے روپے کے لئے قتل کرا دیا تھا۔ جواب ملا۔ غلط ہے وہ قتل نہیں ہوئے اپنی موت سے ابھی حال میں مرے ہیں۔ ان کی دو لڑکیاں ہیں۔ ایک لڑکی نے شادی نہیں کی۔ دوسری نے شادی کی اور اس کے شوہر اور لڑکے اسی محلہ میں رہتے ہیں۔

راستہ میں سردار ہرنام سنگھ صاحب مل گئے یہ سکھ ہیں۔ جہاز کوماگاٹا مارو کے مشہور سکھوں میں ہیں جنکی انگریز گورنمنٹ تلاش میں رہتی ہے۔ یہاں بھاگ کر آگئے ہیں۔ سوڈا واٹر کی مشین کھڑی کر لی ہے۔ اس سے گزر اوقات کرتے ہیں۔ میں نے دیوان نرنجن داس کا مکان دریافت کیا تو میرے ساتھ محلہ میں گئے۔ اور دیوان صاحب کے مکان تک پہنچا دیا۔

لالہ ڈھلورام سردار صاحب دیوان صاحب کے مکان پر لے گئے۔ دیوان صاحب کے داماد لالہ ڈھلورام کو گھر سے بلایا وہ باہر آئے اور اپنے ساتھ گھر کے اندر لے گئے۔ مکان اندر سے اچھا بڑا تھا۔ ایک کمرہ میں عمدہ فرش تھا وہاں بٹھا دیا۔ لالہ صاحب کا لڑکا بھوج راج بھی ملا۔ نوعمر ہے۔ سولہ سترہ سال کا ہے مگر کچھ بیمار ہے۔ دیوان صاحب کی لڑکی اندر پردہ میں تھیں وہاں سے سلام بھجوایا اور میوہ کا خوان بھی بھیجا۔ ہم سب نے میوہ کھایا اور حکومت کے حالات دریافت کئے۔ لالہ ڈھلورام نے کہا کہ

بچہ سقہ نے کسی ہندو پر ظلم نہیں کیا۔ ہمارے خاندان کے ایک آدمی نے اسکے ہاں شکایت کردی تھی کہ دیوان صاحب کے گھر میں امان اللہ خاں کی بندوقیں پوشیدہ ہیں اس لئے بچہ سقہ نے مکان کی تلاشی لی اور ۴۰ ہزار روپے بھی وصول کئے مگر ہمارے سوا اور کسی ہندو کو کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔

نادر شاہ کی نسبت کہا ایسا بادشاہ تو آج تک اس ملک میں کوئی بھی نہ ہوا ہوگا۔ ہندو مسلمان دونوں کو شکھ ہے اور کسی کو کوئی شکایت نہیں ہے۔ سردار صاحب نے بھی اس کی تائید کی۔

مجھے خیال آیا کہ ایک زبردست انقلابی مسلمان مولانا محمد بشیر موجود ہیں جو انگریزوں اور انکے طرفداروں کو پسند نہیں کرتے اور دوسرے مشہور سکھ انقلاب پرست ان کے سامنے نادر شاہ کی حکومت کی تعریف کرتے ہیں جنکی نسبت ہندوستان میں کہا جاتا ہے کہ انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں۔ اگر ہندوستان کی شہرت درست ہوتی تو انگریزوں اور ان کے دوستوں کے دشمن نادر شاہ کی تعریف کیوں کرتے۔

یہاں سے رخصت ہو کر سکھوں کا ایک گردوارہ بھی دیکھا۔ اور ایک سادھو سے بھی ملا۔ گردوارہ خوب آباد اور پر رونق دار تھا۔

مکتب حربیہ کل کی تاریخ میں لکھنا بھول گیا کہ سفارت خانہ برطانیہ سے واپسی کے وقت مکتب حربیہ (جنگی کالج) کو دیکھنے بھی گیا تھا۔ یہاں فوجی افسروں کو تعلیم دی جاتی ہے یعنی افسر بنانے کی تعلیم ہوتی ہے۔ صفائی بہت عمدہ تھی۔ نوجوان لڑکوں کی باوردی صف بندی اور قواعد بھی دیکھی۔ کھانے کا وقت تھا۔ میزوں کا سلیقہ یورپ کی میزوں سے کم نہ تھا۔ خدا افغان کو سچا مسلمان بنائے رکھے کہ سچا مسلمان ہی صاف اور سلیقہ مند ہوتا ہے یورپین بننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جمعہ کی نماز آخر وہ وقت آ گیا کہ میں سردار گل محمد خاں صاحب کے ہمراہ کابل کی جامع مسجد میں گیا دہلی اور احمد آباد وغیرہ بڑے اسلامی شہروں کی جامع مسجدوں میں منبر کے قریب بادشاہوں کے لئے ایک مخصوص جگہ بنی ہوئی دیکھی تھی جو امیر معاویہ کی ایجاد ہے۔ تاکہ بادشاہ نماز کی حالت میں دشمن کے حملہ سے محفوظ رہے مگر کبھی اس حجرہ میں کسی بادشاہ کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔

کابل کی جامع مسجد بہت بڑی ہے۔ مسجد کے اندر گیا تو نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ کہیں جگہ باقی نہ تھی۔ میں سردار گل محمد خاں صاحب کے ساتھ شاہی حجرہ میں چلا گیا۔ جس کے دروازہ کو میرے داخل ہونے

فوجی ہاتھی جشن استقلال کابل میں
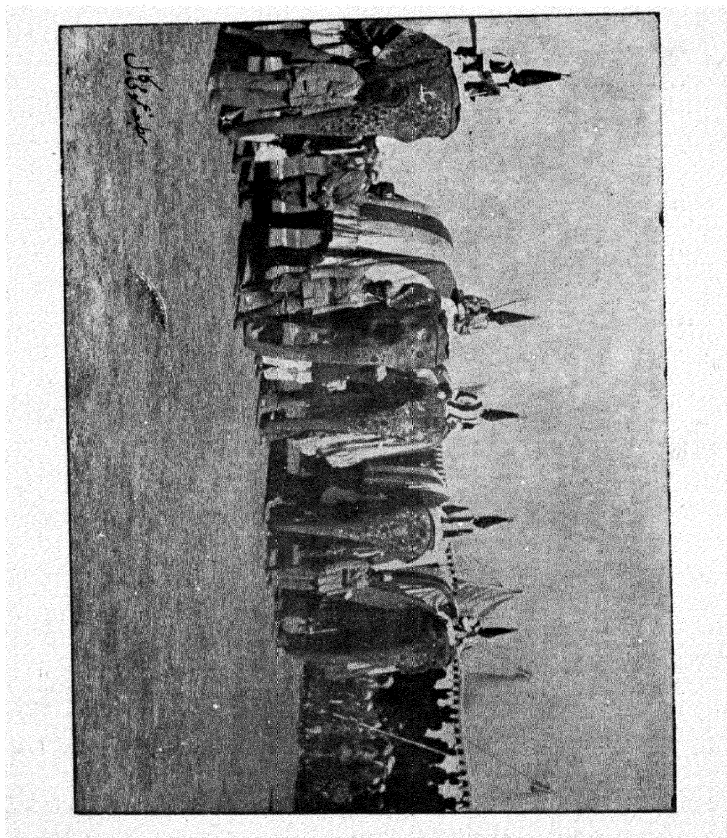
کے بعد بند کر دیا گیا۔

عین اذان کے وقت اعلیٰحضرت مسجد میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف ہتھیار بند فوجی افسروں کا پہرہ تھا۔ نمازیوں میں بادشاہ کے دیکھنے کے لئے جنبش پیدا ہوئی۔ بادشاہ حجرہ کے اندر آئے مجھ سے ملے اور سنتوں میں مصروف ہو گئے۔ امام نے خطبہ شروع کیا۔ جب نادرشاہ کا نام خطبہ میں آیا انہوں نے سینہ پر ہاتھ رکھ لیا اور زمین کی طرف خدا کے سامنے جھک گئے۔ ان کی اس عاجزانہ حرکت سے مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔

جماعت کھڑی ہوئی تو اعلیٰحضرت نے مجھے اپنے برابر اپنی جانماز پر کھڑا کر لیا۔ جانماز بہت چوڑی نہ تھی مگر ہم دونوں دُبلے جسم کے تھے آسانی سے نماز پڑھ لی۔ نماز کے بعد سُنتوں سے فارغ ہو کر بادشاہ جانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں نے کہا۔ ہم جمعہ کی نماز کے لئے ہندوستان میں مسلمان بادشاہ کو تلاش کرتے تھے تو بادشاہوں کے کاسہ سر اور بوسیدہ ہڈیاں دستیاب ہوتی تھیں۔ بادشاہ میسر نہ آتا تھا۔ مگر آج خدا کا شکر ہے کہ ایک آزاد بادشاہ کے برابر کھڑے ہو کر مجھے جمعہ کی نماز میسر آئی۔ بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور انہوں نے کہا

مجھے بھی فخر ہے کہ میں نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے نسلی تعلق رکھنے والے کے ساتھ نماز ادا کی۔ آپ حضرت کے مزار پر میرا سلام عرض کیجے گا اور کہئے گا کہ محمد نادر کو اپنے روحانی تصرفات سے محروم نہ رکھیں پھر کہا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو میرا سلام کہئے گا اور کہئے گا کہ محمد نادر نے تمہارے ایک بھائی اور افغانستان کے بادشاہ کی حیثیت میں کہا ہے۔ کہ ہندوستان کے مسلمان قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں اور اخلاق رسول اللہؐ کی تقلید کریں۔ اس کے بعد بَاَمانِ خدا کہہ کر رخصت ہو گئے۔

میں مکان پر آیا۔ کھانا کھایا۔ اس کے بعد اور کہیں نہیں گیا۔ کیونکہ کل صبح کابل سے روانہ ہونا ہے۔ ملنے والے بکثرت آ رہے ہیں۔

برطانی سفارتخانہ سے خاں صاحب سکندر خاں صاحب اور سید مُتقی صاحب وغیرہ عہدہ دار بھی ملنے آئے تھے۔

افغانی اعتقاد کا ضبط

کابل کی جامع مسجد میں نماز کے بعد بے شمار افغان دست بوسی کے لئے ٹوٹ پڑے۔ کوئی سر کے بال چومتا۔ کوئی ڈاڑھی چومتا کوئی ہاتھ۔ کوئی کُرتہ کا دامن۔ مگر ان کی یورشیں بے تمیزی نہ تھی جیسی ہندوستان کے بعض شہروں

میں دیکھی تھی کہ میں کئی دفعہ مرتے مرتے بچا تھا۔

نماز سے پہلے آج کابل کی عالمگیری مسجد بھی دیکھی تھی۔ جس کے نیچے برف کے ایام میں مسجد گرم کرنے کے لئے تہخانہ تھا۔ برف کے وقت تہخانہ میں آگ جلا دیتے ہیں جس سے مسجد اوپر سے گرم ہو جاتی ہے

رات تک ملنے والوں کا مجمع رہا۔ بواسیر کا خون دن میں تین بار آتا ہے۔ نیند بھی بے چین رہتی ہے۔

مُلا شور بازار کے مکان پر آج جمعہ سے پہلے مُلا شور بازار کے مکان پر بھی گیا تھا۔ وہ خود تو مصر میں سفارت کے عہدہ پر مقرر ہو کر چلے گئے ہیں۔ ان کے بھائی سے ملنا تھا مگر وہ بھی مکان پر نہ ملے۔ کابل سے باہر اپنے گاؤں میں گئے ہوئے تھے۔

کابل میں آخری رات آج کابل کے قیام کی آخری رات ہے۔ میرے دل پر اس کا بہت اثر ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ابھی چند روز اور ٹھہروں مگر غزنی کا شوق دامن گیر ہے اس لئے کل صبح کی روانگی مقرر ہوگئی ہے۔

شاہانہ تحائف آج اعلیٰ حضرت نے اپنے ہاتھ کی ایک قیمتی تسبیح مجھے بھیجی ہے۔ سنگ مقصود کی ہے۔ کہا گیا بہت ہی نفیس ہے۔ مگر قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔ مجھے تو سبزی مائل پتھر کے سوا اور کوئی خوبی معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ بادشاہ کے ہاتھ کی ہے یہ خوبی ضرور ہے۔ ایک عمدہ اونی جا نماز اور لباس کے لئے قیمتی و نفیس کپڑے اور اونی پٹو اور پہاڑی جانوروں کی کھالیں جن کی ٹوپیاں بنائی جاتی ہیں۔ یہ سب تحائف بھی تھے۔

میں نے وزیر صاحب خارجہ سے کہا کہ بس تسبیح اور جا نماز کافی ہے میں اور تحائف نہیں چاہتا۔ مگر وزیر صاحب نے کہا اعلیٰ حضرت کو رنج ہوگا اس لئے لے لئے۔

مطبع عمومی کے مدیر صاحب آج بہت دیر تک رہے اور ان کی علمی باتوں سے جی بہت خوش ہوا۔

رات کو دیر میں سویا تاہم نیند نہ آئی۔ سردی ایک گرم کمبل کے قابل ہے۔ بہت زیادہ نہیں ہے۔

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ہجری مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۳۲ء یوم شنبہ۔ کابل سے روانگی

افغانستان کا دل کابل آج صبح جس شہر سے مجھے رخصت ہونا ہے یہ افغانستان کا دل ہے اور دماغ بھی ہے اور بازوؤں کی قوت بھی ہے۔

ہندو مذہب کہتا ہے۔ برہمن ہندو قوم کا سر۔ راجپوت بازو۔ تجارت پیشہ پیٹ اور خدمتگار قومیں اس کے پاؤں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مسلمان اپنی قوم کا سر بھی ہے۔

وزیر حربیہ اکابر قوم کے ساتھہ
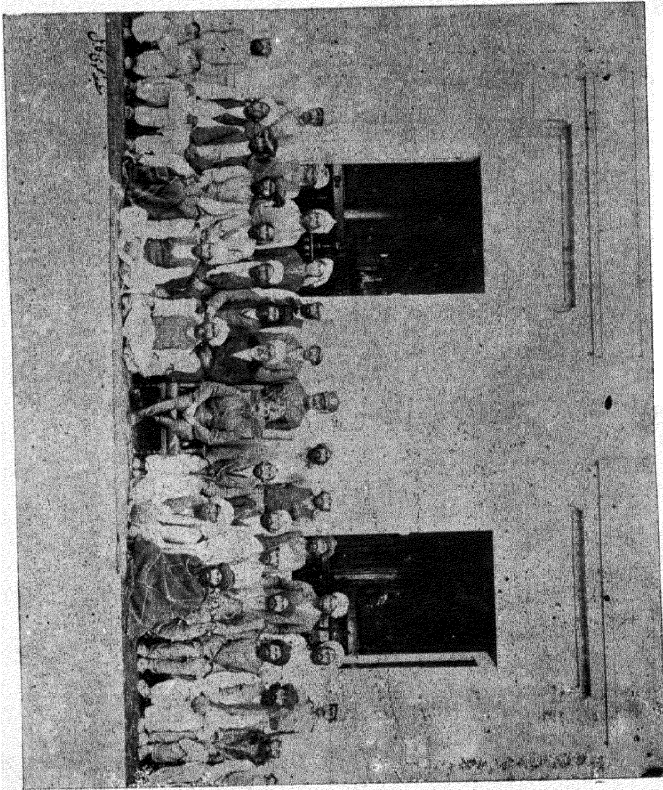
بازو بھی۔ پیٹ بھی اور پاؤں بھی۔ یعنی وہ مُلا بھی ہے۔ سپاہی بھی اور تاجر و خدمتگار بھی۔ پس کابل چونکہ افغانستان کا پایہ تخت ہے اس لئے وہ افغانستان کا دماغ، دل، بازو اور پاؤں سب کچھ ہے۔

آج میں اس شہر سے جدا ہوتا ہوں جو ہندوؤں، ایرانیوں، یونانیوں، سلمانوں کی مختلف حکومتوں کے زیرنگیں رہا۔ دیکھنے میں اسکی رونق ان لوگوں کو جو یورپ یا یورپ کے آراستہ کردہ شہروں کو دیکھ چکے ہیں۔ کچھ اچھی معلوم نہ ہوگی۔ کچے مکان ہیں۔ سوائے مسجدوں، مقبروں اور شاہی عمارتوں کے کہیں پکی عمارت نظر نہیں آتی۔ راستے خراب۔ باشندوں کے لباس میں قدامت، خیالات میں قدامت، غذا میں قدامت، رہنے سہنے میں قدامت لیکن ان سب کے باوجود کابل اب تک تمام دنیا میں متلاطم سمندر کا مینار ہے جس کی روشنی سے امن کے جہازوں کو سیدھا راستہ ملتا ہے۔ روس اور انگریز تو ایک بڑے مقصد اس کو دیکھتے ہیں۔ لیکن جرمن و فرانس و اٹلی و امریکہ و جاپان وایران بھی افغانستان اور اس کے پایہ تخت کو کچھ کم اہم نہیں سمجھتے۔ امان اللہ خاں کے خیر مقدم کے اسباب کچھ ہی بیان کئے جائیں لیکن بنیادی سبب افغانستان اور کابل کی سیاسی اہمیت تھی۔

ایک حسرت مجھے کابل میں ایک حسرت رہ گئی کہ میں نے یہاں کسی نامی درویش کی زیارت نہ کی۔ ہر چند تلاش کرتا رہا مگر کوئی درویش نہ ملے۔ لوگوں نے کہا افغانستان میں حسب ذیل فقراء اور علماء درویشی شان رکھتے ہیں۔

(۱) حضرت صاحب شور بازار (حال وزیر عدلیہ) (۲) حضرت صاحب ہرات (۳) ابن حاجی عبد الرزاق خاں رئیس تمیز۔ (۴) آخون زادہ صاحب ہڈہ شریف (مُلا ہڈے یا مُلا ہاڈا کا نام اخبارات میں پڑھا تھا۔ ہڈہ شریف ایک مقام کا نام ہے۔ ہندوؤں کے زمانہ کے قدیمی آثار بھی اس مقام میں مدفون ہیں۔) (۵) اخون زادہ صاحب تگاب۔ (۶) سید عباس بادشاہ۔ (۷) عبد المنان صاحب ابن صوفی صاحب شنوار۔ (۸) حاجی اسماعیل صاحب ہرائی۔ (۹) قاضی عطا محمد خاں صاحب (۱۰) معین صاحب داخلہ۔ (۱۱) معین صاحب شورائے۔

آخری دونوں اصحاب سے شاید میں صدر اعظم صاحب کے ہاں ملا ہوں مگر ٹھیک نہیں کہہ سکتا۔ مجھ کو تو صاحب بیعت وارشاد فقراء کی تلاش تھی۔ جس شہر میں عوام کا اعتقاد اتنا زیادہ ہو کہ جب کبھی بازار میں پیدل نکلتا تھا۔ سیکڑوں آدمی ہاتھوں اور پاؤں اور لباس کو بوسہ دینے کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ مصری و نمک وغیرہ پر دم کراتے تھے۔ جگہ جگہ یک دُعا بکن (ایک دعا کیجئے) کی درخواست کرتے تھے۔ وہاں

کسی بڑے خانقاہ نشین بزرگ کا نہ ہونا حیرت انگیز ہے میں چاہتا ہوں کہ چشتیہ خاندان کے کوئی بزرگ یہاں آکر رہیں کہ اس ملک میں چشتیوں کی کمی ہے۔ قادری اور نقشبندی تو بہت ہیں۔

مسجدیں کابل کی چند بڑی مسجدوں کے نام۔

(۱) مسجد پل خشتی (۲) مسجد باغبان باشی محلہ دہ افغاناں (۳) مسجد جامعہ سیرائے۔ محلہ دہ افغاناں (۴) مسجد رسالہ شاہی اول (۵) مسجد معالیج خاں (۶) مسجد گزرگدری۔ (۷) مسجد علیا شور بازار (عالمگیری مسجد) (۸) مسجد ملا محمود شور بازار (۹) مسجد عاشقاں عارفاں (۱۰) تکیہ مسجد سید صرتعنے چنداول (۱۱) مسجد چوب فروشی۔ (۱۲) مسجد رنگا۔ دہ افغاناں۔ (۱۳) تکیہ ہمت یار خاں چنداول۔ (۱۴) مسجد حاجی شاہ بیگ نوآباد دہ افغاناں (۱۵) مسجد سیاں شیخ احمد (۱۶) مسجد حاجی عزت اللہ باغ علی مرداں (۱۷) گزر شور بازار (۱۸) مسجد شاہ دو شمشیرا (صحابہ رض کے زمانہ کی قدیمی مسجد) (۱۹) مسجد مجنوں شاہ (۲۰) مسجد سید مہدی شور بازار (۲۱) مسجد رسالہ شاہی دوم (۲۲) مسجد میر حاجی صاحب بارانہ۔ (۲۳) گزر حاجی فیض اللہ (۲۴) مسجد شہر آرا۔

مقبرۂ تیمور شاہ دریائے کابل کے کنارہ باغ عوام کے قریب امیر تیمور شاہ کا مقبرہ ہے۔ تیمور شاہ احمد ابدالی کے لڑکے اور جانشین تھے۔ ان کے مقبرہ کا گنبد دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دہلی میں عبدالرحیم خانخاناں کا مقبرہ اُجاڑ نظر آتا ہے۔ شاہ شجاع کی قبر بھی اسکے اندر ہے۔

باغ عوام میں شام کے وقت بہت لوگ سیر و تفریح کے لئے آتے ہیں۔ رونق بڑھ رہی ہے۔ حکومت اس قسم کے مناظر کو ترقی دے رہی ہے۔

عیدگاہ جشن کے میدان کے سامنے سڑک کے برابر عیدگاہ بھی بہت شاندار ہے جہاں سے قلعہ بالاحصار کا منظر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔

انجمن ادبی کے بقیہ ممبر کل یا پرسوں انجمن ادبی کے چند ممبروں کے نام لکھے تھے۔ آج چند نام اور معلوم ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ انجمن مجھ کو آگے جاکر بڑے بڑے کام کرتی معلوم ہوتی ہے اس لئے اسکے بقیہ ممبروں کے نام بھی لکھتا ہوں۔

محمد کریم خاں قاضی زادہ۔ محمد بشیر خاں منشی زادہ۔ ملا عبدالغنی خاں مستغنی۔ عبدالباقی خاں لطیفی سرکاتب۔ حافظ محمد اکبر خاں حافظ۔ محمد سرور خاں پویا کاتب۔

روانگی کے وقت مولانا محمد بشیر صاحب بہت سویرے ملنے تشریف لائے۔ ان کی ملاقاتوں سے مجھے قرآن شریف پر غور کرنے کا بہت اچھا راستہ ملا۔ بہت صادق اور پُرجوش مسلمان ہیں۔

سفارت خانہ برطانی سے سید متقی صاحب جالندھری

وزیر صاحب حربی مع افسران فوج
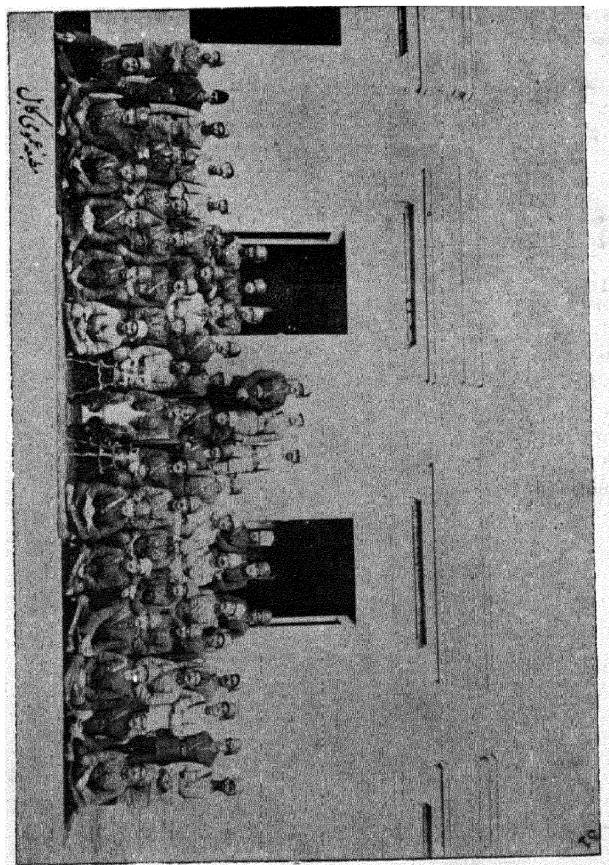
بھی اعمال حزب البحر کی اجازت کے لئے آئے تھے۔

میں نے ناشتہ کیا۔ موٹر میں اسباب رکھوایا۔ اور ساڑھے آٹھ بجے صبح روانہ ہوا۔

دہلی اور کابل کا وقت میری گھڑی میں دہلی کا وقت ہے اور ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔ کابل میں پونے آٹھ بجے ہیں۔ کابل اور دہلی کے وقت میں پون گھنٹہ کا فرق ہے۔

ایک شہید کی قبر کا دلچسپ کتبہ کابل میں سرراہ ایک شہید کی قبر پر سرخ رنگ سے یہ شعر لکھا ہوا ہے اور اتنا جلی ہے کہ ہر شخص راستہ چلتے اسکو پڑھ سکتا ہے ؎

ما شہید ستم تیغ فرنگی شدہ ایم
مست دیدار خدائیم بہشتی شدہ ایم

کہتے ہیں کسی نے کہا شعر میں سکتہ ہے۔ افغان نے جواب دیا۔ مست دیدار کو شاعری کا سکتہ دیکھنے کا خیال کیونکر آسکتا تھا۔

جو لوگ افغانستان کی حکومت کو انگریزوں کی حکومت کا حلقہ بگوش کہتے ہیں وہ منظر عام کے اس شعر کو دیکھیں۔ انگریزوں کا اثر ہوتا تو کیا وہ اس شعر کو راستہ میں قائم رہنے دیتے؟۔

غزنی کا راستہ دار الامان باغ کے قریب غزنی و قندہار کی سڑک گئی ہے۔ راستہ اچھا ہے۔ غزنی تک تمام سڑک صاف بے خطر اور ہموار ہے۔ اعلیٰحضرت کے حکم سے وہ خاصہ کی شاہی موٹر جو کابل میں میری سواری میں رہتی تھی اس سفر کے لئے دی گئی ہے جو چمن تک ساتھ رہے گی۔ سید مومن بھی حکم شاہی کے بموجب میری رفاقت میں رہینگے۔

ایک عجیب اصلاح ڈکہ اور ملہ میں دیکھا تھا کہ جب میں نے نوکروں کو انعام دینا چاہا تو انہوں نے انکار کیا۔ اور اب کابل میں بھی دیکھا کہ جب قیامگاہ سے رخصت ہونے لگا تو خدمتگاروں کو انعام دینا چاہا مگر کسی نے قبول نہ کیا۔

یہ بات معمولی نہیں ہے بلکہ بہت بڑی ہے۔ یورپ والے بھی ٹپ مانگتے ہیں اور ہندوستان میں بھی ہر جگہ بخشش اور انعام کی خواستگاری ہوتی ہے۔ افغانستان ایک غریب ملک ہے جاہل ملک ہے۔ اور بدنام ملک بھی ہے مگر یہاں نہ بھیک مانگنے والے فقیر زیادہ ہیں نہ انعام مانگنے والے نوکر۔ غازی نادر شاہ نے رشوت ستانی کا انتظام بہت عمدہ کیا ہے۔ اب رشوت خواری کے سب راستے بند ہوگئے ہیں یہاں تک کہ نوکر بھی انعام کو رشوت کے تحت میں خیال کرکے اس سے گریز کرتے ہیں۔

میں کابل سے غزنی جا رہا ہوں اور کابل کا یہ وصف مجھ کو حیران کر رہا ہے کہ ایک آدمی نے اس ملک پر کیا جادو کر دیا کہ صدیوں کی عادت بدل گئی۔ حق یہ ہے کہ خلوص وصداقت میں بڑی قوت ہوتی ہے۔ اور یہ نادر شاہ کی دیانت کا ظہور ہے۔

کابل پر ایک آخری نظر

ہر تصور کی ایک تصویر ہوتی ہے۔ جب میں نے کابل کو نہ دیکھا تھا تو میرے ذہن میں اس شہر کی ایک تصویر موجود تھی۔ جب کابل کی خبریں سنتا تھا اور پڑھتا تھا تو تصور کی تصویر ذہن میں آجاتی تھی۔ کابل کو دیکھ لیا تو تصور کی تصویر غائب ہو گئی اب اصلی صورت لوح قلب پر یا آنکھ کے پلیٹ میں جم گئی۔

موٹر کابل شہر سے باہر نکلنے لگی تو میں نے اس تاریخی شہر کو مڑ مڑ کر دیکھا اور کہا۔ سلام۔ سلام۔ رخصت۔ رخصت۔ اے ہندوؤں اور مسلمانوں کے قدیمی شہر۔ اے کوہستان کے اونچے اونچے پہاڑو! تم نے اس زمین پر بہت سے انقلاب دیکھے اور تم کو دنیا کی متعدد نامور قوموں نے دیکھا اور پامال کیا۔ اگر میں کوئی ایسا آلہ ایجاد کر سکتا جو گزشتہ زمانہ کی نگاہوں کو پہاڑوں کے پلیٹ سے جدا کر لیتا تو میں ایران کے بڑے بڑے شہنشاہوں اور سپہ سالاروں اور فوجی جرنیلوں کی نظروں کو دیکھتا جو یہاں آئے اور یہاں سے فاتحانہ ہندوستان میں چلے گئے۔ میں زابل اور کابل کے مشہور پہلوان رستم کی خیرہ کن نظروں کو بھی دیکھتا جو سیستان کا ایک معمولی پہلوان تھا اور جس کو فردوسی نے اپنی شاعرانہ قوت سے شاہنامہ کا ہیرو بنا دیا تھا۔ میں یونان کے سکندر اور اس کے جرنیلوں کو بھی دیکھتا جو دارائے ایران کو مغلوب کر کے ہندوستان پر چڑھا تاکہ ان راجاؤں سے خراج لے جو ایران کے باجگزار تھے اور بعد میں خود سر ہو گئے تھے۔

اے کابل! میں تجھ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

اے کابل! میں تجھ کو مدت سے یاد کر رہا تھا۔

اے کابل! میری نسلیں جب میری تحریر پڑھینگی تو اُن کو تیرے ساتھ ایک محبت ہو جائے گی۔ مگر آج وہ جانتی بھی نہیں کہ ان کا تجھ سے کیا تعلق رہا ہے کیونکہ وہ یورپ کی ایک قوم کی محکوم ہیں جو اُنکو اپنی تاریخ پڑھاتی ہے۔ اپنے ملک کا جغرافیہ پڑھاتی ہے اور اُن کو اُن کی شاندار تاریخ پوری نہیں پڑھاتی۔

میں آج تجھ سے جدا ہوتا ہوں اور تیرے بلند

افغانستان کے مجاهدین کی ایک جماعت اور شاه ولی خان صاحب
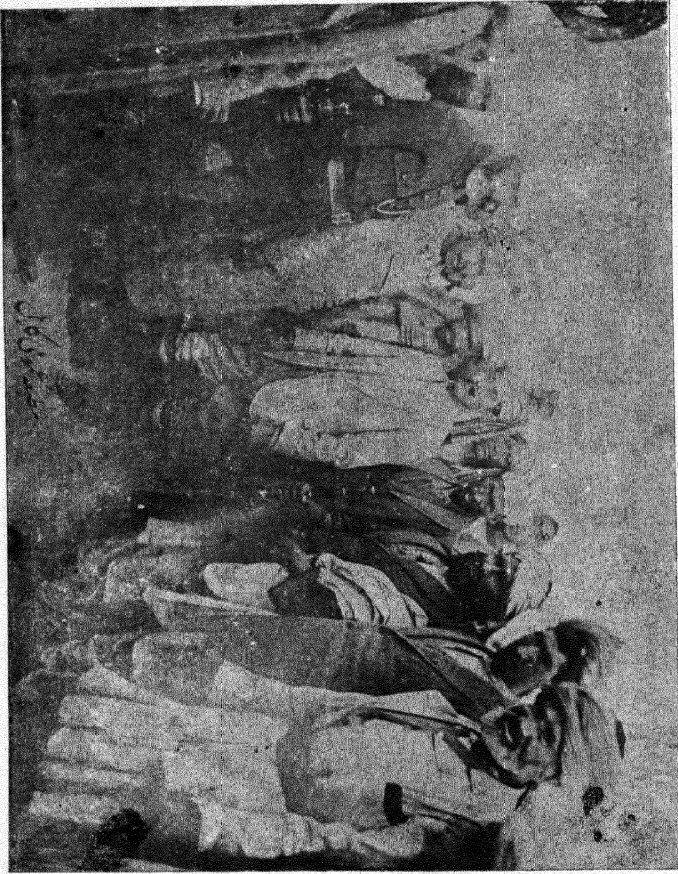
پہاڑوں کی چوٹیوں پر جب ہندوؤں کے زمانہ کی اس بڑی دیوار کو دیکھتا ہوں جو اصحابؓ رسول اللہؐ کی فوجوں کو روکنے کے لئے بنائی گئی تھی اور جو آج تک قائم ہے تو مجھ کو ہندو قوم کے جذبہ حفاظت کا زمانہ یاد آتا ہے اور یہ بھی کہ اصحابؓ رسول اللہؐ ایسے مسلمان تھے جنکی یورش کو یہ سدّ سکندری نہ روک سکی اور انہوں نے باوجود اس روک کے کابل کو فتح کر لیا۔ تجھ پر سلام۔ اور تیرے اسلاف و اخلاف پر سلام۔

ہزار لیلےٰ در دشت غزنی

کابل سے غزنی تک سڑک بہت اچھی ہے اور اسکو سڑک کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ پشاور سے کابل تک جو راستہ ہے اسکو سڑک کہنا نہ کنز و ہدایہ کی رو سے۔ نہ سالکان طریقت کے فتوے سے بلکہ عالم ماتریات پر نظر رکھنے والے انسانوں کے خیال سے ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ یہ راستہ تو سڑک کا ایک بہت بُرا خواب ہے۔ البتہ جب کابل سے غزنی جاتے ہیں تو راستہ صاف ہے۔ نشیب و فراز بھی نہیں ہے کوہستانی موڑ توڑ بھی نہیں ہے۔

اس راستہ کے آس پاس دور تک میدان ہے۔ پہاڑ بھی ہیں لیکن سڑک سے فاصلہ پر۔

ان میدانوں میں بعض مقامات پر خانہ بدوش قبائل کے قافلے نظر آتے ہیں۔ کمبل کے خیمے تان رکھے ہیں ان کے سامنے دُنبے اور اونٹ اور گدھے چر رہے ہیں۔ بچے کچھ سڑک کے کنارہ کھڑے سیر دیکھتے ہیں کچھ گدھوں کو چرا رہے ہیں۔ کچھ دُنبوں کے ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ کچھ ماموں اونٹ کو ستا رہے ہیں۔ عورتیں بھی لمبی لمبی پشوازیں سی پہنے ہوئے خیموں میں کام کرتی نظر آتی ہیں۔ ہمارے ملک میں سراؤں کی بھٹیاریاں اور تیلنیں جس قسم کے جامے پہنتی ہیں اسی کے مشابہ ان عورتوں کا لباس ہے مگر گھیر زیادہ نہیں ہوتا۔ سر کے بالوں کی مینڈھیاں گندھی ہوئی بال کندھوں پر پڑے ہوئے۔ پیشانی اور رخسارں پر گودنے کے نشان۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ سرخ و سفید چہرے۔ مضبوط جسم مگر پنجاب کی عورتوں کی طرح جسم موٹے اور بھاری نہیں ہیں۔ جنگل میں رہنے اور محنت کی زندگی بسر کرنے سے نہایت سڈول اور خوبصورت جسم معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے کہا۔ اگر مجنوں کو معلوم ہو جاتا کہ کابل سے غزنی تک ہزاروں لیلائیں آباد ہیں تو وہ ایک لیلےٰ کا زلف پرست نہ بنتا۔ ان قبائل کے نوجوان لڑکے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے۔ کانوں کے پاس چھوٹی چھوٹی زلفیں

لٹکائے راگیروں کا تماشہ دیکھتے نظر آتے ہیں۔ کابل میں یہ تندرستیاں کہیں نظر نہ آتی تھیں۔ وہاں جسکو دیکھا چہرہ زرد۔ آنکھوں میں حلقے جسم ناتواں۔ یہاں جس کو دیکھتا ہوں خوب گورا رنگ جس پر خون کی سُرخی ایسی جیسے سفید سیپ پر لال رنگ۔ ان بچوں کی آنکھوں میں حُسن بھی ہے اور چمک بھی اور شوخی بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے ایاز اور دوسرے خوبصورت لڑکوں کو قدرت نے ان جنگلوں میں اب تک بچا رکھا ہے۔

یورپ والے کہتے ہیں "تاریخ اعادہ کرتی ہے اور مصر والے اپنے مُردوں کو مصالحہ لگا کر قائم رکھنا جانتے تھے۔ ان کی لاشوں کو میں نے دیکھا۔ چار چار اور پانچ پانچ ہزار برس کی تھیں مگر سر کے اور بھنوؤں کے بال اور ناخن تک موجود تھے۔ دشت غزنی میں قدرت نے سلطان محمود غزنوی کے زمانہ والوں کو دوبارہ پیدا کر دیا تو تعجب نہیں۔

یہاں موٹر کو تیز رفتار کہتے ہیں اور لاری کو موٹر کلاں اس لحاظ سے کہنا چاہیئے کہ جب میری تیز رفتار غزنی کے راستہ پر دوڑ رہی تھی تو میں نے جگہ جگہ قدرت کے بنائے ہوئے بُت دیکھے۔ یعنی حسین عورتیں اور حسین بچے۔ آزادی کی زندگی جنگل کی ہوا اور بے فکری۔ یہ تین چیزیں ہیں جن سے انسان کے اندر تندرستی اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ شاعری ان جنگلوں میں نہیں آسکتی ورنہ وہ حُسن وجمال کے ان باغوں میں بھی خزاں پیدا کر دیتی۔ کیونکہ شاعر لوگ بظاہر حُسن انسانی کے مداح ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان کی شاعری سے انسان کے اندر حُسن وجمال کو غلط طریقہ سے استعمال کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے نسلوں کا حُسن اور تندرستی برباد ہوجاتی ہے۔

کشش دو بدو او خندید

تیز رفتار جا رہی تھی کہ موٹر کے دائیں طرف کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لالہ رُخ پر جمال جاپان کے گلابی ریشم کا جامہ پہنے۔ کندھے پر میوہ سے بھری ہوئی مشک اُٹھائے اور دونوں ہاتھوں سے اس مشک کو سنبھالے موٹر کی رفتار کو صحرائی استعجاب سے دیکھ رہی ہے۔ آنکھیں ایسی جیسے موتیوں کا چُورا یا ہیروں کا ڈھیر کہ ان کی کرنیں دیکھنے والوں کی نظروں میں خیرگی پیدا کرتی تھیں پلکوں اور بھوؤں کی سیاہی سترالعرش، اور سنگ اسود اور کوہ طور سے زیادہ سیاہ۔ رخسار ایسے شفاف اور گلابی کہ چین اور جاپان اور فرانس کے ریشمی کپڑے ان کو دیکھ کر شرما جائیں اور خود

افسران فوج افغانستان
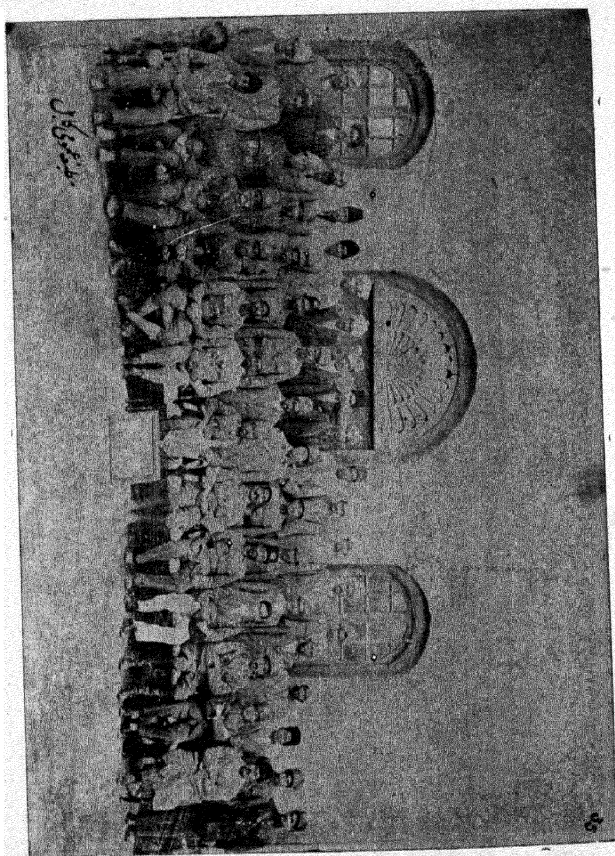
اپنے خلاف بائیکاٹ کا فتوٰے لگائیں - قدشاعروں کے سرو سے چھوٹا اور بدنما پست قامتی سے بڑا - شباب کی بجلیاں اس کے وجود میں جنبش پیدا کر رہی تھیں - اور وہ بے اختیارانہ مشک کو کندھوں پر رکھے جھوم رہی تھی - اور لہرا رہی تھی - موٹر برابر سے گزری تو قبیلہ کا ایک بڑا خوفناک کُتا - بھورا رنگ ، کالا منھ ، ایک ایک انچ لمبے کھڑے ہوئے بال ، بڑی خوفناک اور گرجدار آواز سے بھونکا اور موٹر کی طرف دوڑا - اس کے غصّہ اور اس کے حملہ کو دیکھ کر دشت کی لالہ رُخ مسکرائی اور اس نے اپنے قدرعنا کو جنبش دی اور دور تک کُتّے کی دوڑ کو ہنس ہنس کر دیکھتی رہی - میرے منھ سے بے اختیار نکلا "سگش دوید و او خندید" (اس کا کُتّا دوڑا اور وہ ہنسی)

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ جب

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ خَیْرًا اَجْمَعَهُمْ عَلٰی خَیْرِهِمْ

اللہ تعالٰے کسی قوم کی بہتری کا ارادہ فرماتا ہے تو اس قوم کو اس کی بہتری کے اسباب پر جمع کر دیتا ہے - تو کیا دشت و صحرا کی رہنے والی ان مسلمان قوموں پر ان افغان قوموں پر خدا کی مہربانی ہو گی؟ اور خدا ان کی بہتری کا ارادہ کرے گا؟ اور انکو کسی ایسے سبب پر جمع کر دیگا جو انکی ترقی و بہتری کا موجب ہو -

میں دشت کی اس لالہ رُخ اور لیلےٰ اور شیریں کو دیکھتا ہوں تو بڑے بڑے شعرا کی ارواح کو اور بڑے بڑے مصوروں کی روحوں کو بھی دیکھتا ہوں کہ وہ سب اس منظر کے لئے اشعار سوچ رہے ہیں - اور یورپ کی فلم کمپنیوں کو بھی دیکھتا ہوں کہ ان کے نمایندے تصویر اتارنے کے کیمرے لئے آس پاس کھڑے ہیں اور اس کے تبسّم کی تصویریں کھینچ رہے ہیں - مگر میں ان سب قدیم و جدید شعرا و مصوّرین سے کہہ رہا ہوں - ہٹ جاؤ - یہاں سے دور ہٹ جاؤ - تمہاری شاعری اور تمہاری مصوّری نے نوجوانوں کے اخلاق پست کر دیئے - انکو عشق کے افسردہ کرنے والے گرم حمام میں بند کر دیا - ان کے اعلےٰ دماغی و ذہنی جذبات کو مادّی ترقیوں کے قابل نہ رکھا - ہٹو ہٹو - میں اپنی قوم کے ان آزاد قبائل کو خدا کی طرف اور خدا کی زمین کی ترقیوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ میری سعی خدا کو پسند آئے اور خدا کے ارادہ میں حرکت ہو اور اس حرکت کی برکت سے یہ لوگ سبب خیر پر جمع ہو جائیں -

ارے او کابل والے نادرشاہ! مجھ کو تو وہ سبب خیر بس تو معلوم ہوتا ہے جس پر یہ صحرائی قبائل جمع ہوں گے اور تیرے ذریعہ سے ان کے اندر وہ حیات

عطا نے پیدا ہوئی جو عرب کے بادیہ نشین قبیلوں میں مکہ مدینہ کے تاجدار کی قوت معنوی سے پیدا ہوگئی تھی کیونکہ تو سلطان عرب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حقیقی پیرو اور معتقد ہے اور خدا نے تجکو ایسا عبد بنایا ہے جو عباداللہ الصالحین کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

کوہ بچہ راستہ میں اونچے اونچے پہاڑ آتے اور انکے دامن میں کوئی چھوٹی سی پہاڑی ہوتی تو سید مومن کہتے یہ کوہ بچہ ہے۔ افغان لوگ چھوٹی پہاڑیوں کو پہاڑ کا بچہ کہتے ہیں۔

بوائے کا ترجمہ افغانستان میں یورپ کے بوائے کا ترجمہ بڑے دلچسپ انداز سے کیا جاتا ہے۔ کلکتہ میں ایک دوست کے ہاں ٹھہرا۔ ان کی معاشرت انگریزی تھی۔ انہوں نے اپنے نوکر کو بوائے کہہ کر آواز دی۔ لفظ بوائے کے لغوی معنی بچہ کے ہیں۔ میں سمجھا کوئی دس بارہ سال کا بچہ اُچھلتا کودتا سامنے آئیگا۔ مگر دیکھا کہ ستر برس کا ایک بڈھا۔ لمبی سفید ڈاڑھی دمہ کا عارضہ کھانستا ہوا چلا آتا ہے۔ میں نے ہنسکر پوچھا۔ آپ نے اسی کو بوائے کہکر آواز دی تھی؟ بولے۔ جی ہاں! میں نے کہا۔ خدا آپ کو جیتا رکھے خوب اولڈ بوائے پائے ہیں۔

یہی حال افغانستان میں ہے۔ افغان لوگ اپنے نوکروں کو "اُوبچہ" کہکر پکارتے ہیں اور وہ بچہ کبھی سولہ سترہ برس سے کم نہیں ہوتا اور زیادتی کی تو کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ میں نے پچاس ساٹھ، ستر برس تک کی عمر کے بچے یہاں دیکھے۔ اوبچہ کی اصطلاح ایسی عام ہے کہ بڑے بڑے عہدہ دار اپنے ان ماتحتوں کو جنکی حیثیت سو دوسو روپے ماہوار پانے کی ہے اوبچہ کے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ پھر اگر چھوٹے پہاڑوں کو یہ لوگ کوہ بچہ کہیں تو تعجب نہ کرنا چاہیے۔

سفید کوہ بچہ راستہ میں ایک سفید رنگ کی پہاڑی نظر آئی۔ یہاں کے سب پہاڑ بھورے رنگ کے ہیں۔ ان پر گھاس اور درخت نہیں ہیں۔ اسواسطے یہ سفید کوہ بچہ مجھ کو بہت عجیب معلوم ہوا۔ ممکن ہے اس کے اندر سنگ مرمر ہو اور ممکن ہے کہ کوئی اور سفید پتھر ہو۔

ایک عجیب ہاں ہاں اور نہیں دو لفظ ہیں۔ عربی میں لا اور نعم۔ انگریزی میں یَس اور نو۔ غرض اسی طرح ہر زبان میں مختلف الفاظ ہاں اور نہیں کے لئے بولے جاتے ہیں۔ مگر افغانستان میں ایک "ہاں" عجیب قسم کی ہے جسکے لئے دنیا کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ یعنی اس ہاں کے واسطے کسی لفظ اور حرف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ افغان کو جب ہاں کرنی ہوتی ہے تو وہ بہت زور سے اندر کا سانس لیتا ہے اور

بچہ سقہ کی شاہانہ تقریر

بچہ سقہ اپنی ڈھائی دن کی بادشاہی کے زمانہ مین افسران دربار و فوج کے ساتھہ
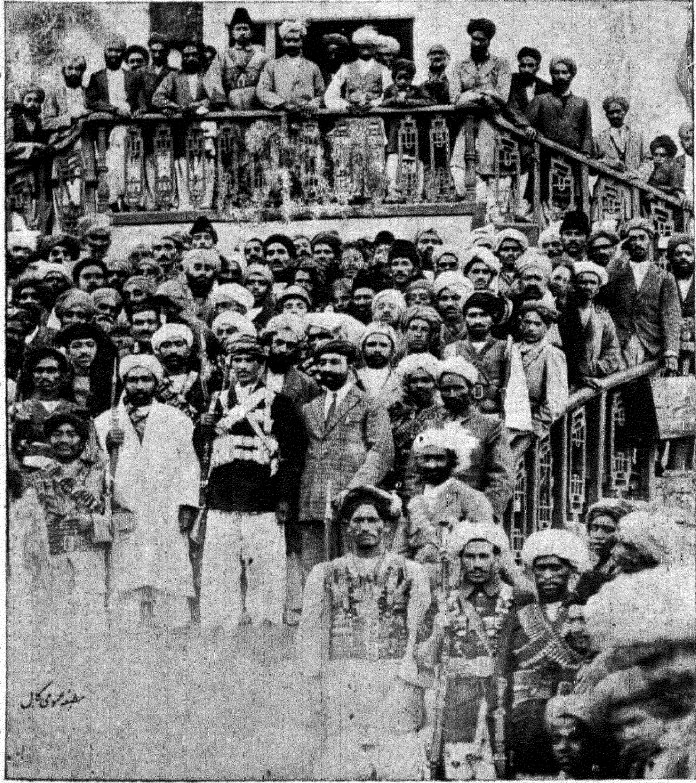
سُننے والا سمجھ لیتا ہے کہ افغان ہاں کہہ رہا ہے۔ کابل میں اس قسم کی ہاں ہر چھوٹے بڑے افغان سے سُنی تھی۔ اب غزنی کے راستہ میں سید مومن سے باتیں کرتا ہوں اور وہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر ہاں کہتے جاتے ہیں۔ اب اگر چاہوں کہ افغانوں کی اس ہاں کو الفاظ میں ادا کروں تو بالکل ناممکن ہے۔

غزنی قریب آئی اور میں نے سید مومن سے پوچھا۔ کیا وہ سامنے غزنی کا قلعہ معلوم ہوتا ہے۔ سید مومن نے زور سے اندر کا سانس لیا۔ مجھے ہنسی آگئی۔ یا اللہ یہ سانس اندر جاتا ہے اور باہر کی خبر ملتی ہے کہ ہاں یہ غزنی کا قلعہ ہے۔

زبان حال کا نعرہ جوں ہی میں نے سنا کہ غزنی کا قلعہ یہی ہے۔ زبان حال نے ایک بہت بڑا نعرہ لگایا۔ سلطان محمود زندہ باد، غزنی زندہ باد، افغانستان زندہ باد۔ آخر خدا نے میرا شوق پورا کر دیا اور میں غزنی کے دامن میں آگیا۔ پینتالیس برس سے جس مقام کے خواب دیکھتا تھا اور ہر وقت اپنے تصور میں غزنی کی نئی نئی شکلیں بناتا تھا۔ آج اس کے قلعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مگر یہ قلعہ سلطان محمود غزنوی کا نہیں ہے۔ بعد کا بنا ہوا ہے۔ سلطان کے زمانہ کی سب عمارتیں علاء الدین جہاں سوز بادشاہ غوری نے جلا کر خاک کر دی تھیں۔ مبالغہ کرنے والے کہتے ہیں۔ غزنی شہر اتنا بڑا تھا کہ چھتیس لاکھ گھر اس شہر میں تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ سب گھر کابل کی طرح کچے ہونگے۔ پختہ عمارتیں ہوتیں تو ان کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر کچھ تو باقی رہتے۔ مگر یہاں تو سوائے ٹیلوں کے یا ایک قلعہ کے یا چھوٹی سی آبادی کے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔

حاکم غزنی کا دفتر موٹر غزنی کے بازار سے گزری۔ دیکھا کہ نہایت افسردہ بازار ہے۔ کہیں میوہ بک رہا ہے۔ کہیں لمبی چوڑی روٹیاں۔ کہیں کپڑا۔ اور کہیں اور انسانی ضرورتوں کا سامان۔ پہلے حاکم غزنی کے دفتر میں موٹر گئی۔ سپاہی ٹہل رہے تھے۔ کندھے پر بندوق اس میں سنگین لگی ہوئی مگر سر کے اوپر ایک کالا گنبد۔ ایک فٹ اونچا۔ ایک فٹ چوڑا جس میں کئی انچ لمبی کالی اُون۔ تصویروں میں نپولین کے سپاہیوں کے سر پر یہ ٹوپی دیکھی تھی۔ بھیڑ کی پوری ایک کھال سے یہ ایک ٹوپی بنتی ہے۔ چونکہ یہاں برف بہت پڑتی ہے اسواسطے سپاہی ایسی گرم ٹوپیاں اوڑھتے ہیں ان ٹوپیوں کے اوڑھنے سے چہرہ بھی خوفناک بنجاتا ہے لیکن وہ لوگ کیا ڈرتے ہوں گے جو رات دن یہ ٹوپیاں دیکھتے ہیں۔

موٹر سے اُتر کر دفتر کے اندر گیا۔ حاکم صاحب کو بخار تھا لیکن وہ اُسی حالت میں بیٹھے کام کر رہے تھے۔

ہال میں اور بھی بہت سی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر مختلف قبائل کے بڑے بڑے خان اور ملک بیٹھے ہوئے تھے۔ لمبی لمبی ڈاڑھیاں۔ ڈھیلے ڈھالے لباس۔ کارتوسوں کی پیٹیاں گلے میں پڑی ہوئی۔ ہاتھوں میں بندوقیں لئے ہوئے۔ یہ لوگ آج ہی مہمان آئے ہیں۔ حاکم صاحب نے بہت اخلاق سے میرا خیر مقدم کیا اور کہا۔ وزیر صاحب خارجہ کا کابل سے ٹیلیفون آیا تھا۔ آپ کی مدارات کی تاکید کی تھی اور آپ کے لئے اعلیٰحضرت کا ایک پیغام بھی بھیجا تھا۔ چند باتیں کرکے اور اعلیٰحضرت کا پیام سنا کر حاکم صاحب نے اپنے نوکر سے کہا "او بچہ برو۔ نان شان تیار کن"۔ میں نے کہا مجھے فوراً غزنی کے مزارات پر جانا ہے۔ کابل میں سنا تھا کوئی بابا یہاں رہتے ہیں اور وہ مزارات سے خوب واقف ہیں۔ حاکم نے جواب دیا "بلے فہمیدم آں را بابا قربان می گویند"۔ اس کے بعد نوکر سے کہا "او بچہ بابا قربان راہم پیدا کن"۔ (بابا قربان کو بھی کہیں تلاش کرنا)

قیامگاہ پر آیا۔ بہت اچھی جگہ تھی۔ قالین بچھے ہوئے تھے مگر میں پانچ گھنٹہ کے مسلسل سفر سے بہت تھک گیا تھا۔ نزلہ دہلی سے شروع ہوا تھا۔ ابتک موجود ہے۔ چھینکیں برابر آتی رہتی ہیں۔ ناک پونچھتے پونچھتے نتھنوں پر زخم پڑ گئے ہیں۔ یہاں سردی کابل سے بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے دم بخود ہو کر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا ایک سو گرین کونین کھالی ہے۔ کانوں میں آوازیں آرہی تھیں جسم کی افسردگی سے جی نڈھال ہوا جاتا تھا۔

غزنی کے دروازہ کا پہلا ملاقاتی

جب موٹر حاکم کے دفتر سے غزنی کے قلعہ میں آنے لگی تو چونکہ دروازہ بہت اونچا تھا اس لئے موٹر مشکل سے ڈھلان جگہ پر چڑھی۔ میں موٹر سے اُتر کر پیدل دروازہ میں داخل ہوا۔ سرخ پگڑی باندھے ایک ہندو دروازہ میں کھڑا تھا۔ غزنی کا دروازہ اور ہندو۔ عجیب اتفاق تھا۔ اس ہندو نے اُردو زبان میں کہا۔ موٹر یہاں کیوں لائے ہو راستہ خراب ہے۔ دروازہ تنگ ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کے مشورہ کا شکریہ۔ مگر یہ لوگ اپنی رائے پر چلتے ہیں۔ آزاد قوم ہیں۔ ہم تم ان کی طرح آزاد نہیں ہیں۔ یہ فقرہ سنکر ہندو نے تبسم کیا اور میرا وطن دریافت کیا۔ پھر تو میری اس کی خوب باتیں ہوئیں۔

میں نے کہا۔ تم یہاں کب سے ہو؟ اور کیا کرتے ہو؟ جواب دیا۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں جو ہندو یہاں آئے تھے ہم انہی کی اولاد ہیں۔ کچھ تجارت کرتے ہیں۔ بعض کے پاس باغ ہیں۔ زمینیں ہیں۔ بعض سرکاری دفتروں میں نوکر ہیں اور سب خوش ہیں۔ کوئی تنگدست اور بے معاش نہیں ہے۔ میں نے کہا۔

بچہ سقہ گرفتاری کے بعد

حکومت کی طرف سے کوئی خاص پابندی تو نہیں ہے؟ کہا۔ کچھ پابندی نہیں ہے بلکہ مسلمان رعایا سے زیادہ ہماری راحت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ پہچان کے لئے زرد یا سُرخ پگڑی ضرور باندھتے ہیں۔

وطن یاد آتا ہے

میں نے کہا۔ تم کو کبھی اپنا وطن ہندوستان بھی یاد آتا ہے؟ غمزدہ لہجہ میں کہا۔ اب یاد کرنے سے کیا فائدہ۔ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہمارے بڑے کہاں سے آئے تھے۔ اس کے علاوہ اب ہم آزاد ہیں۔ چمن، کوئٹہ۔ لاہور، پشاور، راولپنڈی تجارتی کاموں کے لئے جاتے ہیں پھر چلے آتے ہیں۔ اب تو ہم کو یہی اصلی وطن معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ اتنی صاف اُردو کہاں سیکھی؟ کہا ہندوستان جاتے ہیں وہاں سیکھی۔ میں نے کہا کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی وجہ سے وطن چھوڑنا پڑا۔ یہ سوال سُنکر اس کے چہرہ پر پھر غم کی ایک کیفیت نمودار ہوئی مگر جواب دیا۔ ہمیں کیا خبر ہمارے بڑے یہاں کیوں آئے۔ ممکن ہے نوکر ہو کر آئے ہوں۔

میں نے کہا۔ گاندھی جی کو جانتے ہو؟ جواب دیا۔ جانتا ہوں اور ان کو اپنا گرو سمجھتا ہوں اور جو لوگ ان کی ستیہ گرہ کو نہیں مانتے انکو ملک کا دوست نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا۔ اگر کبھی ہندو افغانستان پر حملہ کریں تو تم افغانوں کا ساتھ دو گے یا ہندوؤں کا؟ ہنسکر بولا۔ ہندو دیوانے نہیں ہیں جو وہ اس ملک پر حملہ کریں گے۔ انگریزوں نے حملے کئے اس ملک کو مغلوب کر لیا مگر چین سے نہ رہ سکے۔ آخر جانا پڑا۔ اس ملک کو لینا کچھ مشکل نہیں ہے مگر یہاں قائم رہنا ہر بادشاہ کے لئے محال ہے۔ کیونکہ ملک کا ہر شخص جنگ جُو ہے اور غیر کی حکومت کے خلاف مرجانا پسند کرتا ہے۔

اور اگر بالفرض ہندو پاگل ہو جائیں اور افغانستان پر حملہ کریں تو میں ملکی لڑائی میں افغانوں کا ساتھ دونگا اور دھرم کی لڑائی میں ہندوؤں کا ساتھ دوں گا۔

غزنوی ہندو کے جوابات سنکر میں نے خیال کیا کہ اس قوم میں ہر جگہ معقولیت پیدا ہوگئی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی رعایا ہونے کے سبب ایک اجنبی مسافر سے آزادانہ بات نہیں کرسکتا۔ لیکن اس کے جوابوں میں کوئی کمزوری نہیں تھی۔ اس کا یہ کہنا کہ دھرم کی لڑائی ہو تو وہ ہندوؤں کا ساتھ دے گا بالکل سچا اور آزادی کا جواب تھا اور میرے دل میں اس جواب کے سبب اسکی عزت بڑھ گئی۔

موٹر اندر آ گئی آخر موٹر اندر آ گئی۔ اور کھانے سے فارغ ہو کر جب ہم سب قلعہ غزنی سے باہر جانے لگے تو موٹر دروازہ میں پھنس گئی۔ ہر چند کوشش کی نہ نکل سکی۔ چاروں طرف بچے بوڑھے افغان جمع ہو گئے اور سب نے ڈرائیور کو مدد دی مگر کامیابی نہ ہوئی۔

یک بچہ خرسوار کہ ریش ہم داشتہ بود ڈرائیور باوجود سخت سردی کے محنت کرتے کرتے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اتنے میں ایک لمبی ڈاڑھی والا افغان گدھے پر سوار وہاں آیا اور دروازہ سے باہر جانے کی کوشش کرنے لگا۔ ڈرائیور نے کہا۔ او بچہ کجا میروی؟ مگر چشم نہ داری؟ (کہاں جاتا ہے۔ تجھ کو دکھائی نہیں دیتا کہ راستہ بند ہے؟) ڈاڑھی والے بچے نے کچھ پروا نہ کی اور جبراً اندر آنا چاہا۔ ڈرائیور شاہی موٹربان تھا۔ غصہ میں آگ ہو گیا اور باوجود دُبلا پتلا ہونے کے شیر کی طرح گدھے والے پر جھپٹا۔ اور پہلے ایک طمانچہ خرسوار کے رُخ سُرخ پر مارا۔ اور پھر دونوں ہاتھوں سے گدھے کو دھکا دیا۔ جناب حمار گرے اور بچہ خرسوار بھی گرا۔ حاضرین خوب ہنسے مگر مجھے تکلیف ہوئی اور میں نے سلطان جان کو منع کیا کہ کسی کو مارو نہیں۔

بچے ہر جگہ یکساں ہیں چند بچے بھی وہاں جمع تھے ایک چھوٹے بچہ نے ٹھنک کر کہا۔ "مارا می زند" (مجھے مارتا ہے) یہ شکایت ایک دوسرے بچہ سے کی تھی جو دس سال کا معلوم ہوتا تھا۔ اور جس کی شکایت کی تھی وہ بھی دس سالہ معلوم ہوتا تھا۔ شکایت کرنے والے کی عمر چار سال کی معلوم ہوتی تھی۔ حمایتی لڑکا مکا اٹھا کر بیچ میں آیا اور کہا۔ "کے می زند" (کون مارتا ہے) مارنے والے لڑکے نے ڈر کر کہا۔ "دروغ می گوید کسے نمی زند" (جھوٹا ہے کوئی نہیں مارتا۔)

میں نے خیال کیا ہندوستان میں بھی چھوٹے بچوں کی یہی فطرت ہوتی ہے۔ اور مجھے غزنوی بچوں کی اس جنگ میں بڑا لطف آیا۔

بابا قربان پیدا شدند موٹر دروازہ سے بڑی دشواری کے بعد نکلی تو میں نے کہا۔ "بابا قربان تاہنوز پیدا نہ شدند" (بابا قربان ابتک نہیں ملے) ہجوم میں ایک بڈھا آدمی آگے بڑھ کر بولا "دیر شد اینجا استادہ ام" (بہت دیر سے یہاں کھڑا ہوں) چھوٹا قد، لمبی سفید ڈاڑھی، مضبوط جسم، تیز چمکدار چھوٹی چھوٹی آنکھیں، دانت گھستے گھستے بہت چھوٹے چھوٹے رہ گئے ہیں۔ بابا کے چہرہ پر سُرخی اور تبسم کی ایک بڑی لہر تھی۔ میں نے کہا۔ خوش آمدی بابا قربان۔ دیر آمدی از راہ دور آمدی؟ (خوب آئے بابا قربان مگر دیر میں آئے شاید بہت دور سے آئے ہو؟)

بچہ سقہ اور اسکے سپہ سالار اور وزرا کی گرفتاری یہہ سب قتل کئے گئے

موٹر میں سوار ہوکر سلطان محمود غزنوی کے مقبرہ کی طرف چلے۔ بابا قربان نے بولنا شروع کیا مگر ان کا بولنا پہاڑی چشمہ کا پانی تھا کہ چوٹی سے چلا تو نیچے زمین تک ہزاروں پتھروں کو بہاتا چلا آیا۔ کہیں نہ رُکا۔ بابا قربان کے دانت موجود ہیں مگر بات سمجھ میں نہیں آتی۔ افغان تو سب ہی آدھے الفاظ ادا کرتے ہیں اور آدھے الفاظ سننے والا خود اپنی عادت سے سمجھ لیتا ہے۔ میروی کو میری کہتے ہیں۔ خوب کو خو کہکر چپ ہوجاتے ہیں۔ بابا قربان کی باتیں اس سے بھی زیادہ مشکل ہیں۔ ایک ایک بات کو کئی کئی دفعہ دریافت کرتا تھا۔ چھ گھنٹے بابا قربان دکیا کہا بابا قربان!) اور وہ زور دے دیکر دوبارہ سہ بارہ کہتے تھے مگر خاک سمجھ میں نہ آتا تھا۔

دو مینار راستہ میں پہلے دو مینار ملے۔ لکھوری اینٹ کے ہیں۔ عین سڑک پر واقع ہیں۔ کہا گیا سلطان محمود کے زمانہ کے ہیں۔ سلطان کی سواری روانہ ہوتی تھی تو ان میناروں پر نقارے بجائے جاتے تھے۔ ان کی آواز مثل پہاڑی نوبت خانہ نقارے بجاتا تھا۔ اس سے سارے شہر کو خبر ہوجاتی تھی۔

یہ مینار بیس پچیس گز اونچے ہونگے یا شاید کچھ زیادہ۔ ان دونوں کے بیچ میں ایک فرلانگ کا فاصلہ ہے مگر دور سے پاس پاس معلوم ہوتے ہیں۔

قدیمی غزنی کے ٹیلے میناروں کے پاس کھڑے ہوکر بابا قربان نے ایک بڑا میدان دکھایا جہاں بے شمار ٹیلے اور نشیب و فراز تھے۔ اور کہا کہ یہاں سلطان کے زمانہ میں غزنی کی بڑی اور خاص آبادی تھی۔ غزنی چالیس میل کا شہر تھا۔ جہاں بابا قربان کے بیان کے موافق ۳۶ لاکھ گھر تھے مگر علاؤالدین غوری جہاں سوز نے ملکی عناد کی بناء پر غزنی کو برباد کردیا۔ اور سارے شہر کو جلاکر نیست نابود کرڈالا۔ اور جب سے اس کا نام جہانسوز اور ہلاکو مشہور ہوگیا۔ چنانچہ یہاں بعض کتبوں میں بھی ہلاکو نام درج ہے

نظر حسرت بابا قربان کی یہ بات سنکر میرے کلیجہ میں ایک گھونسہ لگا۔ میں تو دلی سے یہ تمنا لیکر آیا تھا کہ سلطان کے قصر دیکھوں گا۔ اور جہاں سلطان کی جنگی کونسل ہوتی تھی اسکو دیکھوں گا۔ اور جہاں سلطان کا مشاعرہ ہوتا تھا اور جہاں فردوسی شاہنامہ لکھتا تھا۔ اور جہاں سلطان کے خوبصورت غلام کھڑے رہتے تھے۔ اور جہاں ایاز سے راز و نیاز ہوتے تھے۔ اور جہاں ہندوستان پر حملہ کرنے کے مشورے کئے جاتے تھے۔ اور جہاں ہندوستان کا مال غنیمت رکھا جاتا تھا۔ وہ سب دیکھکر انکی تصویریں اُتاروں گا۔ مگر یہاں تو ایک ہُو کا میدان ہے۔ کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ سوائے سلطان کے مقبرہ اور سلطان کے باپ سبکتگین کے مقبرہ کے اور کوئی عمارت باقی نہیں ہے

اور یہ مقبرے بھی امیر حبیب اللہ شہید نے درست کرائے ہیں۔

زبان حال کی آہ کا بیان آخر میرے اندر سے ایک آہ نکلی اور زبان حال نے کہا۔ اے غزنی! اے ہندوستان کے فاتح اعظم کے وطن! میں تجھ کو کہاں پکاروں۔ تو کہاں سوتا ہے۔ تو اتنی جلدی تھرو بابل کیونکر بن گیا۔ تیرے تاریخی نشانات کہاں مٹ گئے؟ مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ ٹیلے چپ چاپ مجھ کو دیکھتے رہے۔ کسی ذرۂ خاک سے کوئی صدا بلند نہ ہوئی۔

مقبرہ سلطان محمود موجودہ غزنی سے ڈیڑھ میل دور ہے۔ جاتے وقت مزار حضرت بہلول دانا رحؒ اور مقبرہ سبکتگین راہ میں ملتا ہے۔ میں اس منظر کو دیکھتا ہوا پہلے مقبرہ سلطان میں گیا۔ مقبرہ آنے سے پہلے ایک مختصر سی آبادی آتی ہے۔ قبریں ملتی ہیں۔ پھر مقبرہ کی حد شروع ہوتی ہے۔

دروازہ کے قریب خون مقبرہ کا دروازہ آنے سے پہلے ایک تنگ اور خراب راستہ ملا۔ وہاں آبادی کے لوگ جانور ذبح کرتے ہیں۔ بہت سا تازہ خون پڑا تھا اور سخت بدبو آرہی تھی۔ میں کھڑا ہو گیا اور اس خون کو دیکھنے لگا۔ اگرچہ بدبو کے سبب وہاں کھڑا ہونا مشکل تھا۔ میرے دل پر خون کے نظارہ نے ایک عجیب اثر پیدا کیا۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے فرمایا تھا۔ ؎

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنس کر
مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

جس سلطان کی قبر پر جا رہا تھا اسکی خونریزی کے افسانوں نے دنیا کے اوراق تاریخ کو لالہ رخ بنا رکھا ہے۔ کوئی اس خونریزی کو اچھا کہتا ہے۔ کوئی برا کہتا ہے۔ مجھے اس بحث سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ محمود کی تلوار پر دولت وحکومت عاشق تھی اور وہ تلوار خون کی فریفتہ وشیفتہ تھی۔ مگر خون ناحق کی نہیں۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سلطان نے ہمیشہ حمایت حق وامن کے لئے اپنی شمشیر کو غلاف سے نکالا۔ کبھی ناحق خونریزی نہیں کی۔

آج اس کی قبر کے دروازہ پر جانوروں کا خون قربانیوں یا منت ونذر یا گوشت کھانے والوں کے لئے بہایا جاتا ہے لیکن صفائی کا خیال نہیں کیا جاتا کہ خون جمع ہونے سے یہاں کی ہوا خراب ہو جائیگی۔ حکومت کو اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

مسجد کا چبوترہ مذبح سے آگے بڑھ کر مسجد کا ایک چبوترہ آتا ہے جو سفید پتھروں سے بنایا گیا ہے معلوم ہوتا ہے ان پتھروں کے اندرونی رخ میں مورتیں ہونگی

دروازه قلعه غزنی
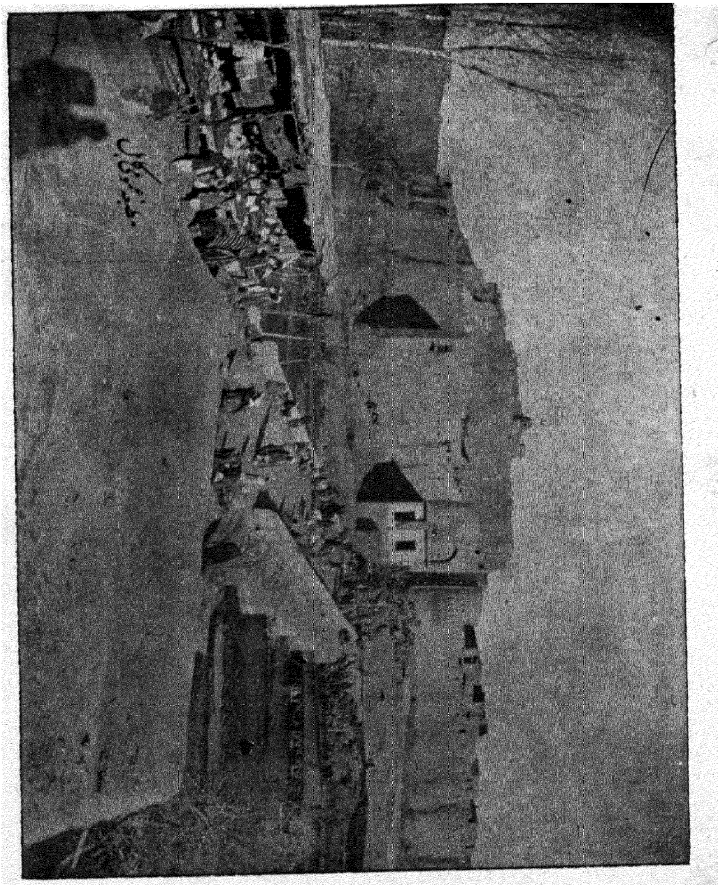
جنکو اوندھا کرکے مسجد کا فرش بنایا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے قریب ہی پہاڑی چشمہ سے پانی آتا ہے اور بدھ مذہب کا ایک بُت نالی میں لگایا گیا ہے جسکے منھ سے وہ پانی گرتا ہے اور نمازی لوگ اسی پانی سے وضو کرتے ہیں۔

مقبرہ کا بڑا دروازہ مسجد کے چبوترہ سے آگے بڑھکر مقبرہ کا بڑا دروازہ آتا ہے۔ یہاں بھی سنگ مرمر کے دو بُت بدھ مذہب کے جانور کے پڑے ہوئے ہیں اور دروازہ کے پہلو میں ایک پتھر بھی پڑا ہے جس کا کتبہ پڑھا نہیں جاتا۔ دروازہ کے اندر جاکر ایک لمبا چھتہ آتا ہے اور اسکو ختم کرنے کے وقت سفید پتھر کی دو سیڑھیاں ملتی ہیں۔ غالبًا یہ سیڑھیاں سومنات کی مورت کے ٹکڑوں سے بنی ہونگی جنکا ذکر تاریخوں میں بھی آیا ہے۔ لیکن یہ پتھر دبے ہوئے تھے۔ میں ان کے اندر کا رُخ نہیں دیکھ سکا۔

چھتہ ختم ہوا تو ایک باغ نظر آیا جس میں درخت ہیں مگر یہ باغ اچھی حالت میں نہیں ہے۔ یہاں بھی متعدد قبریں ہیں جن پر کتبے لگے ہوئے ہیں۔

اصل مقبرہ اس باغ کے وسط میں سلطان کے مقبرہ کا گنبد ہے۔ جو اچھی حالت میں ہے اس مقبرہ میں جو کواڑ لگے ہوئے ہیں وہ سومنات کے مندر کے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسی نمونہ کے کواڑ آگرہ کے قلعہ میں بھی رکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ جب انگریزوں نے کابل اور غزنی کو فتح کیا تھا تو سومنات کا دروازہ غزنی سے آگرہ میں لے آئے تھے۔ میں نے کابل و غزنی کے اکثر نوجوان افغانوں سے سنا کہ انکو غزنی کے اس دروازہ کا بہت رنج ہے۔ وہ کہتے ہیں انگریز ہماری فاتحانہ یادگار کو غزنی سے لے گئے اور ہماری بہادری پر ایک دھبا لگا دیا۔ ہم کو جب کبھی بھی موقع ملے گا اس دروازہ کو آگرہ سے لے آئیں گے۔

میرا خیال ہے۔ امیر حبیب اللہ خاں شہید نے جب مقبرہ سلطان محمود کی مرمت کرائی تو سومنات کے دروازہ کی نقل بنوا کر سلطان کے مقبرہ میں لگا دی ہوگی اور یہی وجہ دروازہ کے مشابہ ہونے کی ہے۔

مقبرہ کے اندر دیوار میں امیر حبیب اللہ خاں شہید کا ایک کتبہ لگا ہوا ہے جو سنگ مرمر پر ہے۔ پتھر دس بالشت لمبا اور پانچ بالشت چوڑا ہے۔ اس کتبہ میں مرمت و تعمیر کا تذکرہ ہے۔

سلطان کے مزار پر سیاہ رنگ کا غلاف چڑھا ہوا ہے اور افغانستان کے رواج کے موافق لکڑی کا ایک کٹہرہ لگا ہوا ہے جس پر عمدہ رنگ آمیزی کا کام ہے۔ مزار کا تعویذ اونٹ کے کوہان کی وضع کا ہے اور حدیث شریف سے ایسی ہی وضع کی قبر بنانے کا ثبوت ملتا ہے۔

میں نے غلاف ہٹا کر کتبے دیکھے اور فوٹو بھی لئے۔

شرقی رُخ عربی زبان میں ایک کتبہ ہے جسکے آخر میں
یوم الخمیس سبع عشر من شہر ربیع الآخر
سنۃ ۴۲۱ھ احدیٰ و عشرین و اربع مأۃ لکھا ہے۔

مجھے یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ سلطان کی وفات
اس تاریخ کو ہوئی جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
محبوب الٰہی رضہ کی تاریخ وفات ہے۔

مزار کے غربی حصہ میں بھی کوفی خط کا ایک کتبہ ہے
اور تعویذ کے نیچے کی طرف جھالر میں بھی چاروں طرف
کوفی خط میں کتبے ہیں۔ اور سرہانے ایک گول دائرہ ہے
جس میں بیل ہے اور اس میں بھی کوفی خط کی عبارت
ہے۔ دائرہ کے وسط میں پان کی وضع کے تین نشان
بنے ہوئے ہیں۔ جن کو دل کی تصویر بھی کہہ سکتے ہیں۔

بابا قربان نے کہا۔ سومنات کی مورت سے قبر
کا یہ تعویذ بنایا گیا ہے اور مورت اندر دبا کر کتبہ اوپر
لگا دیا ہے۔ قبر کے پائیں بھی ایک گول دائرہ ہے جس کے
آس پاس کوفی عبارت ہے۔ اور اندر وسط میں ایک
مثلث پھول ہے یا سنسکرت کا کوئی لفظ ہے۔ یا
کوفی خط کا طغرا ہے۔ تعویذ کے چبوترہ کے بائیں رُخ
بھی کوفی خط کا کتبہ ہے۔

میں نے مزار کا غلاف جدا کر کے ہر سمت سے فوٹو
لئے۔ اس کے بعد فاتحہ پڑھی۔ جی چاہتا تھا کہ اس جگہ
سے نہ ہٹوں۔ مزار کے خدام نے میرے ہاتھ پاؤں چومنے
شروع کئے مگر میں گزشتہ تاریخ کے تصور میں محو تھا اور
میرا تصور زبان مخفی سے یہ کہہ رہا تھا۔

"دولت عباسیہ کے یمین۔ ملت اسلام کے
یمین۔ تو ہر قوت کا داہنا ہاتھ تھا۔ تو ہندوستان
کے قفل کی کنجی تھا۔ تو مسلمانوں کا سکندر تھا۔
نہیں بلکہ سکندر سے بھی بڑا فاتح تھا۔ سکندر
تو جہلم سے واپس گیا۔ آگے نہ بڑھ سکا مگر تو
سولہ دفعہ ہندوستان میں آیا اور ہر بار خدا
نے تجھ کو کامیاب کیا۔ تو خدا پرست اور اولیاء اللہ
کے تصرف روحانی پر اعتقاد رکھنے والا
سچا مسلمان تھا۔

تو علوم کا حامی تھا۔ تو نے عجم کے ایرانی
بادشاہوں کا نام زندہ کر دیا۔ تیرے ہی حکم
سے فردوسی نے شاہنامہ لکھا۔ اور تو ہی
وہ مسلمان ہے جو تبت کے دشوار گزار پہاڑوں
کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہوا
جس سے عبور کرنا ہندوستان میں محال و ناممکن
سمجھا جاتا تھا۔

اے معمولی صورت مگر غیر معمولی سیرت
کے انسان! میں محض تجھ کو دیکھنے اتنی دُور

مینار قدیم افغانستان کا ایک حصہ
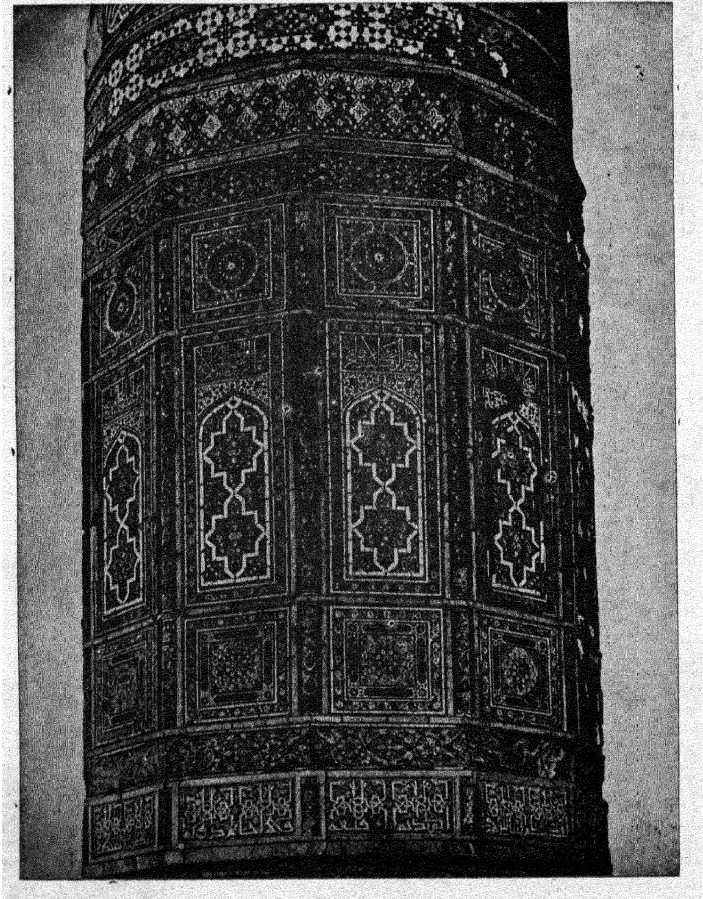
یہاں آیا ہوں مگر تو سوتا ہے۔ تو بولتا نہیں۔ تو مخاطب نہیں ہوتا۔ تجھ کو ہندوستان میں بدنام کیا جاتا ہے مگر کروروں دل تجھ سے محبت بھی کرتے ہیں۔ اور انہی میں ایک میں بھی ہوں۔

محمود! او سبکتگین کے بیٹے محمود!! تو زندہ ہے۔ میں تیرے نام اور تیرے کام کو ہندوستان میں مرتے دم تک زندہ رکھنے کی کوشش کرونگا۔ تو کون تھا؟ اور تو کیا تھا؟ اور تو نے اسلامی دنیا میں کتنا بڑا کام کیا؟ خاک میں سونے والے محمود! تو اگر ہندوستان کے قفل کو نہ کھولتا تو آج آٹھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں نہ ہوتے۔ ہم سب تیری محنتوں اور تیری مشقتوں کو جو ہندوستان کو مفتوح کرنے میں تو نے برداشت کیں کبھی فراموش نہیں کریں گے۔

آج تیرا پایہ تخت غزنی ویران اور سنسان ہے مگر کل یہاں پھر بہار ہوگی پھر رونق ہوگی۔ میری اور ہندوستان کی نسلیں اس شہر کی بہار اور رونق دیکھنے آئیں گی۔ میں اس عبرتکدہ میں ایک تخم لیکر آیا ہوں جو اسلام کی عزت کا بیج ہے۔ وہ بیج چندروز میں سرسبز ہوگا اور غزنی میں پھر بہار پیدا ہو جائیگی۔ مگر میں اس وقت دُنیا میں موجود نہ ہوں گا۔ البتہ میری روح اس بشارت کے نتائج کو دیکھے گی اور خوش ہوگی۔ جبکہ یہاں ایشیا کے پراگندہ دل باشندے جمع ہونگے اور اپنے اسلاف کی یادگاروں کو اپنی زندگی کے لئے زندہ کرینگے۔

اس دن تیرا نام اور تیرا کام ایشیائی نوجوانوں کے عزم کی روح بنکر چمکے گا"۔

سلام محمود! سلام۔ رخصت محمود! رخصت۔

مقبرہ سے باہر آیا اور پھر دیر تک اس گنبد کو دیکھتا رہا۔ جسکے دیکھنے کی ہوس ختم نہیں ہوتی۔ کسی حُسن تعمیر کے سبب نہیں۔ بلکہ تاریخی کارناموں کی یاد کے سبب۔ واپس چلا تو بار بار مڑ مڑ کر اس مقبرہ کو دیکھتا تھا۔

مقبرہ کے باہر دروازہ کے باہر آکر چار قبریں سنگ مرمر کی ہیں جنکے چبوترے بالکل ٹوٹ گئے ہیں۔ یہاں قبروں کے اوپر کا جو تعویذ ہوتا ہے وہ ڈیڑھ فٹ لمبا۔ ایک فٹ چوڑا پتھر ہوتا ہے جسکے دونوں طرف کتبہ کندہ

کیا جاتا ہے - ان قبروں پر بھی اسی قسم کے کتبے ہیں - مگر یہ
قبریں سلطان محمود کے زمانہ کی نہیں ہیں - کیونکہ ان پر
سنہ ۹۹۴ لکھے ہوئے ہیں - ایک قبر کسی عرب واعظ کی ہے -
کتبے صاف پڑھے نہیں جاتے - ایک قبر پر شیخ طیب نام
لکھا ہے اور لقب قطب الاقطاب - چوتھی قبر مفتی شرع
شیخ ابوالخیر کی ہے - اور آگے بڑھ کر ایک قبر ہے جس کے
کتبہ سے ظاہر ہوا کہ سلطان کی کسی لڑکی کا مزار ہے - کتبہ
کے حروف مٹ گئے ہیں - اسی کے قریب محمد شریف
خاں کا مقبرہ ہے جو امیر تیمور کے زمانہ میں تھا - اور مُلّا
جان محمد کا مقبرہ بھی ہے - اس کے بعد ایک حوض کا
سا غار آتا ہے -

قصر فیروزہ میں قبر ہے بابا قربان نے کہا کہ
جہاں سلطان محمود غزنوی کی قبر ہے وہاں سلطان کا
قصر فیروزہ تھا اور شکستہ حوض حرم سرا کے اندر تھا -
اس حوض سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے
جس پر سلطان کا نقارخانہ تھا - جب سلطان سوار ہوتے
تھے تو پہلے مذکورہ میناروں پر نقارے بجتے تھے - پھر
اس پہاڑی کے نقارخانہ میں نوبت بجائی جاتی تھی -
کسی شاعر نے کہا ہے ؎

خانہ داری می کند در قصر قیصر عنکبوت
بوم نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب

جہاں نقارے بجتے تھے - جہاں تکبیریں بلند ہوتی تھیں
جہاں نقیب نعرے لگاتے تھے اور جہاں فردوسی جیسے
نامور شعراء دست بستہ کھڑے ہو کر قصیدے پڑھتے تھے
اور جہاں خوبصورت غلاموں کے آہنی خود چمکتے تھے -
تلواروں اور برچھوں کی نوکیں جگمگاتی تھیں - آج وہاں
سوائے ویرانی اور سُنسانی کے کچھ بھی باقی نہیں ہے ؎

اُونچے اونچے مکاں تھے جنکے بڑے
آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم — آج اُس جا ہے آشیانۂ بوم
عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے — نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے — استخواں تک بھی اُنکے خاک ہوئے
ذاتِ معبود جاودانی ہے — باقی جو کچھ بھی ہے وہ فانی ہے

صبحدم طائران خوش الحان
پڑھتے ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانْ

میں سلطان محمود غزنوی کے مقبرہ سے واپس آیا
تو میرے دماغ اور دل پر عبرت نے ایک افسردگی طاری
کر دی تھی اور دُنیا بہت ہی ذلیل اور ناپائدار معلوم
ہوتی تھی - یورپ والے اپنے مقبروں کو بہت آراستہ
رکھتے ہیں تاکہ قبروں کو دیکھکر مایوسی اور اُداسی پیدا
نہ ہو - قرآن مجید کی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ قبریں
عبرت کے لئے ہیں اور عبرت جب ہی ہوتی ہے کہ قبرستان

اس قسم کی بےکسی اور بیچارگی پائی جائے۔ اگرچہ ہندوستان میں قبروں کا پکا بنانا اور آراستہ رکھنا اور ان پر کتبے لگانا سیاسی مصلحت سے میں بہت ضروری سمجھتا ہوں جیساکہ ہمیشہ میری تحریروں میں ہوتا ہے لیکن اصولاً میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ قبرستان میں عبرت کا سامان ضرور رہنا چاہیئے۔

شیر محمد خاں مجھے افغانوں کی زندہ دلی کا اقرار ہے۔ پنجاب کے باشندوں کو سرسید نے زندہ دل کہا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان میں زندگی پائی جاتی ہے۔

قومیں اپنی تاریخ سے زندہ ہوتی ہیں۔ جس قوم کو تباہ کرنا ہو اُس قوم کو اس کی تاریخ سے محروم کردیا جائے۔ اسی واسطے حضرت اکبر الہ آبادی نے ایک شعر کہا تھا۔ ؎

یوں قتل کے بچوں کی ہوتی نہ ضرورت
افسوس ہے فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یعنی فرعون مصر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو سیاسی مصلحت کی بنا پر قتل کرڈالتا تھا۔ اکبر کہتے ہیں اگر فرعون کالج جاری کردیتا تو بچوں کے قتل کی ضرورت نہ پڑتی اور بنی اسرائیل کے لڑکے خود ہی اپنی قومی تاریخ سے بےخبر ہو جاتے۔

مگر خوش ہونا چاہیئے کہ افغانستان میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جسکا نام شیر محمد خاں افغان ہے۔ اور وہ اپنی قوم کی اس بڑی ضرورت کو سمجھ گیا ہے اور اس نے اپنے پاس سے ایک لاکھ روپے خرچ کرکے مختلف قسم کی بہت سی تاریخی اور علمی کتابیں چھپوا کر افغانستان میں تقسیم کی ہیں۔ مجھ کو اس شخص کی کتابیں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور میں نے کابل کے اسکولوں میں بھی یہ بات دیکھی کہ نادر شاہ کی گورنمنٹ نے اسلامی اور افغانی تاریخ کو مکمل طریقہ سے رائج کیا ہے۔ اور یہ افغانوں کے زندہ ہو جانے کی ایک بڑی علامت ہے۔

تاہم ضرورت ہے کہ غزنی کے آثار قدیم کی طرف نادر شاہ کی حکومت فوراً توجہ کرے۔ یہاں میں نے کئی مقبرے ایسے دیکھے جن کو امیر دوست محمد خاں کے لڑکے محمد عظیم خاں نے اور امیر عبدالرحمن خاں کے لڑکے امیر حبیب اللہ خاں نے بنوایا ہے اور ان میں کتبے بھی لگوائے ہیں۔ لیکن اُردو زبان میں ایک محاورہ ہے کہ " جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا" دو چار چیزیں بنوا دیں اور صدہا چیزیں چھوڑ دیں تو وہ دو چار چیزیں جنگل میں اکیلی پڑی رہیں گی۔ سیاحوں پر کچھ اچھا اثر نہیں ہوگا۔ ضرورت یہ ہے کہ

نادر شاہ کی حکومت فوراً آثار قدیم کا ایک محکمہ قائم کرے جس کے تحت میں ہندوؤں کی اور مسلمانوں کی اور یونانیوں کی اور ایرانیوں کی سب تاریخی چیزیں آجائیں۔ اور ہر سال اس کے واسطے ایک بجٹ بنایا جائے۔ تاکہ آہستہ آہستہ سب آثار قدیم محفوظ ہو جائیں۔ اور جب ملک کی مالی حالت درست ہو اس وقت بجٹ کی رقم بڑھائی جائے۔ اور جہاں جہاں ہندوؤں اور یونانیوں اور ایرانیوں کے دبے ہوئے آثار ہیں ان کو کھودا جائے اور اس کا انتظام بہت سختی کے ساتھ ہو کہ کوئی تاریخی چیز کسی یورپ والے کو نہ دی جائے۔ مجھے بڑا غصہ آیا جب میں نے سلطان محمود غزنوی کے مقبرہ میں یہ بات سُنی کہ گزشتہ حکومت کے زمانہ میں یہاں سے کچھ بُت جرمن والے اپنے ساتھ لے گئے۔ **بت بامیاں** کے قریب اور قندھار اور غزنی کے قریب بعض ٹیلوں کو اہلِ یورپ نے کھودا اور آثار قدیم اپنے ملکوں کو لے گئے۔

غازی نادر شاہ کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے ان پُرانی چیزوں کی حفاظت کریں کیونکہ وہ ہمارا قومی سرمایہ ہیں اور نادر شاہ ہماری قومی حکومت کے ایک امین اور سرپرست ہیں۔

سلطان ابراہیم کا مقبرہ

سلطان محمود کے مقبرہ سے واپس ہو کر ایک میل کے بعد سلطان ابراہیم بن محمود غزنوی کا مقبرہ نظر آیا۔ سڑک سے ذرا بچا ہوا ہے۔ شکستہ حالت میں ہے۔ اس کے قریب بھی بہت سی قبریں ہیں۔ سنگ مرمر کے تعویذ ہیں ان پر کتبے لگے ہوئے ہیں۔ ایک قبر پر "بابا کلاں سعید بن حسن۔ وفات شعبان ۹۴۲ھ" لکھا ہے۔ دوسری پر "عبدالکریم بن عبدالرحیم ۹۰۰ھ" لکھا ہے۔ تیسری پر "خواجہ محمد بن حسین الغریق ۹۰۰ھ" لکھا ہے۔ چوتھی پر "ساجدہ خدیجہ بنت سلطان ۹۰۰ھ" درج ہے۔ پانچویں پر "مریم بنت شیخ عبدالکریم ۱۰۶۱ھ" تحریر ہے۔

سلطان ابراہیم بن محمود کی قبر معمولی پتھر کی ہے۔ پہلو میں گنبد کی دیوار پر ایک غرق شدہ محراب ہے جس پر کتبہ بھی ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔

مقبرہ سلطان سبکتگین

یہاں سے آگے بڑھے تو پہاڑی کی چوٹی پر سبکتگین کا مقبرہ نظر آیا۔ یہ سلطان محمود غزنوی کے والد تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں شہید نے یہ مقبرہ بھی بنوایا تھا۔ ان کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ میں نے سلطان سبکتگین کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور بہت دیر تک کھڑا سوچتا رہا کہ یہ وہ صدف تھا جس سے محمود جیسا گوہر پیدا ہوا۔

مزار حضرت بہلول دانا رضؓ سلمانوں کا فارسی لٹریچر پورا اور اُردو لٹریچر ادھورا حضرت بہلول دانا رضؓ کے ذکر خیر سے لبریز ہے۔ سُنا تھا سلمان قبروں میں ہیں اور سلمانی کتابوں میں ہے۔ کتابوں کی سلمانی کو پڑھتے پڑھتے آج غزنی میں قبروں میں سونے والے شہرۂ آفاق سلمانوں کو بھی دیکھنے کا موقع مل گیا۔ حضرت بہلول دانا رضؓ کا مزار پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ باباقربان اسی برس کے بڈھے چغہ پہنے ہوئے اس طرح پہاڑ پر چڑھتے تھے جیسے میرے بچے زبید اور علی تیزی اور پھرتی سے دوڑ دوڑ کر چلتے ہیں۔ میں نے خیال کیا خدا نے صورت کے لحاظ سے مجھے بھی جوان بنا رکھا ہے۔ کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ میری عمر پچپن برس کی ہے۔ سب تیس پینتیس کا کہتے ہیں۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ اسی برس کا بڈھا مجھ سے آگے ہو اور میں اس سے پیچھے رہ جاؤں۔ اس واسطے میں نے بھی جلدی جلدی چلنا شروع کیا۔ تیز ہوا اور ایسی ٹھنڈی کہ ہاتھ پاؤں اکڑے جاتے تھے۔ کابل سے غزنی پہنچا تو بواسیر کا خون بھی بہت کثرت سے آیا تھا۔ اسواسطے میرے پاؤں کانپتے تھے اور سانس چڑھا جاتا تھا۔ جب میں پہاڑ کی چوٹی پر حضرت بہلول رضؓ کے مقبرہ کے قریب پہنچا تو میری توانائی اور دانائی ختم ہو چکی تھی۔ دل دھڑک رہا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب دل کی حرکت بند ہو جائے گی۔ مگر میں نے ساتھیوں پر اپنی کمزوری ظاہر نہ ہونے دی اور باہر جو قبریں تھیں ان کے کتبے پڑھنے کو بیٹھ گیا۔ کتبے تو کیا پڑھے جاتے یوں کہیے کہ میں نے سانس کو قابو میں کیا۔ پنڈلیاں لرز رہی تھیں۔ ان کو ذرا سکون میں لایا۔ مزار کے خدام اجنبی شکلیں دیکھ دیکھ کر مقبرہ کے باہر آگئے اور جھانک جھانک کر دیکھنے لگے۔ دس منٹ بعد روضہ کے اندر گیا۔ بہت اچھا گنبد بنا ہوا ہے۔ اندر چوبی کٹہرہ ہے اور غلاف چڑھا ہوا ہے۔ باہر بہت سی سنگ مرمر کی قبریں ہیں جن پر عربی زبان اور کوفی خط کے کتبے ہیں مگر وہ عموماً ۹۰۰ھ کے ہیں۔

علی لالہ رضؓ کا مزار[۵] حضرت بہلول دانا رضؓ کے روضہ کے قریب شیخ زاہدین عرف علی لالہ رضؓ کا مزار بھی ہے۔ علی کے ساتھ لالہ کا لفظ سنکر مجھے ایسا ہی تعجب ہوا جیسے پنجاب میں مولے کے ساتھ لالہ کا لفظ سنکر ہوا تھا۔

مزار حضرت حکیم ثنائی رضؓ تصوف اور ملفوظات کی کتابیں حضرت حکیم ثنائی رضؓ کے ذکر خیر اور کلام سے بھری ہوئی ہیں۔ آج ان کے مزار مبارک کی زیارت

۵ جد امجد حضرت مولانا [illegible] اسحاق [illegible] غزنی میں پیدا ہوئے تھے اور بعض نسخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی لالا رضؓ انکے والد یا دادا تھے۔

کی تو بہت ہی خوشی ہوئی۔ عصر کی نماز بھی اسی درگاہ
میں پڑھی۔ یہاں بھی ایک بہت اچھا گنبد بنا
ہوا ہے۔ اور افغانستان کے دستور کے مطابق
گنبد کے اندر ایک چوبی کٹہرہ ہے اور اس کے اندر
مزار ہے۔ مزار پر غلاف چڑھا ہوا تھا۔ باہر خدام
ختم خواجگان چشت پڑھ رہے تھے۔ یہاں بھی مقبرہ
کے باہر بہت سی قبریں ہیں جن پر پرانے زمانہ کے
کتبے لگے ہوئے ہیں۔

شاہ فتح رح کا مزار

قلعہ غزنی کے اندر شاہ فتح رح
کا مزار ہے۔ باباقربان نے کہا کہ شاہ فتح سلطان محمود
غزنوی کے ایک سپہ سالار تھے۔ قلعہ کے قریب
فصیل کے باہر سید حسن رح غزنوی کا مزار ہے۔ جو بہرام
شاہ کے زمانہ میں بڑے بزرگ تھے۔ گنبد پر کتبہ
لگا ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہلاکو کے زمانہ میں یہ مقبرہ
مسمار ہوگیا تھا۔ امیر حبیب اللہ خاں کے زمانہ
میں ایک سلمان امیر نے یہ گنبد بنوادیا۔ کتبہ سے
یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس امیر کو اولاد کی تمنا تھی
اور چونکہ یہ مزار بہت مشہور ہے اور یہ عقیدہ اس کے
ساتھ منسوب ہے کہ یہاں دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ
بے اولادوں کو اولاد دے دیتا ہے اس واسطے
اس امیر نے یہ مقبرہ بنوا کر اپنی مراد بھی کتبہ پر لکھدی ہے۔

غزنی کے بازار میں اعتقاد کا حملہ

مغرب کا
وقت قریب تھا جب میں نے مزارات کی زیارت
ختم کی اور غزنی کے قلعہ میں پیدل داخل ہوا۔ موٹر
ایک سرائے میں بھجوادی جہاں فوج بھی رہتی ہے
یہ دروازہ بازار کے رُخ ہے بہت خراب راستہ ہے
اور بہت زیادہ ڈھلان ہے۔ جگہ جگہ پانی کی صراحیاں
اور لمبی لمبی چوڑی چوڑی روٹیاں بک رہی تھیں۔ یہ
لوگ مٹی پر کپڑا بچھادیتے ہیں اور اس پر روٹیوں کا ڈھیر
لگا دیتے ہیں۔ روٹی ڈیڑھ دو فٹ لمبی اور ایک فٹ چوڑی
ہوتی ہے۔ ایک طرف سے گول اور دوسری طرف سے
نوکدار۔ جیسے ہمارے ہاں ایک روٹی پکتی ہے جس کو
گاؤزباں کہتے ہیں۔ اس روٹی میں سوراخ بھی ہوتے
ہیں اور روٹی کے اوپر بعض لوگ تل لگاتے ہیں اور
بعض کلونجی کے دانے۔ افغانستان میں روٹی کسی گھر
میں نہیں پکتی۔ سب لوگ بازار سے روٹی خرید لیتے ہیں
اور چھری سے کاٹ کر کھاتے ہیں۔ جب بازار میں روٹی
والے دس پانچ روٹیاں بغل میں دبا کر بیچنے نکلتے ہیں
تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ادھوڑی کے چمڑے کسی کی
بغل میں دبے ہوئے ہیں۔

بازار کے اندر داخل ہوا تو ایک دیہاتی مسلمان
نے جسکا سینہ کارتوسوں کی پیٹیوں سے چمک رہا تھا۔

اور ہاتھ میں ایک لمبی بندوق بھی تھی۔ قریب آکر پوچھا "تو سید ہستی؟" (کیا تم سید ہو) میں نے کہا "بلے۔ سید ہستم۔ لیکن نیم مقتول و نیم مجروح"۔ اُس نے جُھک کر میری ڈاڑھی پکڑلی اور زور سے کھینچکر اس کو چوما۔ یہ بوسہ دیکھتے ہی دکانوں سے مسلمان اُٹھ اُٹھ کر دوڑے اور بازار کے خریدار بھی آگئے۔ کوئی میرے کُرتہ کے دامن کو چومتا تھا، کوئی سر کے بالوں کو، کوئی ہاتھوں کو، کوئی پیروں کو اور ہر ایک میرے آگے کمر جھکا کر کہتا تھا کہ اس پر ہاتھ مارو اور پھر کہتا تھا "یک دُعا بکن" تکے مارتے مارتے میرا ہاتھ دُکھنے لگا۔ دعا آدھے منٹ کی مانگتا تھا۔ لیکن دعا کرانے والے اتنے زیادہ تھے کہ میں پریشان ہوگیا۔ اور ان میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ لمبے لمبے قد، لال لال چہرے، بڑی بڑی اُلجھی ہوئی ڈاڑھیاں، میلے میلے کپڑے، گھیردار شلواریں۔ سب کے پاس ہتھیار، سب کے سینوں پر کارتوس۔ بازار پٹے ہوئے، شام کا وقت، دن بھر کی تکان۔ مجھے ایسی وحشت ہوئی کہ میں جلدی سے ہاتھ چھڑا کر آگے چلا۔ آگے کیا چلا بلکہ دوڑا۔ پیچھے پیچھے اعتقاد کی یورش۔ بدقت تمام قیامگاہ پر گیا۔ قلعہ میں بازار ختم ہونے کے بعد بھی باشندے برابر پیچھے دوڑتے رہے۔ ان کا اعتقاد بہت ہی زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے پھر تعجب ہوا کہ جن شہروں میں فقرا کا عقیدہ اتنا زیادہ ہے وہاں کوئی درویش کیوں نہیں ہے۔ کیونکہ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ غزنی میں بھی کوئی صاحب بیعت و ارشاد بزرگ موجود نہیں ہیں۔

حضرت بابا فریدالدین گنجشکر رح نے فرمایا ہے کہ بازار میں وہی چیز بکنے آتی ہے جس کی ضرورت ہو۔ گرمی کے موسم میں روئی بکنے نہیں آتی۔ سردی کے موسم میں روئی ہر جگہ بکتی ہے۔ لیکن کابل اور غزنی میں ہر شخص کو فقرا کی ضرورت معلوم ہوتی ہے مگر فقرا موجود نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ حکومت کی بے اعتقادی کا یہ نتیجہ ہے۔ چونکہ امان اللہ خاں علانیہ مشائخ اور فقرا کی ہنسی اُڑاتے تھے اور آخر میں تو انہوں نے حکم دیدیا تھا کہ سوائے میرے کسی درویش سے کوئی شخص بیعت نہ کرے۔ اس واسطے فقرا اس ملک سے چلے گئے۔ لیکن اب امید ہے کہ نادر شاہ کے زمانہ میں فقرا یہاں آجائیں گے۔ کیونکہ نادر شاہ پابند مذہب اور محب الفقرا بادشاہ ہیں

حاکم غزنی کا مکان

قلعہ کے اندر غزنی کے حاکم کا مکان انتہائی چوٹی پر ہے۔ مکان میں بیٹھ کر چاروں طرف سیکڑوں میل تک میدان و کوہستان کا نظارہ کرتا رہا۔ چاندنی رات تھی مگر ہوا اتنی تیز اور ٹھنڈی تھی کہ شیشہ کے کواڑ بند کرنے پڑے۔ پاخانے یہاں بھی سنڈاس کے ہیں

نیچے سے ہوا اُوپر آتی ہے تو دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔

گاندھی جی کی تقلید

رات کو پاخانہ میں گیا تو قلعہ کے نیچے کی ہوا سنڈاس کے منھ سے اس زور سے اُبل رہی تھی کہ وہاں بیٹھ نہ سکا۔ علٰحدہ ایک جگہ بیٹھ کر فارغ ہوا اور پھر اُس پر مٹی ڈالی اور اپنے ہاتھ سے غلاظت صاف کر کے سنڈاس میں ڈال دی۔ خیال آیا کہ گاندھی جی نے ایک دفعہ میونسپل کمیٹی کے ممبروں سے کہا تھا کہ وہ اپنی غلاظت خود صاف کیا کریں تو گاندھی جی کا مذاق اُڑایا گیا تھا۔ مگر میں نے آج اُنکی تعلیم پر ایک مجبوری اور ضرورت سے عمل کر لیا۔

کابل میں ستری حبیب خاں نظامی یہ کام کر دیا کرتے تھے۔ یعنی غلاظت کی بالٹی سنڈاس میں ڈال کر صاف کر دیتے تھے اور میرے دل میں ان کی اس خدمت کی بہت بڑی عظمت پیدا ہوگئی تھی۔ آج میں اپنی بھی تعریف کرتا ہوں کہ میں اصلی معنوں میں حلالخور بن گیا۔

باباقربان کی عروسی

غزنی کے قلعہ کے بالاخانہ پر جس کمرہ میں ٹھہرا ہوں وہ حاکم صاحب کے کمرہ کے برابر ہے۔ مختصر ہے۔ لیکن بہت آرام کا ہے۔ کھانا بھی میں نے وہیں منگا کر کھایا۔ باباقربان بھی شریک طعام تھے۔ باباقربان کی زندہ دلی اور خوش طبعی سے مجھے بہت ہی مسرت ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا۔ بابا کتنے بچے ہیں۔ ہنس کر کہا۔ سات ہیں اور آخری بچہ کی عمر ایک سال کی ہے۔ اس فقرہ کا خوب لطف رہا۔ کہ اسّی برس کی عمر میں خدا نے باباقربان کو بیٹا دیا۔ میں نے کہا۔ "باباقربان بیا درہندوستان بیا۔ یک دختر پانزدہ سالہ بتو عروسی می کند۔ و من ہم یک دختر ہفتاد سالہ را در عروسی می کشم" (باباقربان آؤ۔ ہندوستان میں آؤ۔ وہاں تمہارا پندرہ برس کی ایک لڑکی سے نکاح کرینگے اور میں بھی ستر برس کی ایک لڑکی سے اپنا نکاح کرونگا) باباقربان نے میرے آخری فقرہ کو جی لگا کر نہیں سُنا کہ میں اُن سے مذاق کر رہا ہوں اس لئے انہوں نے صرف پہلے فقرہ سے متاثر ہو کر کہا۔ مجھے جلدی اپنا پتہ لکھ کر دیجیے۔ میں وہاں ضرور آؤں گا اور شادی ضرور کرونگا مجکو نئی شادی کی مدت سے ضرورت ہے۔ میں نے نو سو روپے حج کے لئے جمع کئے تھے وہ بچہ سقہ کی فوج نے لُوٹ لئے۔ امیر عبدالرحمٰن خاں کے زمانہ سے میرے نام تنخواہ مقرر تھی۔ امیر حبیب اللہ خاں نے زمین بھی دی تھی۔ امان اللہ خاں نے وہ زمین بھی ضبط کر لی اور تنخواہ بھی بند کر دی۔ کہ نکمے لوگوں کو تنخواہیں دینی فضول ہیں۔ اب نادرشاہ نے تنخواہ جاری کر دی ہے۔

جب بچہ سقہ نے کابل فتح کر لیا تو غزنی کے ایک مُلّا نے کہا کہ بچہ سقہ امام مہدی ہے۔ میں نے دہلی کی ایک کتاب

ہیں دیکھا ہے کہ آخر زمانہ میں ایک مہدی پیدا ہوگا اور اس کا نام حبیب اللہ ہوگا۔ اس واسطے ہم سب کو بچہ سقہ کی اطاعت کرلینی چاہئے۔ اور میں غیب کی چیزوں کو اپنے مکاشفہ کی طاقت سے جانتا ہوں اور کہتا ہوں کہ بچہ سقہ امام مہدی ہے۔ بابا قربان نے کہا کہ ملا اگر تو غیب کی باتیں جانتا ہے تو بتا میرے زیر ناف کپڑوں کے اندر کیا ہے۔ ملا یہ بات سنکر بہت خفا ہوا۔ مگر مجھ پر کچھ زیادتی نہ کرسکا۔ چند ہفتہ کے بعد بچہ سقہ کی فوج نے غزنی پر قبضہ کرلیا تو اس ملا نے میری شکایت کی۔ بچہ سقہ کے بھائی نے میری ڈاڑھی پکڑی اور خوب کھینچی اور خوب مارا۔ اس کے بعد گھر لوٹ لیا اور نوسو روپے جو حج کے لئے جمع کئے تھے وہ بھی لوٹ لئے۔ اس دن سے میں مفلس ہوگیا۔ ورنہ ابھی ہندوستان چلا جاتا اور وہاں جاکر شادی کرلیتا۔ میں نے کہا۔ بابا قربان! دہلی کی جس کتاب کا ملا نے ذکر کیا تھا وہ کتاب میں نے شائع کی تھی۔ جس میں نعمت اللہ شاہ ولی کا قصیدہ بھی تھا اور اس قصیدہ میں حبیب اللہ کی آمد کا ذکر بھی تھا۔

بابا قربان یہ سنکر ہنسے اور بولے۔ نعمت اللہ شاہ ولی نے جس حبیب اللہ کی نسبت کہا ہوگا وہ بچہ سقہ نہیں تھا ورنہ وہ قتل نہ ہوسکتا۔

غرض یہ کہ بہت رات تک بابا قربان کی دلچسپ باتوں کا لطف رہا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر چلے گئے اور میں سوگیا۔ غزنی کے حاکم صاحب بھی کچھ دیر تک پاس بیٹھے رہے۔ اور باتیں کرکے چلے گئے۔ پچھلی رات کو چاندنی خوب کھلی ہوئی تھی۔ میں دُھسّہ اوڑھ کر باہر نکلا۔ برف میں ڈوبی ہوئی ہوا بدن کے پار ہوئی جاتی تھی۔ لیکن مجھے رات کی غزنی کا نظارہ اپنی روح کی تلقین و ہدایت کے لئے ضروری معلوم ہوا۔ ایک ڈگمگاتی ہوئی لکڑی کی بنچ پڑی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ اور آس پاس سے منظر کو دیکھتا رہا۔ کہ کیا تھا اور اب کیا رہ گیا۔ جدھر نظر جاتی تھی مسلمانوں کی فوجیں پیدل اور سوار نظر آتی تھیں اور تمام کوہستان تکبیروں کے نعروں سے گونجتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ مگر چاندنی کی صفائی میں چشم ناسوت سے دیکھتا تھا تو سوائے چُپ چاپ پہاڑوں اور اونچے نیچے ٹیلوں کے اور کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ ایک گھنٹہ تک یہ سیر دیکھ کر خوابگاہ میں آیا اور بے خبر ہوکر سوگیا۔

۴؍ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۰ ہجری مطابق ۲۷ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء
یوم یکشنبہ۔ غزنی

رُخچی صبح صادق کا وقت تھا کہ میں نے اپنے وجود کو افغانستان کا گدھا سمجھکر ایک رُخچی کی۔ پہلے لکھ چکا ہوں گدھوں کو چلنے اور آگے بڑھنے کا حکم دیتے ہیں تو حلق سے ایک آواز نکالتے ہیں جس کا تلفظ میں نے اخ کیا تھا

لیکن آج خیال آیا کہ راغ نہیں بلکہ خخ کا لفظ زیادہ مناسب ہے۔ مجھے نزلہ بھی ہے۔ ناک بھی بند ہے۔ زور سے سانس لیتا ہوں تو قدرتی خخ بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

افغان دیر میں بیدار ہوتے ہیں

کابل میں بھی تجربہ ہوا تھا اور غزنی میں بھی یہی دیکھا کہ یورپ والوں کی طرح افغان بھی صبح دیر میں بیدار ہوتے ہیں۔ ان میں جو نماز کے زیادہ پابند ہیں وہ بھی صبح کی نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں اور آٹھ بجے تک سوتے رہتے ہیں۔ اگر افغان یورپ والوں کی طرح دن کو چست اور مستعد اور متحرک نظر آتے تو میں ان کو معاف کر سکتا تھا۔ لیکن افغانوں میں باوجود اس کے کہ افغانستان ٹھنڈا ملک ہے چستی اور پھرتی اور زیادہ کام کرنے کی اُمنگ نہیں دیکھی۔ یہ قوم مجھ کو ایک اونگھتی ہوئی قوم معلوم ہوتی ہے۔ میں خود اپنے تن لاغر اور جسم بیمار کو دیکھتا ہوں تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ کام کرنے کی مستعدی اور چستی اور پھرتی میرے اندر افغانوں سے بہت زیادہ ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ ساری افغان قوم بھی معیشت کے کاموں کے لئے مستعد بن جائے۔

یورپ والے آدھی رات تک جاگتے رہتے ہیں اس واسطے صبح دیر میں بیدار ہوتے ہیں۔ لیکن انکو بھی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دیر میں بیدار ہونا ایک دن ان کے زوال کا باعث ہوگا۔ جو قوم جلدی بیدار ہوتی ہے وہ اقبال مند ہے اور جو صبح دیر تک سوتی رہتی ہے اسکا اقبال اگر موجود ہے تو سمجھ لینا چاہئے وہ موجود نہیں رہے گا۔ افغان تو ابھی ایشیا کی ان قوموں میں ہیں جو صدیوں سے سو رہی ہیں۔ ان کو تو اب بیدار ہو جانا چاہئے۔ اگر نادر شاہ افغان قوم کو صبح جلدی بیدار ہونے کا عادی بنا دیں گے تو وہ ایشیا میں بہت بڑا کام کرینگے

حضرت علیؓ نے فرمایا تھا جو دنیا اور دین میں ترقی اور بلندی چاہتا ہے اسکو رات کے وقت جاگنا چاہئے۔ حضرت علیؓ کا یہ مقصد تھا کہ قرآن مجید کے حکم کے بموجب رات کو آرام کرنا چاہئے۔ لیکن پچھلی رات سے بیدار ہو کر کام شروع کر دینا چاہئے۔

دن سورج کے طلوع سے شروع نہیں ہوتا بلکہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔ سورج نکلنے سے سورج چھپنے تک کے کام کو ترازو کے ایک پلڑہ میں رکھا جائے اور صبح صادق کے طلوع سے سورج کے طلوع تک کے کام کو دوسرے پلڑہ میں رکھا جائے تو صبح صادق کے وقت کا کام پورے دن کے کام سے جھک جائے گا۔

مشہور یہ ہے کہ جن ملکوں میں سردی زیادہ ہے

وہاں صبح کے وقت بیدار ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اگر میں اسکو مان لوں تو دوسری بات کو کیونکر مانوں کہ افغان صبح دیر میں اٹھنے کے بعد بھی یورپ والوں کی طرح اپنے کام میں مستعد نظر نہیں آتے۔ ٹھنڈے ملک کے آدمی جیسے ذہین اور عقلمند ہوتے ہیں وہ باتیں افغانوں میں موجود ہیں۔ لیکن ان کے دماغ ٹھنڈے نہیں رہتے۔ اُنکو بہت جلدی غصہ آجاتا ہے۔ اور جس قوم کا دماغ غصہ سے مغلوب ہوجاتا ہو وہ قوم دنیا کی موجودہ دماغی لڑائی میں زیادہ کامیاب نہیں ہوسکتی کہا جاتا ہے کہ افغان گوشت زیادہ کھاتے ہیں اس واسطے ان کو غصہ زیادہ آتا ہے۔ لیکن یورپ والے افغانوں سے دس حصہ زیادہ گوشت کھاتے ہیں۔ انہیں غصہ کیوں نہیں آتا۔ غصہ تو ایک بیماری ہے اور اس کا علاج ہوسکتا ہے۔ یہ بیماری خیال کی ہے اور مذہبی قوتیں اسکی اصلاح کرسکتی ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں الکاظمین الغیظ موجود ہے۔

بہرحال جب میں نے اپنے وجود کو خنی کہکر بیدار کیا تو گرم پانی کی ضرورت ہوئی۔ لکھ چکا ہوں ۲۶ ستمبر کو غزنی میں اتنی سردی تھی جتنی ہندوستان میں دسمبر کے آخر میں ہوتی ہے۔ اور پھر غزنی کا قلعہ اونچے پہاڑ پر ہے۔ اور میری قیامگاہ غزنی کے قلعہ کی بالائی چوٹی پر ہے۔ گرم پانی کے بغیر وضو کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ لیکن کابل کی طرح یہاں بھی نوکر آٹھ بجے سے پہلے بیدار نہیں ہوتے۔ اس لئے میں نے تیمم کرکے نماز پڑھی اور سورج نکلنے سے پہلے کپڑے پہن کر تیار ہوگیا۔ بابا قربان سے وعدہ لیلیا تھا کہ وہ بہت سویرے آجائیں تاکہ میں غزنی کی بقیہ تاریخی چیزیں دیکھ لوں۔ مگر بابا قربان بھی افغان تھے اگرچہ اسی برس کی عمر تھی۔ لیکن بیوی سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں وہ جلدی کیونکر آتے۔ اس لئے میں اکیلا روانہ ہوا۔ راستہ میں بابا قربان مل گئے۔ میں نے کہا۔ بابا خانم نے اجازت دی یا بے اجازت آئے ہو؟ ہنسکر کہا۔ "خانم نے کہا چار پلائے بغیر نہ جانے دونگی"۔ کیسی مہربان بیوی ہے اپنے بوڑھے مگر جوان دل شوہر کو بغیر ناشتہ کے گھر سے نہیں نکلنے دیتی۔ مسٹری حبیب خاں نظامی بھی میرے ساتھ ہوگئے۔ اور ہم تین آدمیوں کا قافلہ غزنی کے اونچے قلعہ سے نیچے اُترا۔ کیونکہ مزارات قلعہ کے باہر دامن کوہ میں ہیں۔ غزنی کے چاروں طرف باغ ہیں۔ قلعہ کے نیچے ایک بڑا پہاڑی نالہ بہتا ہے جو خندق کا کام بھی دیتا ہے۔ اس کو "آب جو" کہتے ہیں اس نالہ کی روانی بہت تیز تھی اور اس کی تیزی سے ایک شور پیدا ہوتا تھا۔ میں نے کچھ دیر اسکی روانی کی بہار دیکھی۔ جہاں سے چلا تھا وہاں سے یہاں تک کہیں نہیں ٹھہرا اور نہ آگے جاکر کہیں ٹھہرے گا۔ انسان بھی وہی انسان ہے جو اپنا کام شروع

کرنے کے بعد کہیں نہ ٹھہرے۔ آبجو بھی اسی واسطے لوگوں کو
مرغوب ہے اور باغوں کو سرسبز کرسکتا ہے کہ اسکی روانی
میں روک اور کاہلی اور غفلت نہیں ہے۔

غزنی کے نیچے بہت سے باغ ہندوؤں کے ہیں اور
بہت سے مسلمانوں کے ہیں۔ یہ دونوں قومیں نہایت
محبت اور اخلاص سے رہتی ہیں۔ کوئی قوم دوسری قوم کے
خلاف نہیں ہے۔ ہر قوم اپنی معاشرت اور اپنی معاش اور
اپنے مذہب میں آزاد ہے۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ افغانستان
کے جاہل اور کم علم باشندے جو مذہبی تعصب میں بہت
زیادہ بدنام ہیں ہندوؤں سے نہیں لڑتے۔ حالانکہ ہندو
یہاں بہت تھوڑے ہیں۔ اور ہندوستان میں ہندو
مسلمان رات دن لڑتے رہتے ہیں۔

مزار باباجاہری قلعہ غزنی سے اُتر کر تقریباً دو میل
ہم لوگ پیدل چلتے رہے۔ دونوں طرف باغوں کی بہار
تھی۔ مٹی کی کچی دیواریں ان باغوں کے آس پاس کھچی
ہوئی ہیں۔ میووں سے لدی ہوئی شاخیں دیواروں کے
باہر جھانکتی رہتی ہیں۔ جب میں کسی درخت کو کھڑا ہوکر
دیکھتا تھا تو باغ کے درختوں پر چڑھے ہوئے افغان جو
میوہ توڑتے ہوتے تھے چند پھل میری طرف بھی پھینک دیتے
تھے۔ یہ ان کی مہمان نوازی تھی۔ سب سے پہلے ہم نے
باباجاہری کے مزار کی زیارت کی۔ باباقربان نے کہا کہ
یہ ہندوستان سے آئے تھے اور ان کو ختم الاولیا کہتے
ہیں۔ کیونکہ ان کے بعد پھر کوئی ولی غزنی میں نہیں آیا۔ بابا
جاہری نام سمجھ میں نہیں آیا۔ میں لکھ چکا ہوں کہ باباقربان
کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ خبر نہیں کیا تلفظ ہوگا اور انہوں
نے اسکو کس طرح ادا کیا اور میں نے اسکو کس طرح سمجھا۔

باباحیدر پہلوان باباقربان نے ایک اور مزار
دکھایا اور کہا یہ باباحیدر پہلوان کی قبر ہے۔ جو امیر حمزہؓ کے
ہمراہی تھے۔ معلوم ہوتا ہے باباقربان امیر حمزہ کی فرضی
داستان کی طرح بہت سی قبروں کی نسبت فرضی نام
اور واقعات بیان کردیتے ہوں گے۔ کیونکہ میں جانتا
ہوں کہ امیر حمزہ کی جو داستانیں مشہور ہیں ان میں کچھ بھی
صداقت نہیں ہے۔

مزار تاج الاولیاءؒ حیدر پہلوان سے آگے
حضرت تاج الاولیاء کے مزار کی زیارت کی۔ یہاں بہت
بڑا گنبد ہے جسکو محمد عظیم خاں خلف امیر دوست محمد خاں
نے امیر حبیب اللہ خاں کے دور حکومت میں بنایا ہے
گنبد میں ایک کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا
ہے کہ تاج الاولیاءرح ہندوستان سے غزنی میں آئے
تھے۔ میں تو اب تک یہ سمجھتا تھا کہ ہمارے بڑے افغانستان
اور ترکستان اور ایران اور عرب سے ہندوستان
میں آئے۔ لیکن غزنی کے مزارات کو دیکھکر حیرت ہوئی

کہ ہندوستانی لوگ بھی یہاں تصوف کی تبلیغ و اشاعت کے لئے آتے تھے۔ چنانچہ بابا جاہرؒ اور تاج الاولیاءؒ کے مزارات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

مزار خواجہ لائیخار باباقربان کی عجیب زبان سے نکلا کہ آگے چلو اور حضرت خواجہ لائیخارؒ کے مزار کی زیارت کرو۔ جو حکیم سنائی کے مرشد تھے۔ یہ لفظ بھی کچھ اور ہوگا۔ باباقربان اپنی آسمانی زبان میں بول رہے ہیں اور میں زمین والا اپنے زمین کے کانوں سے اس کو سُن رہا ہوں۔ بہرحال اس مزار کی بھی زیارت کی۔ یہاں بھی گنبد بنا ہوا ہے۔ آگے بڑھے تو باباقربان نے حضرت شامی صاحبؒ کے مزار کی زیارت کرائی اور شیخ دَرُوَ کی کا مزار بھی دکھایا مگر ان دونوں مزارات کے حالات بیان نہ کر سکے۔ باباقربان کی نسبت جیسی شہرت تھی اتنے واقف کار وہ نہیں ہیں۔

ہربابا شیخ عثمانؒ آخر میں باباقربان مجھے ایک ایسے گنبد میں لے گئے جو بہت شاندار تھا اور کہا کہ اس گنبد میں ہربابا شیخ عثمانؒ کا مزار ہے اور یہ حضرت بابا فریدالدین گنجشکرؒ کے والد تھے۔ میں نے باباقربان سے جرح کرنی شروع کی مگر باباقربان اس جرح کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ حضرت بابا فریدالدین گنجشکرؒ کے اجداد بلخ میں حکمران تھے اور بلخ بھی افغانستان کے تحت میں ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ حضرت باباصاحب کے والد صاحب کا مزار کہاں ہے اور ان کو ہربابا کیوں کہتے ہیں۔ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شہر ہرآت کا نام پہلے آریہ تھا پھر ہتری ہوا پھر ہرآت مشہور ہوا۔ ممکن ہے حضرت شہر ہتری یعنی ہرآت میں رہتے ہوں اسواسطے ہربابا مشہور ہوئے ہوں۔

واپسی تین گھنٹے ان تمام مزارات اور تاریخی مقامات کی سیر و زیارت میں صرف ہوگئے۔ اس کے بعد پیدل غزنی کے قلعہ میں واپس آیا۔ سات آٹھ میل کا چکر ہوا۔ بہت تھک گیا۔ باباقربان کو راستہ سے رخصت کردیا۔ قلعہ کے دروازہ پر آیا تو میری موٹر تیار کھڑی تھی۔ سید مومن اور ڈرائیور صاحب نے میرا اسباب موٹر میں باندھ دیا تھا۔ قلعہ کے دروازہ کے سامنے فوجی بارگیں ہیں رات کو ان کے افغانی باجہ کی آوازیں سنکر بڑا لطف آیا تھا۔ اب جب میں ان بارگوں کے پاس سے گزرا تو سپاہی جوق جوق دوڑے ہوئے میرے پاس آئے اور میرے ہاتھ پاؤں چومکر سب نے دعائیں کرائیں اور کمر جھکا جھکا کر کہا کہ بیٹھ پر نگہ دارو۔ یہ دستور تمام افغانستان میں ہے۔

پوستین رات کو میں نے غزنی کے حاکم سے کہا تھا کہ میں غزنی کے پوستین خریدنے چاہتا ہوں۔ صبح زیارتوں سے واپس آیا تو بہت سے دکاندار مختلف قسم کے پوستین لیے ہوئے

قلعہ غزنی کے دروازہ پر کھڑے تھے۔ بڑے بھی تھے۔ چھوٹے
بھی تھے۔ بڑے پوستین ستر روپے کابلی قیمت کے تھے۔
اور چھوٹے پوستین کم قیمت کے تھے جو نیمہ آستین کی شکل
کے تھے۔ میں نے سات پوستین بیس بیس روپے کابلی میں
خریدے۔ اس کے بعد نالہ کا پانی منگا کر پیا۔ بہت صاف
اور بہت مزہ دار تھا۔ خنکی برف سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔
ان سب کاموں سے فارغ ہو کر موٹر میں سوار ہوا اور
غزنی اور اس کے قلعہ کو آخری نظروں سے دیکھتا ہوا
روانہ ہوگیا۔ زندگی ہے تو پھر کبھی اس تاریخی مقام پر
آؤں گا۔ اگر غزنی کی عمارتیں قائم ہوتیں تو میں آٹھ دن
یہاں ٹھہرتا۔ لیکن اب سوائے مزارات کے کوئی چیز بھی
باقی نہیں ہے۔ اسواسطے زیادہ ٹھہرنا فضول تھا۔ موٹر
چلی تو میں بہت دیر تک غزنی کے نظارہ کو دیکھتا رہا۔
سڑک یہاں بھی بُری نہیں ہے۔

رستہ کی منزلیں کابل سے غزنی تک چار منزلیں
آتی ہیں۔ گویا گھوڑے اور اونٹ پر آنے والے یا پیدل
چلنے والے چار دن میں کابل سے غزنی پہنچتے ہیں۔ پہلی
منزل کا نام **مہتاب قلعہ**۔ دوسری منزل کا نام
میدان۔ اور تیسری منزل کا نام **دشت توپ**
اور چوتھی منزل کا نام **وردک** ہے۔

اور غزنی سے مُقُر تک تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل
نانی۔ دوسری **موشکی** تیسری **جوئے آہن**۔
اور مُقُر سے قلات تک بھی تین منزلیں ہیں۔ پہلی
آغوجان۔ دوسری **شہ جوئے**۔ اور تیسری
سراسپ اور قلات سے قندہار تک پانچ منزلیں
ہیں۔ پہلی **جلدگ**۔ دوسری **تیرانداز**۔ تیسری
شہر صفا جسکو خاک بلخ بھی کہتے ہیں۔ چوتھی **مانجھا**
پانچویں **مومند**۔ اور قندہار سے چمن تک بھی پانچ
منزلیں ہیں۔ پہلی قلعہ ڈب۔ دوسری تختہ پل۔
تیسری **میل**۔ چوتھی **ڈبری**۔ پانچویں **قلعۂ
جدید**۔

غزنی سے دس بجے کے قریب روانہ ہوا تھا۔ ایک
بجے کے بعد مُقُر پہنچا۔ یہ جگہ بھی بہت ٹھنڈی ہے۔ کیونکہ
بہت زیادہ بلندی پر ہے۔ یہاں ایک بہت اچھا
ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے۔ جس کا فرنیچر بھی اعلےٰ درجہ کا
ہے۔ یہاں افغانوں کی ایک فوج رہتی ہے۔ فوج
کے کرنل صاحب کے نام کابل سے ٹیلیفون آگیا تھا اور
غزنی کے حاکم نے بھی اطلاع دیدی تھی۔ اس واسطے
انہوں نے کھانا تیار کر رکھا تھا۔ ان کا نام کرنل محمد عسکر
خاں ہے۔ ایک اور افغان فضل احمد خاں بھی یہاں
ملے جو ہوائی جہاز میں جہاز ران ہیں۔ یہاں قد آدم
آئینے لگے ہوئے ہیں۔ آج میں نے بھی کئی ہفتہ کے بعد

اپنی شکل آئینہ میں دیکھی۔ اگرچہ دن میں تین دفعہ خون آتا ہے پھر بھی آب وہوا کی یہ خوبی ہے کہ چہرہ پر سرخی نظر آئی میں حیران ہوگیا کہ بیس برس سے صحت اتنی خراب ہے کہ کبھی چہرہ پر سرخی نہیں دیکھی تھی۔ یہاں کیا طلسم ہوگیا کہ چہرہ پر خون چمک رہا ہے۔

کرنل محمد عسکر خاں صاحب کے ساتھ حضرت خواجہ بہاء الدینؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا۔ مگر مزار ڈاک بنگلہ سے بہت دور تھا۔ موٹر وہاں نہ جا سکتی تھی۔ بابا قربان نے کہا تھا کہ حضرت خواجہ بہاء الدینؒ نقشبند کا مزار مُقُر میں ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ان کا مزار بخارا میں ہے۔ یہ کوئی اور خواجہ بہاء الدین صاحب ہوں گے۔

چار سو روپے کی لکڑیوں سے چاء پکائی

کرنل صاحب نے ایک بہت دلچسپ قصہ سنایا کہ بچہ سقہ کی فوج ایک دفعہ مُقُر کے ڈاک بنگلہ میں آکر ٹھہری۔ اس وقت چاء پکانے کے لئے لکڑیاں اور کوئلے ڈاک بنگلہ میں نہ تھے۔ انہوں نے ٹیلی فون کا صندوق جو چار سو روپے کی قیمت کا تھا توڑ کر جلا دیا۔ اور اس سے چاء پکالی۔

ٹیلی فون میں شیطان بولتا ہے

بچہ سقہ کے فوجیوں کا عقیدہ تھا کہ ٹیلیفون میں شیطان بولتا ہے۔ خیر وہ تو جاہل اور جنگلی تھے۔ میں دتی والا بھی ٹیلی فون کو ہمزاد سمجھتا ہوں کیونکہ ہمزاد بھی رات کو سونے نہیں دیتا اور ٹیلی فون کی گھنٹیاں بھی رات کو نیند میں خلل ڈالتی ہیں۔

مُقُر میں کھانا بہت مزہ دار تھا اور بھوک بھی خوب تھی لیکن سردی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں اکڑے جاتے تھے۔ کھانا کھا کر گرم گرم چاء پی۔ یہاں بے دودھ کی سبز چاء پیتے ہیں۔ شکر بھی ڈالتے ہیں اور بے شکر کی بھی پیتے ہیں۔ پھیکی چاء کو تلخ چاء کہتے ہیں۔ یہ سبز چاء دہرہ دون اور امرت سر کانگڑہ کے علاقہ سے جاتی ہے افغانستان کے ہر شہر اور قصبہ میں چاء کی دکانیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ جہاں یہ چاء پڑیوں میں بکتی ہے۔

کھانا کھا کر دو بجے مُقُر سے روانہ ہوا۔ مجھے قلعہ بختیار کی تلاش تھی۔ جہاں سید ہیبت خاں نامی کوئی رئیس رہتے ہیں۔ دہلی میں سلطان محمد صاحب نے جن سے میری ایک قرابتدار لڑکی کا نکاح ہوا ہے مجھے ایک خط سید ہیبت خاں کے نام دیا تھا۔ سید ہیبت خاں سے سلطان محمد صاحب کی بہن منسوب ہیں اور دس بارہ سال سے ان کی خبر نہیں آئی نہ کسی خط کا جواب آیا۔ سلطان محمد صاحب نے بتایا تھا۔ کہ

مُقُر سے ایک میل آگے لب سڑک قلعہ بختیار ملتا ہے۔
میں نے مُقُر میں دریافت کیا تو کسی کو قلعہ بختیار کا حال
معلوم نہ تھا اس لئے مُقُر سے ایک میل آگے بڑھ کر پیدل
چلنے والے مسافروں سے قلعہ بختیار کا حال پوچھا۔ انہوں
نے کہا وہ سامنے نظر آتا ہے۔ میں نے دیکھا ایک بڑی
دیوار ہے اور اس کے اندر بہت اونچے اونچے درخت
چنار کے اور میوہ کے نظر آتے ہیں۔ آبادی سڑک سے
چند فرلانگ دور معلوم ہوتی تھی اس واسطے میں نے مستری
حبیب خاں نظامی اور سید مومن کو بھیجنا چاہا۔ کیونکہ موٹر
کا راستہ معلوم نہ ہوتا تھا۔ مگر سلطان جان ڈرائیور نے
کہا۔ میں موٹر کو لے جاؤں گا۔ چنانچہ وہ بہت دشواری
کے ساتھ موٹر کو سڑک سے اُتار کر قلعہ بختیار کی طرف
لے گیا۔ موٹر تین میل چلتی رہی۔ راستہ بہت خراب
تھا۔ نالے بھی تھے اور گڑھے بھی تھے لیکن قلعہ بختیار اُتنی
ہی دور نظر آتا رہا جتنی دور سڑک سے معلوم ہوتا تھا۔
میں نے کہا یہ قلعہ جادو کا قلعہ معلوم ہوتا ہے۔ موٹر روک دو۔
اور یہ دونوں جاکر خط دے آئیں۔ چنانچہ وہ دونوں
ڈرائیور کے ساتھ قلعہ بختیار میں گئے اور میں اکیلا موٹر
میں بیٹھا رہا۔ ایک گھنٹہ کے بعد واپس آئے اور اُن
کے ساتھ دو افغان بھی تھے۔ جن میں سے ایک کا نام
گلزار علی تھا۔ گلزار علی نے اُردو زبان میں بات کی اور
کہا کہ سید ہیبت خاں اور ان کی بیوی یعنی سلطان محمد
صاحب کی بہن کا دس سال ہوئے انتقال ہو گیا۔ مرحومہ
کے دو بچے تھے وہ بھی مر گئے۔ اس کے بعد گلزار علی صاحب
نے سیب نذر کئے اور اصرار کیا کہ آج رات کو ہمارے
ہاں ٹھہریئے۔ میں نے کہا۔ قلعہ قلات میں اطلاع دے چکا
ہوں۔ رات کو وہاں ٹھہروں گا۔ وہ اصرار کرتے رہے
مگر میں عذر کرکے واپس ہوا۔ واپسی میں راستہ گم ہو گیا
ہم چاروں آدمی موٹر سے اُتر کر راستہ تلاش کرنے کے
لئے منتشر ہو گئے۔ مگر جہاں جاتے تھے نالے اور غار نظر
آتے تھے۔ موٹر کا راستہ نہ ملتا تھا۔ ایک گھنٹہ تک حیران
پریشان پھرتے رہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر یہاں شام
ہو گئی تو قلات تک پہنچنا ناممکن ہو جائے گا۔ کیونکہ رات
کے وقت راستے بہت مخدوش ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ
نادر شاہ کے زمانہ میں چوروں اور ڈاکوؤں کا پورا انسداد
ہو گیا ہے تاہم رات کے وقت اب بھی خطرہ رہتا ہے۔
اور یہ خطرہ تو انگریزی علاقہ میں بھی ہر جگہ موجود ہے۔ میں
دہلی سے درگاہ میں جاتا ہوں تو تین چار میل کا راستہ
بھی رات کے وقت مخدوش ہو جاتا ہے۔ بہرحال راستہ
نہ ملنے کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔ آخر مجھے مایوسی ہو گئی۔
اور ارادہ کیا کہ قلعہ بختیار میں رات گزارنی چاہئے۔
یکایک مجھے ایک طرف صاف زمین نظر آئی اور میں نے

رومال کے اشارہ سے ڈرائیور کو بلایا۔ چنانچہ ڈرائیور موٹر
لے کر بڑی دشواری کے بعد اس صاف زمین کی طرف
آیا اور خدا خدا کرکے ہم سب نے مل کر موٹر کو بڑی سڑک
پر چڑھایا۔ اس پریشانی میں دو گھنٹے ضائع ہو گئے اور
ہم چار بجے کے بعد قلات کی طرف روانہ ہوئے۔ اگر یہ
دو گھنٹے ضائع نہ ہوتے تو مغرب کے وقت قلات پہنچ جاتے
مگر رات ہم کو راستہ میں ہو گئی۔ اونچے اونچے پہاڑ۔
ایک طرف دریا اور غار دوسری طرف سڑک کے موڑ
جہاں ایک شخص بندوق لیکر بیٹھ جائے تو سو دو سو مسلح
سواروں کو ختم کر سکتا ہے۔ بہت فکر ہو گیا۔ ڈرائیور بھی
پریشان تھا۔ اگرچہ وہ اور سید سوسن پستول اور کارتوسوں
کی پیٹیاں پہنے ہوئے تھے۔ پھر بھی راستہ کے خطروں سے
ڈرتے تھے۔ قصہ مختصر اللہ کی مدد مانگتے ہوئے اس لق و
دق جنگل میں موٹر دوڑ رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں
دور سے ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ چور اور ڈاکو سڑک روکے
کھڑے ہیں۔ چاند نکل آیا تھا اور موٹر کی روشنی بھی تیز تھی
اندھیری رات ہوتی تو بہت زیادہ خطرہ تھا۔ رات
کو ساڑھے آٹھ بجے قلات میں پہنچے۔

ایک قلات بلوچستان میں ہے جہاں کا خان قلات
مشہور ہے اور جو انگریزوں کے ماتحت ہے۔ یہ قلات افغانستان
میں ہے اور بہت تاریخی مقام ہے۔ یہاں غدر سے پہلے
انگریزوں اور افغانوں کی بڑی بڑی لڑائیاں ہوئی ہیں۔
یہاں کے حاکم محراب خاں کو انگریزوں نے قتل کر دیا تھا۔
محراب خاں کا ایک نابالغ لڑکا تھا اس نے قسم کھائی کہ
کہ اپنے باپ کا انتقام لوں گا۔ بچہ کی ہمت دیکھکر اسکی
بیوہ ماں اور قوم نے ساتھ دیا اور وہ بچہ انگریزی فوج
سے خوب لڑا اور بہت سے انگریزوں کو قتل کر کے قلات
کا قلعہ چھین لیا۔

قلات میں پہنچکر معلوم ہوا کہ قلات کے حاکم رفیق محمد
خاں استغفار کرکے سو گئے۔ ان کے بھائی عیدی گل صاحب
موجود تھے۔ انہوں نے کھانا کھلایا۔ ہم سب بہت تھک
گئے تھے کیونکہ دو منزل چلکر آئے تھے۔ ورنہ عام طور سے
موٹریں غزنی سے چل کر رات کو مُقُر میں رہتی ہیں اور
مُقُر سے چل کر قلات میں شب باش ہوتی ہیں۔
قلات غزنی سے بھی زیادہ ٹھنڈی جگہ ہے۔ راستہ کی
سردی سے میرا نزلہ بڑھ گیا۔ اور یہاں آکر خون بھی آ
آیا۔ یہاں پانی بھی دور سے آتا ہے۔ رات کو بس ایک
صراحی پانی میں ہم نے گزارہ کیا۔ نماز تیمم سے پڑھی۔
عیدی گل صاحب بہت خلیق اور ملنسار شخص ہیں۔ یہاں
چارپائی نہیں ملی۔ زمین پر بستر کرکے سوئے۔ مکان کچا
تھا اور اس کے چاروں طرف مسلح فوجی پہرہ تھا۔ سردی
اتنی تھی کہ باوجود نرم اور گرم بستر کے ایسا معلوم ہوتا تھا

کہ میں برف میں لیٹا ہوں - نزلہ کی تکلیف اور سفر کی تکان غالب تھی - لیکن جب طرح ممکن ہوا رات گزر گئی -

۲۸ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء

قلات کی صبح

سورج کی کرنوں نے شیشہ کے اندر چمک دکھائی تو آنکھ کھلی - میں بھی آج افغان بن گیا - جلدی بیدار نہ ہوسکا - مسٹری حبیب خاں نظامی اور سید مومن اور سلطان جان ڈرائیور باہر کے کمرہ میں تھے اور میں اکیلا اندر کے کمرہ میں تھا - باہر والے مجھ سے پہلے بیدار ہوئے اور موٹر کو صاف کرنے کے لئے چشمہ پر لے گئے کیونکہ موٹر پر راستہ کی گرد نے دو چاول موٹی خاکی چادر اڑھا رکھی تھی - پانی یہاں سے دور ہے اس لئے موٹر کو وہیں لے گئے -

میں نے نزلہ کی دوا اور بواسیر کی دوا استعمال کی - پھر باہر دھوپ میں پون گھنٹہ چہل قدمی کرتا رہا - ڈاک بنگلہ کا حلقہ بڑا ہے - باغ کا نقشہ ہے - لیکن پانی کی کمی کے سبب سرسبزی نہیں ہے - ہوا بہت تیز چل رہی ہے - سردی اتنی ہے کہ دہلی میں اتنی ہو تو پارہ ۳۸ درجہ پر آجائے -

موٹر صاف ہو کر آئی - اسباب باندھا گیا - رفیقوں نے چاء پی - میں نے فقط دہلی کی تلی ہوئی دال کھائی جو دہلی سے ساتھ آئی ہے - گوشت سے بچنے والے ملک کی نشانی ہے - یہاں افغانوں کو دیتا ہوں تو وہ بھی "خوب است" کے لفظ سے تعریف کرتے ہیں - لیکن جب مسور کی دال بھی ان کو دیتا ہوں جس پر لال مرچیں چڑھی ہوئی ہیں تو دو دانے منہ میں ڈالتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور "آئی آئی" کی صدا بلند ہونے لگتی ہے - یہ لوگ لال مرچیں نہیں کھاتے - میں بھی کم کھاتا ہوں مگر منہ کا مزہ بدلنے اور خواجہ بانو کی پسندیدہ مرچوں کو یاد رکھنے کے لئے مرچوں کی دال بھی ساتھ لایا ہوں -

سنہ ۱۹۱۱ء میں بیت المقدس گیا تو عبد القادر صاحب درزی ساتھ تھے اور وہی کھانا پکاتے تھے - مسجد اقصےٰ کے معلّم صاحب کو بھی میں شریک طعام کر لیتا تھا اور یہ بات عبد القادر صاحب کو ناگوار تھی - ایک دن انھوں نے دانستہ مرچیں زیادہ ڈال دیں - عرب صاحب نے ایک نوالہ منہ میں رکھا تھا کہ تلملا کر کھڑے ہو گئے اور دوسرا نوالہ نہ کھا سکے اور پھر تین دن تک ملنے نہ آئے - معلوم ہوا ایک ہی نوالہ نے پیچش میں مبتلا کر دیا تھا -

نو بجے صبح قلات سے موٹر قندھار کی طرف چلی - پہاڑ کی چوٹی پر جو قلعہ ہے میں اس کو دیکھتا ہوا قلات سے رخصت ہوا - سردی دھوپ کی تیزی کے باوجود

اپنا دبدبہ دکھا رہی ہے اور ہم سب موٹر میں کپڑوں کے اندر لپٹے بیٹھے ہیں۔

قندھار چلو قندھار چلو موٹر دوڑ رہی ہے۔ راستہ پھر خراب آرہا ہے۔ کابل سے غزنی تک اچھا تھا۔ غزنی سے مُقُر تک خاصہ تھا۔ مُقُر سے قلات تک غنیمت تھا اور قلات سے قندھار تک سڑک خراب ہے۔

دس پندرہ میل کے بعد گرمی شروع ہوئی کیونکہ قندھار ہمارے ملک کی طرح گرم ہے۔ قلات کی سردی ختم ہوگئی۔ میں نے ایک ایک کے سب گرم کپڑے اُتار دیئے۔

وہ تو قندھار ہے دور سے مٹی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے مٹیالے گنبد دکھائی دیئے۔ سید مومن سے پوچھا۔ وہ کس کے مقبرے ہیں؟ سید مومن نے کہا مقبرے نہیں وہ تو قندھار ہے۔ کیونکہ قندھار میں سب مکان گنبد نما بنائے جاتے ہیں۔ امیر غریب سب باشندے اس کے گنبد میں رہنا چاہتے ہیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ ملک بھی طرح طرح کی دلچسپیاں رکھتا ہے۔

ہوائی جہاز کا میدان پہلے سڑک کے کنارے ہوائی جہاز کا میدان آیا۔ جہاں ایک پکا مکان بھی بنا ہوا ہے۔ جست کی چھت معلوم ہوتی ہے۔ میدان بھی بڑا اور وسیع ہے۔ اس میدان کے بعد قندھار شہر کے اندر موٹر داخل ہوئی۔ اور بڑے بازار کے اندر سے گزری۔ بازار سیدھا اور رونق دار تھا۔ دکانیں بھی آباد معلوم ہوتی تھیں۔ بازار پٹا ہوا نہیں تھا۔ سڑک چوڑی تھی بازار ختم ہوا تو ایک چوراہہ آیا جو پٹا ہوا ہے اسکو "چارسو" کہتے ہیں۔ اس چوک کے چاروں سمت لمبے لمبے بازار ہیں۔ رنگون کی طرح بازاروں کی تقسیم ہے۔ موٹر چارسو کے شمال کی طرف مڑی۔ اس کو "شاہ بازار" کہتے ہیں۔ کیونکہ مجاہد اعظم غازی احمد شاہ ابدالی کا مزار اسی رُخ ہے اور قندھار کے حاکم کا مکان اور عدالتیں اور سرکاری عمارتیں بھی ادھر ہی ہیں۔ موٹر سرکاری عمارت کے قریب جاکر ٹھہری۔ سامنے مجاہد اعظم کا گنبد اور خرقہ شریف کا گنبد نظر آرہا تھا۔ تھوڑی دیر میں مہمان خانہ کے ملازم آگئے اور ہم کو اسباب سمیت مہمان خانہ میں لے گئے۔

یہ مکان کابل و غزنی و مُقُر و قلات کے سب مہمانخانوں سے بڑا اور وسیع اور شاندار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دہلی کا کمرہ زینت محل۔ اندر صحن میں حوض اور چمن بھی ہے مگر مکان پُرانا ہے۔

بہت تھک گیا تھا۔ وضو کرکے کچھ دیر آرام کیا۔ پھر کھانا کھایا۔ مہمان دار بہت اچھے، کم سخن مگر خدمتگزار آدمی ہیں۔

کھانے کے بعد پھر لیٹ گیا۔ گرمی معلوم ہوتی ہے نزلہ میں کمی ہوگئی ہے مگر بواسیر کا خون برابر آرہا ہے۔

چہل زینہ عصر کے بعد قندھار کی سیر کو نکلا۔ بازار سے کتابیں بھی خریدنی تھیں۔ مگر بازار میں جاکر حیرت ہوئی کہ عصر کے بعد ہی دکانیں بند ہوگئی تھیں۔ مشرقی شہروں میں ہر جگہ مغرب سے پہلے بازار بند ہوجاتے ہیں۔ البتہ قندھار میں شاہ بازار عشا کے وقت تک کھلا رہتا ہے۔

سڑک کے دونوں طرف ڈیڑھ فٹ چوڑی دو فٹ گہری نالیاں بنی ہوئی ہیں جن میں پہاڑی چشمہ کا پانی بہتا رہتا ہے۔ اور لوگ اس پانی سے وضو بھی کرتے ہیں اور بازار کی ضرورتیں بھی پوری کرتے ہیں۔ سڑک بہت چوڑی ہے اور ان نالیوں کے بعد پیدل چلنے والوں کے لئے ایک بہت اچھی پٹری ہے اور پٹری کے کنارہ پر دکانیں ہیں۔ ان چھوٹی نہروں سے بازار کی رونق بہت بڑھ گئی ہے۔ یہاں ہندو دکاندار بھی زیادہ ہیں۔ یعنی کابل اور غزنی سے زائد ہیں۔ ورنہ مسلمان دکانداروں کی کثرت ہے۔ ایک ہندو کپڑے والے کی دکان پر بیٹھکر میں نے کپڑے دیکھے۔ یہ سندھ کا رہنے والا ہے۔ دکان شاندار ہے۔ کتابوں کی بھی چند دکانیں کھلی ہوئی تھیں مگر کوئی اچھی کتاب نہیں ملی۔ اسواسطے بازار سے رخصت ہوکر شہر کے باہر چہل زینہ دیکھنے گیا۔ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے۔ اس میں بابر بادشاہ نے سیڑھیاں بنائی ہیں۔ پہاڑ بہت اونچا ہے

اور یہ سیڑھیاں چوٹی پر ہیں۔ حکومت نے سڑک بنادی ہے جو زینہ کے قریب تک پہنچ جاتی ہے۔ سیڑھیاں بے ڈھنگی اور دو دو فٹ اونچی ہیں۔ میں اوپر نہیں گیا۔ مسٹری حبیب خاں نظامی اور سید مومن اوپر گئے۔ زینہ کے اوپر بابر بادشاہ کا کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ زینہ کے نیچے سڑک بہت چوڑی ہے۔ میں نے اسی جگہ مغرب کی نماز پڑھی۔ ایک قندھاری سوداگر بھی گھوڑے پر سوار وہاں آگیا تھا۔ وہ بھی نماز میں شریک ہوا۔ وہ لمبی داڑھی والا اور بہت مضبوط جسم اور لمبا تڑنگا تھا۔

میں نے کہا۔ اگر میں تم کو جہاد کا حکم دوں تو جہاد کروگے؟ جواب دیا۔ اتنی جلدی تعمیل کروں گا کہ اپنے گھر کی طرف مڑکر بھی نہیں دیکھوں گا۔ آپ کی زبان سے جہاد کا حکم سنتے ہی گھوڑے پر بیٹھ کر روانہ ہوجاؤں گا۔ میں نے کہا۔ دیکھو وہ سامنے احمد شاہ ابدالی کا مزار نظر آتا ہے وہ بھی ایسے ہی مستعد مجاہد تھے کہ جب انہوں نے یہ خبر سنی کہ دہلی کی جامع مسجد کے منبر پر مرہٹے سومنات کی مورت رکھنی چاہتے ہیں تو فوراً قندھار سے گھوڑے پر سوار ہوئے اور پانی پت میں جاکر ٹھہرے۔ ایک منٹ بھی راستہ میں ضائع نہیں کیا۔ مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی امید تھی۔

نماز کے بعد قیام گاہ پر واپس آیا۔ اور آج کی

سردار محمد گل خان صاحب گورنر قندہار
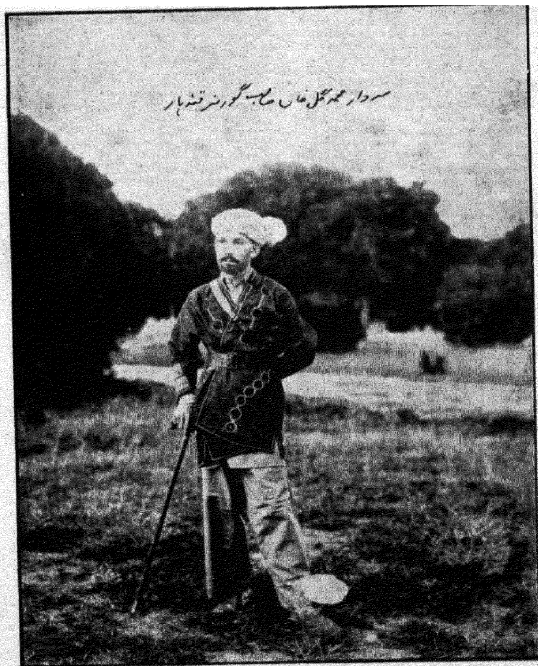
یادداشت لکھی۔

حاکم صاحب کے مکان میں اس کے بعد قندھار کے حاکم صاحب کے مکان پر گیا۔ بہت آراستہ اور شاندار مکان تھا۔ حاکم صاحب نوجوان ہیں اور بڑے ہی شایستہ اور دانشمند اور ذی علم اور تجربہ کار معلوم ہوتے ہیں۔ دو گھنٹے تک باتیں ہوتی رہیں۔ اُردو نہیں جانتے۔ میں ٹوٹی پھوٹی فارسی میں بولتا تھا اور وہ نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں جواب دیتے تھے۔ نو بجے کھانے کی میز پر گئے۔ جو ہر قسم کے عمدہ کھانوں سے سجی ہوئی تھی۔ کھانے کے بعد بھی دو گھنٹہ تک باتیں ہوئیں اور رات کو گیارہ بجے حاکم صاحب سے رخصت ہو کر قیام گاہ پر آیا۔ راستہ میں فوجی سپاہی بندوق لئے کھڑا تھا۔ اس نے ٹوکا۔ اور فوراً بندوق اٹھائی۔ مہماندار میرے ساتھ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ شاہی مہمان ہیں۔ سپاہی جست کر کے آگے بڑھا اور بولا میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں۔ اگر تم رات کا جملہ نہیں بتاؤ گے تو میں حکم کے موافق گولی ماردونگا۔ مہماندار نے اس کا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور کان پر منہ رکھ کر کچھ کہا۔ سپاہی ہٹا۔ اور اس نے کہا تم جاسکتے ہو۔ خیر ہوگئی کہ مہماندار ساتھ تھا۔ ورنہ میں کیا جواب دیتا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آج کی رات کا خفیہ جملہ کیا ہے۔ اگرچہ کابل میں یہ تماشہ دیکھ چکا تھا۔ لیکن یہاں آکر بھول گیا تھا۔ مہماندار ساتھ نہ ہوتا اور سپاہی اپنے فرض کو ادا کر دیتا تو میں غازی احمد شاہ ابدالی کے مقبرہ میں دفن ہو جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت ہی اچھی بات تھی۔ کیونکہ میں احمد شاہ ابدالی اور محمود غزنوی اور عالمگیر اور زیب سے اتنی محبت رکھتا ہوں کہ اگر میری قبر ان تینوں کے پڑوس میں بن جائے تو میری روح کو بہت خوشی ہو۔ ورنہ کم از کم ٹیپو سلطان کی قبر کے قریب مجھے دفن کیا جائے تب بھی مجھے بہت خوشی ہوگی۔ کیونکہ ان سے بھی مجھے بہت محبت ہے۔

بقیہ رات گیارہ بجے کے بعد سویا۔ دن کو گرمی تھی مگر رات کو خنکی ہوگئی تھی۔ کمرہ کے اندر سویا۔ جہاں سے آسمان نظر آرہا تھا۔ صبح کے وقت ایک ہلکی سی رُلائی بھی اوڑھی۔ بالکل دہلی جیسا موسم ہے۔ طبیعت بشاش ہے۔ معلوم ہوتا ہے کابل اور غزنی کی سردی سے نزلہ کی زیادتی تھی۔ اور طبیعت بھی افسردہ رہتی تھی۔ قندھار کا موسم چونکہ گرم ہے اس واسطے طبیعت میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ آج کی رات میں ایک شہر میں ہوں جو افغانستان میں کابل سے بھی زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا ہے اور جو بہت ہی پرانا تاریخی مقام ہے

۲۹ ستمبر ۱۹۳۱ء قندہار

قندہار میں ہوں
گندہار میں ہوں

اس شہر میں رات ختم ہوئی اور صبح کا نور چمکا۔ جس کو مسلمان قندھار کہتے ہیں اور ہندو گندھار۔

ان کی پرانی کتابوں میں اس شہر کا اکثر جگہ گندہار کے نام سے ذکر آیا ہے۔ یہ شہر وسط ایشیا اور ہرات سے آنے والے آریوں اور ہندوؤں کا دروازہ تھا۔ یہیں سے ہندوستان میں داخل ہوتے تھے۔

بیدار ہوتے ہی تصورات نے مجھے گھیر لیا۔ یہ سفر ایک خواب و خیال معلوم ہوتا ہے۔ دہلی پہنچ جاؤنگا تو یقیناً افغانستان کی سیاحت ایک خواب خیال ہو جائے گی۔ دنیا کی سب ہی چیزیں خواب و خیال ہیں۔ اور یہ دنیا بھی کسی معشوق کا ایک خواب ہے۔ ایسا معشوق جس نے قرآن مجید میں فرمایا ہے :-

لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

(اس کو اونگ اور نیند نہیں آتی) خواب کا لفظ تو ایک انسانی لفظ ہے۔ اس واسطے مجبوراً اس "جانِ جہاں" کے لئے استعمال کرنا پڑتا ہے۔

دائیں طرف دیکھتا ہوں تصور کھڑا ہے۔ بائیں طرف گردن موڑتا ہوں تصور موجود ہے۔ آگے اور پیچھے۔ نیچے اور اوپر۔ ہر طرف خیالوں اور تصوروں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ کوئی کہتا ہے ایرانیوں کا زمانہ یاد کر کہ وہ بھی قندہار سے گزر کر ہندوستان گئے تھے۔ کوئی کہتا ہے یونانیوں کی فوجوں کو دیکھ کہ یہاں کدھر سے گزری تھیں۔ کہیں سے آواز آتی ہے۔ مسلمانوں کے ابتدائی زمانہ کے بادشاہوں کو بہت دیکھا۔ مغلوں کے دور کو بھی دیکھ۔ ہمایوں کا بھائی عسکری مرزا قندھار کا فرمانروا تھا۔ ہمایوں شیر شاہ کے سامنے سے بھاگا تو قندھار پہنچا۔ قندھار ایک منزل دور تھا کہ خبر آئی۔ عسکری مرزا ہمایوں کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ مجبوراً ہمایوں نے اپنے دودھ پیتے بچہ اکبر کو اناتا کے ساتھ خیمہ میں چھوڑا اور خود ایران کی طرف بھاگ گیا۔ عسکری مرزا اکبر کو قندھار میں لایا۔ کچھ دن یہاں پرورش کی پھر اپنے بھائی کامران مرزا کے پاس کابل میں بھیجدیا۔

قندھار ہی وہ شہر ہے جہاں سے احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر یلغاریں کیں اور پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی ساری قوت ختم کردی۔

اس سے بھی آگے بڑھ۔ قندھار ہی وہ شہر ہے جہاں غازی امان اللہ خاں افغانستان کی حکومت کو آخری سلام کرتے ہوئے ہندوستان گئے اور وہاں سے یورپ پہنچے۔

تو سیاست ہی میں کیوں الجھتا ہے روحانیت کو بھی دیکھ۔ بڑے بڑے علماء اور بڑے بڑے فقراء قندہار

ہی کے راستہ ہندوستان میں آئے اور اپنے ملک کا نام روشن کیا۔

کیا تجھ کو یاد نہیں کہ تیرے جسم میں جن کا خون ہے اور جن کا نام سید بدرالدین اسحاق رض تھا۔ اور جو حضرت بابا فریدالدین گنجشکر رض کے داماد تھے وہ بھی غزنی میں پیدا ہوئے تھے اور غزنی سے قندہار آئے اور قندہار سے ہندوستان گئے اور پھر دہلی میں سکونت اختیار کی۔ آج ان کو ساڑھے چھ سو برس کا زمانہ ہو گیا۔ مگر وہ اتنی مدت پہلے بھی بدرالدین اسحٰق رض غزنوی ثم الدہلوی مشہور تھے۔

انگریزی سفارت خانہ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی سب سے پہلے انگریزی سفارت خانہ میں گیا جو حاکم قندہار کے دیوان خاص و عام سے ملا ہوا ایک عمدہ مکان میں ہے اس کو سفارت خانہ نہیں کہنا چاہئیے۔ کیونکہ سفارت خانہ صرف کابل میں ہے۔ بلکہ اس کا نام قونصل خانہ ہے۔

قونصل خانہ میں جاکر معلوم ہوا سید صدیق حسن صاحب خان بہادر آج کل قونصل جنرل ہیں۔ جو سید غلام بھیک صاحب نیرنگ کے حقیقی بھائی ہیں۔ یہ معلوم کرکے بہت ہی خوشی ہوئی۔ کیونکہ میر نیرنگ صاحب سے میرے تعلقات قرابتداروں کی طرح ہیں۔ قونصل خانہ کے ڈاکٹر برکت علی صاحب آگئے اور انہوں نے بہت مدارات کی۔ میں نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب آپ کی مدارات یہ ہے کہ کوئی دوا پلائیے۔ نزلہ نے عاجز کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب فوراً ایک شیشی میں دوا بنا کر لائے۔ اتنے میں خان بہادر سید صدیق حسن صاحب بھی ہوا خوری کرکے آگئے۔ ان سے بھی خوب باتیں ہوئیں اور وہ بھی اپنے بھائی کی طرح نہایت محبت اور اخلاص سے پیش آئے۔ فقیر دوست آدمی ہیں۔ حضرت سید جماعت علی شاہ صاحب کے مرید ہیں۔ پہلے مسقط میں تھے پھر بحرین میں رہے اب قندھار میں ہیں۔ فوراً ناشتہ کا سامان منگایا گیا اور اس میں خوب تکلّف کیا گیا۔ اور جب خاصدان میں پان بن کر آئے تو میں اُچھل پڑا۔ قندہار میں پان کہاں میں دہلی سے پانوں کی دو ڈھولیاں لیکر آیا تھا۔ اپنی ذات سے زیادہ ان پانوں کی حفاظت کرتا ہوں۔ مسٹر حبیب خاں نظامی روزانہ ان پانوں کو دیکھتے ہیں اور صافی کو تر کرتے ہیں۔ گلے ہوئے پانوں کو کترتے ہیں۔ اور ابھی دہلی کے پان اتنے موجود ہیں کہ گھر پہنچنے تک کام دیتے رہیں گے۔ خان بہادر صاحب بھی پان بہت کھاتے ہیں اور خاص اہتمام کے ساتھ روزانہ چمن سے ان کے لئے پان آتے ہیں۔

افغانستان میں اگر مردم شماری ہو اور پان کھائے

والوں کا بھی ایک خانہ رکھا جائے تو تمام افغانستان میں
صرف تین نام پان کھانے والوں کے درج ہوں گے۔
ایک مرتضیٰ خاں نظامی کابل میں۔ دوسرے شہزادہ احمد علی
خاں کابل میں۔ اور تیسرے خان بہادر سید صدیق حسن
قندھار میں۔ خان صاحب عنایت اللہ صاحب کلرک
سے بھی ملاقات ہوئی اور خان بہادر کے ہندوستانی
باورچی سے بھی ملا۔

قندھار کا بازار | تو نصل خانہ سے رخصت ہو کر
قیام گاہ پر آیا۔ اور پھر مہمان دار کی رفاقت میں بازار
گیا۔ کتابیں دیکھیں اور چند کتابیں خریدیں۔ یہاں بھی
جس بازار میں جاتا تھا۔ بازار والے ایک تماشہ بنا لیتے
تھے۔ چاروں طرف جمع ہو جاتے۔ ہاتھ پاؤں چومتے دعائیں کرتے
اور مصری اور نمک پر دم بھی کراتے تھے بعض افغانوں نے
نذریں بھی پیش کیں مگر میں نے کسی سے کچھ نہیں لیا۔
کیونکہ ان لوگوں کی نظروں میں ہندوستانی لوگ
روپے پیسے کی وجہ سے حقیر ہو گئے ہیں۔ میں نہیں چاہتا
تھا کہ ان سے روپیہ لیکر اپنے ملک کو لالچی مشہور کروں۔
قندھار کی تسبیحاں بہت مشہور ہیں۔ مختلف قسم
کے پتھروں سے بنائی جاتی ہیں۔ ایک کالے پتھر کی
چھوٹی سی تسبیح میں نے بھی خریدی۔ پھر ایک ہندو صراف
کی دکان پر گیا اور اس سے قندھار کے ہندوؤں کی
نسبت خوب باتیں ہوئیں۔ یہ ہندو بھی اُردو بولتا تھا۔ اور
اس نے بھی نادر شاہ کی حکومت کی بہت تعریف کی۔

غازی احمد شاہ کا مزار | بازار سے واپس آیا
تو شاہ بازار میں احمد شاہ کے زمانہ کی ایک مسجد بھی دیکھی
اور پھر غازی احمد شاہ کے مزار پر گیا۔ بہت شاندار اور
نفیس گنبد بنا ہوا ہے۔ گنبد ہشت پہل ہے۔ گنگ یعنی
دریائی اینٹ سے بنایا گیا ہے۔ اس پر چینی کا کام
بہت عمدہ تھا۔ مگر اب کہیں کہیں سے خراب ہو گیا ہے۔
گنبد کے اندر سنہری کام اور رنگ آمیزی نہایت
ہی اعلیٰ اور خوبصورت ہے۔ غازی احمد شاہ کا مزار
گنبد کے وسط میں نہیں ہے بلکہ غربی سمت ایک پہلو میں
ہے اور اس مزار کے قریب ہی اور بھی کئی قبریں ہیں۔
جو غالباً آٹھ تھیں۔ یہاں ایک کتبہ بھی ہے۔ جس سے
غازی مرحوم کی تاریخ وفات ظاہر ہوتی ہے۔ سنہ ۱۱۸۶ھ
ہیں۔ گنبد کا دروازہ بند تھا۔ میں نے گنبد کے اوپر چڑھکر
غلام گردش کے ایک دروازہ سے مزار کی زیارت کی۔
کیونکہ گنبد کا دربان اس وقت موجود نہیں تھا۔ فاتحہ
پڑھنے کے بعد میں بہت دیر تک غازی ابدالی کے مزار
مقدس کو دیکھتا رہا۔ وہ لمبی ڈاڑھی اور وہ دبدبہ کی
صورت جو تصویروں میں دیکھی تھی۔ آنکھوں کے سامنے
آگئی۔ عجیب قابلیت کا بادشاہ تھا۔ اسی کم معاش اور

جامع خرقہ شریف قندھار میں
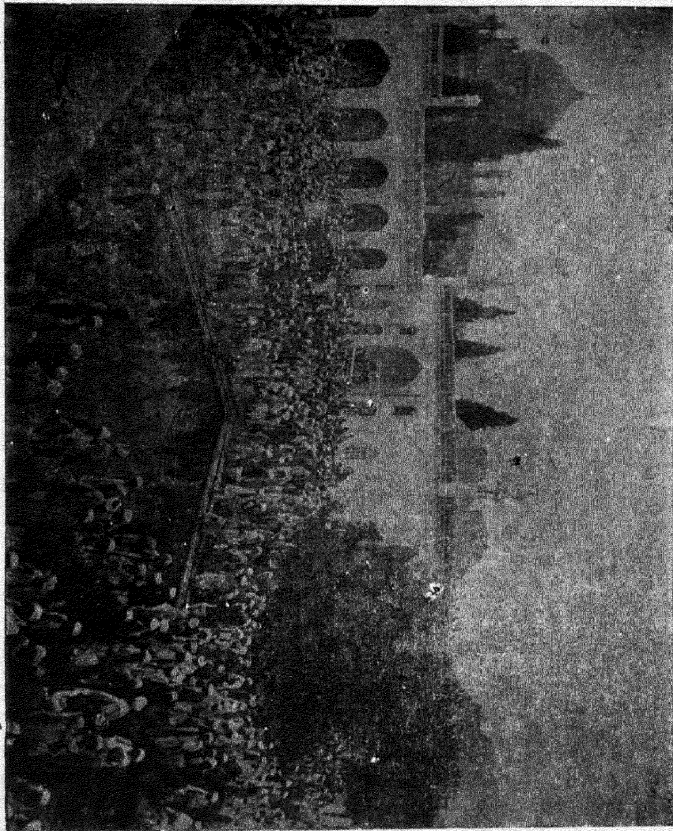
کم آمدنی کے ملک افغانستان کا بادشاہ تھا۔ لیکن اتنی بڑی فوج رکھتا تھا اور اتنا اچھا انتظام تھا کہ ہندوستان کے آخری زمانہ کی تاریخ اس کے ذکر خیر سے لبریز ہے۔ انگریز اور ہندو بھی ابدالی کا نام لیتے ہیں تو ادب اور ہیبت سے لرز جاتے ہیں۔

سلام اے خاک میں سونے والے بادشاہ! تجھ کو سلام۔ اے اللہ پر بھروسہ رکھنے والے! تجھ پر سلام۔ اے اللہ کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے تجھ پر سلام۔ اے تہجد پڑھنے والے اور شمع کے سامنے شراب اور عیش کے گناہ سے بچکر قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے تجھ پر سلام۔ اے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَرُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (منکروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت رحمدل) جیسی صفات رکھنے والے تجھ پر سلام۔ تیری چمکتی ہوئی تلوار کو سلام۔ تیرے بلند نیزہ کو سلام۔ تیری گرجدار توپ کو سلام۔ اور گولی مارنے والی بندوق کو سلام۔ اور اس ہمت اور عزم کو سلام جو صدیوں کے بعد تیرے اندر نظر آیا۔

میرے سلام کو سُن کہ تو خدا کے حکم سے سُن سکتا ہے۔ اور سُن رہا ہے اور سنتا رہے گا۔ میں تیرے سامنے کھڑا ہوں۔ میں ایک مسافر ہوں اور میں ایک مسلمان ہوں۔ اور میں وہ احساس رکھتا ہوں جو دس بیس نہیں، ہزار دو ہزار نہیں، لاکھ دو لاکھ نہیں، کروڑ دو کروڑ میں کبھی کبھی کسی ایک کو مِل جاتا ہے اس احساس کے سیکڑوں کان ہیں اور ہزاروں آنکھیں ہیں اور بے شمار ہاتھ پاؤں ہیں۔ میں اس احساس کے کانوں اور آنکھوں سے یہاں وہ سن رہا ہوں اور وہ دیکھ رہا ہوں جو نہ کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ کوئی سُن سکتا ہے۔ تیری روح جو کچھ مجھ سے کہہ رہی ہے اس کو میں سُن رہا ہوں۔ میں تیری روح کو بے شمار شہیدوں کی ارواح کے ساتھ خالق اعظم کے سامنے سجدہ میں دیکھ رہا ہوں۔ اور غیبی نغموں کی آوازیں بھی سنتا ہوں اور ایک صوت سرمدی بھی یہ کہتی ہوئی مجھ کو سنائی دیتی ہے کہ "یہ میرے بندے ہیں اور یہ میرے ولی ہیں جن کو نہ دنیا میں خوف تھا اور نہ آخرت میں کوئی حُزن وملال ہے۔"

اے بادشاہ! میں تیرے پاس آیا تھا اور اب میں تیرے پاس سے جاتا ہوں اور مجھے صرف ایک دعا تیری روح کے وسیلہ سے خدا کے دربار میں پیش کرنی ہے کہ **افغانستان کا بول بالا ہو اور اسکے فرمانروا نادر شاہ کا بول بالا ہو اور تمام ملت افغان کا بول بالا ہو۔**

گنبد کے باہر آیا۔ اور چینی کے کام کو بہت دیر
تک دیکھتا رہا۔

خرقہ شریف اس گنبد کے قریب ہی خرقہ
شریف کا گنبد ہے جو غازی احمد شاہ کے زمانہ کا ہے۔
اس گنبد میں کچھ تبرکات رکھے ہیں اور ایک خرقہ بھی
ہے۔ یہ عمارت بھی نہایت خوبصورت ہے مگر مقفل
تھی۔ اس واسطے میں نے باہر سے ہی زیارت کی۔ خرقہ
شریف کی درگاہ کے آس پاس بھی افغان امراء کی
بہت سی قبریں ہیں جن پر کتبے بھی لگے ہوئے ہیں۔

قاضی صاحب کا دفتر واپسی میں قندہار
کی کچہریاں دیکھیں اور محکمہ ابتدائیہ کے قاضی مولانا
اختر محمد صاحب سے بھی ملا۔ بہت اچھی وجاہت کے
آدمی ہیں۔ لمبا قد، گورا رنگ، ڈاڑھی خوب بڑھی
ہوئی، چغہ پہنے ہوئے۔ چہرہ پر عبادت کا نور۔ میں
کمرہ کے اندر گیا تو تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اور
اس کے بعد ازراہ مسافر نوازی جھک کر میرے پاؤں
چومے۔ یہ میرے نسب سے واقف تھے۔ حضرت خواجہ
نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رض سے خاص محبت
رکھتے ہیں۔ میں کچھ دیر وہاں بیٹھا۔ ان سے معلوم ہوا
افغانستان میں چور کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔ اور
تمام فوجداری و دیوانی مقدمات میں شریعت پر عمل
کیا جاتا ہے۔ میں نے اسلامی ملک کی یادگار سمجھکر ایک روپیہ
کا وثیقہ شرعی بھی خریدا۔ تاکہ ہندوستانیوں کو معلوم
ہو کہ اسلامی ملک کے قاضیوں کے پاس سرکاری اسٹامپ
کس قسم کا ہوتا ہے۔

مکان پر قاضی صاحب سے رخصت ہوکر اور بھی
کئی محکمے دیکھے اور پھر قیام گاہ پر آیا۔ کھانا کھایا۔ اور
ظہر سے فارغ ہوکر پھر بازار گیا۔

مزار بابا ولی رح مولانا آزاد کی کتاب دربار اکبری
میں دیکھا تھا کہ قندہار میں حضرت حسن ابدال رح کا مزار
ہے اور پشاور کے قریب جو حسن ابدال مقام ہے وہ
حضرت کی چلہ گاہ ہے۔ میں نے لوگوں سے حضرت
حسن ابدال کا مزار دریافت کیا۔ مگر کوئی شخص ٹھیک
پتہ نہ بتا سکا۔ اور کہا کہ یہاں بابا ولی رض کا مزار بہت
مشہور ہے اور ان کا ایک ہاتھی بھی ہے۔ جو کئی
ہزار گز لمبا چوڑا ہے۔ کئی ہزار گز لمبے چوڑے ہاتھی
کا نام سنکر مجھے بہت تعجب ہوا۔ چنانچہ عصر کے بعد
مستری حبیب خاں نظامی اور سید مومن کے ساتھ
اس مزار کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں
حاکم صاحب کے نائب بھی مل گئے جو بڑے روشن
خیال نوجوان ہیں۔ انہوں نے بھی مہربانی کرکے
میرے ساتھ چلنا قبول کیا۔ اور ہم سب موٹر میں سوار ہوکر

قندھار سے باہر گئے۔ راستہ میں جگہ جگہ انگوروں کے خالی ٹوکرے انبار کے انبار نظر آئے۔ اور ان کے اوپر باندھنے کی گھاس کے ڈھیر بھی دیکھے۔ قندھار میوہ کی بہت بڑی منڈی ہے۔ روزانہ پینتیس لاریاں میوہ کی بھر کر چمن جاتی ہیں۔ گدھوں اور اونٹوں پر بھی میوہ جاتا ہے۔

پندمیل کے بعد وہ پہاڑ نظر آیا۔ جس کو باباولی کا ہاتھی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ جیسے ہاتھی بیٹھا ہوا ہے۔ خوش اعتقاد لوگوں نے باباولی کا ہاتھی مشہور کر دیا۔ بہت اونچی چڑھائی پر چڑھنے کے بعد پہاڑ کی چوٹی پر حضرت باباولی رح کا مزار واقع ہے۔ کشمیر میں گلمرگ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھکر اسی میل کی وادی نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اتنی سرسبز نہیں ہے جتنی سرسبز قندھار کی وادی اس پہاڑ کی چوٹی سے نظر آتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک سو میل تک باغوں کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں۔ جو خوب سرسبز ہیں۔ پہاڑ کے نیچے چار نہریں زور شور سے بہہ رہی تھیں۔ یہ نہریں ارغنداب دریا سے نکالی گئی ہیں اور ان باغوں کو سیراب کرتی ہیں۔ نہروں کا پانی اس زور سے بہہ رہا تھا کہ ایک قدرتی نغمہ معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کہا۔ قرآن مجید میں جنت کے باغوں کا ذکر ہے کہ انکے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ قندھار کی یہ وادی اور سیکڑوں میل لمبے چوڑے باغ اور یہ خوبصورت خدا کی حمد گانے والی نہریں زمین کی ہر بہشت سے اعلیٰ ہیں۔

حضرت باباولی رح کے مزار پر حاضر ہوا۔ سرہانے ایک اونچی لوح پتھر کی لگی ہوئی ہے اور اس پر کتبہ بھی ہے۔ مگر وہ کتبہ باوجود کوشش کے پڑھا نہیں گیا۔ درگاہ کے آس پاس کچھ مکان بھی بنے ہوئے ہیں۔ جہاں جگہ جگہ تازہ خون پڑا ہوا تھا۔ معلوم ہوا زائرین یہاں دُنبے لاکر ذبح کرتے ہیں۔ اور پلاؤ قورمہ پکا کر کھاتے ہیں۔

مکان بنانے کا شوق میں نے حاکم قندھار کے نائب صاحب سے کہا۔ اگر اس جگہ مجھے کوئی زمین ملجائے تو میں ایک مکان بنالوں اور بقیہ زندگی اسی جگہ گزار دوں۔ یہاں کا موسم بھی میرے مزاج کے موافق ہے اور یہ منظر تو ایسا ہے کہ میں نے جہاں جہاں خوبصورت مناظر اپنی عمر میں دیکھے ہیں کوئی بھی اتنا اچھا منظر نہیں تھا اور قندھار کے ان مناظر کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔

حاکم صاحب کے ہاں دعوت آج رات کو پھر قندھار کے حاکم صاحب نے مجھے اپنے ہاں مدعو کیا

اور دو تین گھنٹے تک خوب باتیں ہوئیں۔ کھانا بھی بہت مکلف تھا اور حاکم صاحب نے عمدہ دہی کا بھی انتظام کیا تھا اور آج دن کو بھی دہی بھجوایا تھا۔ ایسا متین اور سنجیدہ اور دانش مند اور بے ریا حاکم ہے کہ بے اختیار میرا دل اللہ کا شکر کرتا ہے کہ افغانستان کو اس نے ایسے اچھے حاکم دیئے ہیں۔ گفتگو مختلف مسائل پر ہوئی۔ حضرت اکبر الہ آبادی کے اشعار حاکم صاحب کو بہت پسند آئے اور انہوں نے اپنی نوٹ بک میں لکھے۔

وزیر خارجہ کے چھوٹے بھائی | میرے دوست سردار گل محمد خاں صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ حضرت مولانا سید بلال صاحب دہلوی کے ہمراہ کابل سے قندہار آرہے تھے۔ راستہ میں گھوڑے سے گرے اور ان کی ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ آج حاکم قندہار کے ہاں ان سے ملاقات ہوئی۔ حاکم صاحب بہت احتیاط سے علاج کرا رہے ہیں۔ میں بھی بیمار پرسی کے لئے گیا تھا۔ اور کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا تھا۔

رات کو گیارہ بجے کے بعد قیام گاہ پر واپس آیا۔ آج حاکم صاحب نے کل صبح کے لئے خرقہ شریف اور غازی احمد شاہ کے مزارات کی زیارت کا انتظام کرا دیا ہے۔

خرقہ شریف کی زیارت روزانہ نہیں ہوسکتی۔ خاص دن مقرر ہے۔ مگر کل صبح حاکم صاحب کی مہربانی سے میں خرقہ شریف کی زیارت کرسکوں گا۔ اور کل ہی صبح قندہار سے رخصت ہوکر چمن چلا جاؤنگا۔

آج شام کو برطانوی قونصل صاحب بازدید کے لئے میرے مکان پر آئے تھے۔ مگر میں اسوقت موجود نہیں تھا۔ پاسپورٹوں کی تصدیق انہوں نے کردی ہے۔ اور قندھار کے حاکم صاحب کے ہاں سے بھی تصدیق ہوگئی ہے۔ اب کوئی تکلیف راستہ میں پاسپورٹوں کی وجہ سے نہیں ہوگی۔ رات کو بارہ بجے سویا۔ ڈاکٹر برکت علی صاحب کی دوا سے بہت آرام ہے۔ نزلہ کم ہوگیا ہے۔ نیند بہت اچھی آئی۔ مگر بواسیر کے خون میں کچھ کمی نہیں ہے۔ پاخانے قندہار میں بھی بہت اچھے نہیں ہیں۔ وہی سنڈاس کا رواج ہے۔

۳۰ ستمبر ۱۹۳۱ء

آخری دن | ہر چیز کی انتہا ہے۔ افغانستان کے سفر کی بھی انتہا ہوگئی۔ دہلی میں پروگرام بنایا تھا کہ اگر ہرات اور بلخ اور مزار شریف جانا ہوا تو ۱۵ اکتوبر کو واپس آؤں گا۔ اور اگر ہرات نہ گیا تو اکتوبر کی پہلی تاریخ کو دہلی پہنچ جاونگا۔ کابل کے لئے تین دن رکھے تھے لیکن وہاں آٹھ دن رہا۔ اور غزنی کے

قندھار کی ایک پرانی عمارت
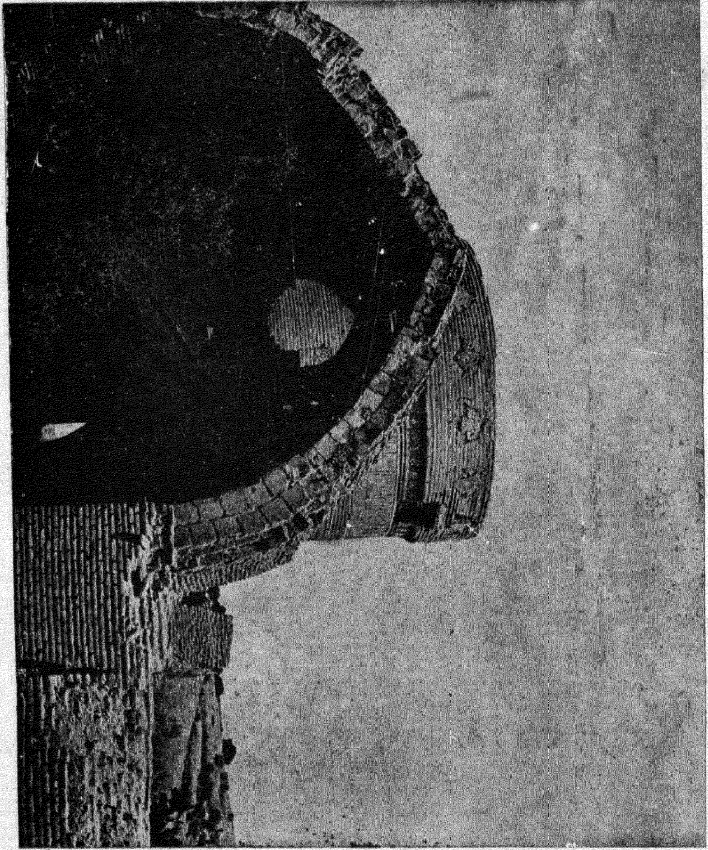
لئے بھی تین دن رکھے تھے لیکن وہاں سے دوسرے دن چلا آیا۔ آج ۳۰ ستمبر کو قندھار سے رخصت ہوتا ہوں۔ راستہ کا حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری یا چوتھی اکتوبر کو دہلی پہنچ جاؤں گا۔

کابل میں صدر اعظم صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ قندہار سے ہرات سات سو میل دور ہے اور راستہ بھی اچھا نہیں ہے۔ کئی دریا راستہ میں آتے ہیں اور موٹر کو کشتی میں سوار کرنا پڑتا ہے۔ سردی کا اندیشہ بھی تھا۔ اس واسطے میں نے ہرات اور چشت اور بلخ اور مزار شریف کا سفر آئندہ سال کے لئے ملتوی کر دیا۔

ہرات کی منزلیں قندہار کے ایک مسلمان ڈرائیور سے معلوم ہوا جو ہرات اور بلخ کا سفر کر چکا ہے کہ قندہار سے ہرات تک حسب ذیل منزلیں موٹر میں آتی ہیں۔ پہلی منزل گرشک۔ دوسری خاش رود۔ تیسری فراہ (فراہ میں حضرت سید محمد صاحب جونپوری کا مزار ہے جنکو پالن پور اور حیدرآباد کے بہت سے مسلمان مہدی موعود سمجھتے ہیں)۔ چوتھی منزل سبزوار۔ پانچویں ہرات۔ ان سب منزلوں میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا غزنی اور مُقُر کے درمیان ہے۔ مگر بعض منزلیں زیادہ بڑی ہیں اور بعض کچھ کم ہیں (مگر میرا خیال ہے کہ منزلیں زیادہ ہوں گی)

چشت شریف ہرات سے مشرق کی طرف تیس چالیس کوس کے فاصلہ پر چشت ہے جہاں سے ہمارا سلسلہ چشتیہ چلا ہے۔

ہرات سے چشت تک گھوڑے اور اونٹ جاتے ہیں۔ ان کی منزلیں حسب ذیل ہیں:۔ پہلی منزل پلوان پیری۔ دوسری شافلان۔ تیسری ادبھا۔ اس کے بعد دو منزلیں اور ہیں پھر چشت ہے۔

خرقہ شریف کی زیارت صبح نماز کے بعد ناشتہ کیا۔ چہل قدمی کی۔ پھر خرقہ شریف کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ حاکم صاحب کی مہربانی سے زیارت کا انتظام ہو گیا تھا۔ یعنی خلاف وقت خرقہ شریف کا گنبد میرے لئے کھلوایا گیا تھا۔ خرقہ شریف کے گنبد کے آس پاس بہت سی قبریں ہیں ان کے کتبے بھی لکھے اور پھر خرقہ شریف کے گنبد میں گیا۔ اندر نہایت عمدہ سنہری اور رنگ آمیزی کا کام تھا۔ نقش و نگار نہایت ہی خوبصورت تھے۔ گنبد کے غربی حصہ میں ایک شہ نشین بنی ہوئی ہے۔ اس کے اندر تبرکات رکھے ہیں۔ جنکو لوگ دور سے دیکھ لیتے ہیں۔ کھول کر دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس واسطے میں نے بھی محض اس جگہ کی زیارت کی جہاں وہ تبرکات رکھتے ہیں۔ اصل تبرکات کو نہ دیکھ سکا۔ اگر میری طرح ہر ایک کو یہ تبرکات کھول

کھول کر دکھائے جاتے تو افغانستان جیسے جوشیلے ملک میں ان تبرکات کا باقی رہنا ناممکن ہو جاتا۔ کیونکہ ایسے جوش و خروش سے ان تبرکات کو چوما جاتا کہ وہ پاش پاش ہو جاتے۔

ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ سلطان غیاث الدین بلبن ملتان گیا تو راستہ میں حضرت بابا فرید الدین گنجشکر رح کی خدمت میں بھی حاضر ہونا چاہا۔ حضرت باباصاحبؒ نے ملاقات سے انکار کر کے فرمایا میں اپنا کُرتہ مکان کی دیوار پر ڈال دیتا ہوں اس کو دیکھ لینا کافی ہے۔ بادشاہ نے بہت عاجزی کی کہ محض مجکو زیارت کا موقع دیدیا جائے۔ باباصاحبؒ نے جواب دیا۔ خدا کے نزدیک بادشاہ و گدا برابر ہیں۔ تم کو اجازت دوں اور تمہاری فوج کے سپاہیوں کو سامنے نہ آنے دوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ اگر تم کو اجازت دونگا تو تمہارے ایک لاکھ سپاہی بھی ملنے آئیں گے۔ اور مجھے ان کے ملنے سے بہت تکلیف ہوگی اور میرا وقت بہت ضائع ہوگا۔ مجبوراً بادشاہ نے خرقہ شریف کی زیارت کو منظور کر لیا۔ اور حضرت باباصاحبؒ نے اپنا پیراہن مبارک دیوار پر ڈال دیا۔ بادشاہ نے اس کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ اس کے بعد فوج نے اس کو چومنا شروع کیا۔ جب ایک لاکھ آدمی کرتہ کو چوم چکے تو دیکھا کہ اس کے صرف چند تار باقی رہ گئے تھے باقی سارا کرتہ بوسوں میں غائب ہو گیا تھا۔ یہی حال قندھار کے تبرکات کا ہوتا۔ اسواسطے افغانستان کی حکومت کا یہ انتظام مجھ کو بہت پسند آیا۔

قندھار سے روانگی

خرقہ شریف اور مقبرہ غازی احمد شاہ کی دوبارہ زیارت کر کے موٹر پر آیا۔ اسباب تیار تھا۔ سب دوستوں اور مہمانداروں سے رخصت ہوا۔ اور نو بجے صبح موٹر قندھار سے روانہ ہوئی۔ چند میل تک سڑک اچھی رہی۔ اسکے بعد ایسی خراب سڑک ملی کہ کابل اور پشاور کی سڑک کی خرابیوں کو بھول گیا۔ اگرچہ اس سڑک پر رات دن لاریاں چلتی ہیں اور گدھے اور اونٹ بھی جاتے آتے ہیں۔ لیکن موٹر کے لئے یہ سڑک بہت زیادہ خطرناک ہے۔ کہیں پہاڑی پتھر ہیں اور کہیں ایک ایک فٹ اور دو دو فٹ کے گڑھے ہیں اور کہیں ریتہ ہے جو لاریوں کی کثرت سے سرمہ ہو گیا ہے۔ موٹر اس ریتہ پر آتی ہے تو پہیے آدھے آدھے ریتہ میں دھنس جاتے ہیں۔ ریتہ اُڑتا ہے تو موٹر کے اندر آتا ہے۔ تمام کپڑے اور سر اور ڈاڑھی کے بال گرد میں چھپ گئے ہیں۔ سامنے سے آنے والی موٹریں گرد و غبار کی وجہ سے نظر نہیں آتیں۔ پہاڑی موڑ توڑ

بھی بہت ہیں۔ قندہار سے چمن تک فاصلہ زیادہ نہیں ہے لیکن راستہ کی خرابی سے سیکڑوں میل کا فصل معلوم ہوتا ہے۔

تختہ پل راستہ میں تختہ پل کی منزل پر چند افسر ملنے آئے اور انہوں نے چاء اور کھانے وغیرہ کی خاطر کی۔ ان کے پاس حاکم صاحب قندہار نے ٹیلیفون بھیجدیا تھا۔ مگر مجھے کھانے اور چاء کی ضرورت نہ تھی۔ شکریہ ادا کرکے روانہ ہوگیا۔

پورے پانچ گھنٹے میں موٹر بڑی دقت اور دشواری کے ساتھ قلعہ جدید کے سامنے پہنچی۔

ریگ سرخ قلعہ جدید سے پہلے ایک سرخ پہاڑ نظر آیا۔ جو سیکڑوں میل تک چلا گیا تھا۔ معلوم ہوا یہ پتھر نہیں ہے بلکہ لال ریت کا پہاڑ ہے جو سیستان تک چلا گیا ہے۔ دور سے اس ریت کی سرخی بہت ہی اچھی معلوم ہوتی تھی۔ پہاڑوں کے دامنوں میں بنفشہ کے پھول کوسوں تک کھلے ہوئے نظر آتے ہیں اور بہت اچھا منظر ان پھولوں کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔

قلعہ جدید ریگ سرخ سے آگے ایک اور اونچا پہاڑ نظر آیا۔ جس کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ ایسا عجیب پہاڑ میں نے آج تک کوئی نہیں دیکھا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی عظیم الشان قلعہ کی فصیل ہے۔ جو سیکڑوں میل تک چلی گئی ہے۔ دور سے یہ پہاڑ بالکل یکساں معلوم ہوتا ہے۔ یعنی دیوار کی طرح سیدھا نظر آتا ہے۔ یہ بلوچستان کے پہاڑوں کی شروعات ہے۔ پہلے افغانوں کا قبضہ کراچی تک تھا تو یہ پہاڑ بھی افغانوں کے قبضہ میں تھے۔ لیکن بہت عرصہ ہوا انگریزی گورنمنٹ نے ان پہاڑوں سے دس بارہ میل آگے بڑھ کر چمن تک اپنا قبضہ کرلیا ہے اور چمن پر ایک چھاؤنی بنائی ہے۔ چمن کی چھاؤنی قلعہ جدید کے سامنے ہے۔ اگر قلعہ جدید سے افغان گولہ باری کریں تو چمن کی چھاؤنی میں گولے پہنچ سکتے ہیں۔ امان اللہ خاں سے جب انگریزوں کی لڑائی ہوئی تھی تو چمن کی فوج نے بے اطلاع قلعہ جدید کی افغان فوج پر حملہ کردیا تھا۔ قلعہ جدید میں اس وقت صرف دو سو سپاہی تھے۔ امان اللہ خاں کے انتظام کی یہ حالت تھی کہ اتنی بڑی قوت سے لڑائی چھیڑی اور سرحدی قلعہ کی فوج کا انتظام نہ کیا۔ نہ اس قلعہ کو لڑائی کی اطلاع بھیجی۔ مگر وہ دو سو افغان بھی ایسے بہادر تھے کہ دو دن تک دس ہزار فوج کا مقابلہ کرتے رہے اور جب تک زندہ رہے قلعہ انگریزوں کے ہاتھ نہ آیا۔ آخر سب فنا ہوگئے تو چند زخمیوں نے جو زندہ بچ گئے تھے اطاعت کرلی۔ اور قلعہ انگریزوں کے

قبضہ میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد جب صلح ہو گئی۔ تو انگریزوں نے یہ قلعہ افغانوں کو دیدیا اور پھر اپنی چھاؤنی میں چلے گئے۔

معلوم ہوا چمن تک انگریزی قبضہ امیر عبدالرحمن خاں کے زمانہ میں یا اس سے بھی پہلے ہو گیا تھا۔ اور امان اللہ خاں کے دور میں محمود طرزی وغیرہ کا ایک ڈیپوٹیشن مسوری پہاڑ پر جن مسائل کی گفتگو کرنے آیا تھا ان میں چمن کی گفتگو بھی تھی۔ افغان چاہتے تھے کہ چمن ان کو مل جائے اور انگریز پہاڑ کے اندر چلے جائیں۔ مگر برٹش گورنمنٹ نے اسکو منظور نہیں کیا۔ لارڈ کرزن بھی چمن کی چھاؤنی دیکھنے گئے تھے۔ چمن کی چھاؤنی کی پوزیشن بڑی مستحکم ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہندوستان بیرونی حملہ کا جواب بڑی کامیابی کے ساتھ دے سکتا ہے۔

غازی محمد بن قاسم، عبدالملک بن مروان کا مشہور سپہ سالار اسی راستہ سے سندھ میں گیا تھا۔

درہ بولان انہیں پہاڑوں میں آتا ہے۔ دور سے یہ پہاڑ ایک دیوار معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن پہاڑوں کے اندر داخل ہونے کے بعد ان کا سلسلہ تمام بلوچستان میں پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

جب میری موٹر قلعہ جدید کے پاس پہنچی تو ۲ بجے کا وقت تھا۔ یعنی قندہار سے قلعہ جدید تک پانچ گھنٹے میں موٹر نے راستہ طے کیا۔ قلعہ جدید سے آگے بڑھ کر جنگی خانہ اور افغان سرحددار کے مکانات ہیں۔ جنگی کے پاس افغان سپاہی انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا۔ قندہار سے ٹیلیفون آیا ہے اور سرحددار صاحب آپ کی ملاقات کے منتظر ہیں۔ میں موٹر کو سرحددار صاحب کے مکان تک لے گیا۔ بہت اخلاق سے ملے۔ سردار عبدالقدوس خاں صاحب مرحوم سابق صدر اعظم افغانستان کے صاحبزادہ ہیں۔ ان کے ایک بھائی سردار حیدر خاں صاحب معین دربار کابل میں ہیں۔ جن کے مکان پر کابل میں اعلیٰ حضرت نے مجھے ٹھہرایا تھا۔ سرحددار صاحب کا نام سردار خداداد خاں صاحب ہے۔ انہوں نے ناشتہ اور چاء کا انتظام کیا۔ اور خوب باتیں کیں۔ بہت خلیق اور ملنسار اور پکے مسلمان ہیں۔

چمن میں سردار خداداد خاں صاحب سے رخصت ہو کر روانہ ہوا تو افغانستان کی حد ختم ہوتے ہی سڑک عمدہ آگئی۔ بہت افسوس ہوا کہ سڑک کی عمدگی اور خرابی انگریزوں کے موافق اور افغانوں کے خلاف ایک بڑا پروپیگنڈا کر رہی ہے۔ ہر مسافر کے دل میں انگریزوں کے انتظام کی وقعت پیدا ہوتی ہے کہ انہوں نے سڑکوں کا کیا عمدہ انتظام کیا ہے۔

چمن میں داخل ہوتے ہی انگریزی پولیس نے موٹر

روکی اور پاسپورٹ دیکھے۔ میں نے قیام کے لئے دریافت کیا۔ پولیس افسر نے بہت اخلاق سے ایک آدمی کو ساتھ کردیا کہ میاں خوشی محمد اللہ دتہ قصاب کے مکان پر لے جاؤ جنہوں نے مسافروں کے لئے ایک بہت اچھا مکان بناکر وقف کردیا ہے۔ اس مکان پر آیا۔ واقعی بہت اچھا تھا اور مسافروں کے آرام کا سامان بھی تھا۔ میں نے اسباب اُتروایا اور مصلّے بچھا کر بیٹھ گیا۔ سفر کی تکان اور خون آنے کی وجہ سے چکّر آرہے تھے۔ ایک پڑوسی افغان نے چشمہ کا پانی لاکردیا۔ جس سے میں نے وضو کیا۔ اس کے بعد مستری حبیب خاں نظامی کو بازار بھیجا کہ کھانے کا انتظام کسی ہوٹل میں کریں اور ممکن ہو تو پالک کا ساگ پکوائیں۔ مستری نے بازار میں جاکر انتظام کیا۔ تھوڑی دیر میں محمد رمضان صاحب قصاب ملنے آئے جو میاں خوشی محمد اللہ دتہ صاحب کے قرابتدار ہیں۔ اور انھوں نے اصرار کیا کہ میرے مکان پر قیام کیجے اور کھانا بھی میرے ہاں کھائیے۔ ان کے بھائی فضل کریم صاحب سید جماعت علی شاہ صاحب کے مرید ہیں اور بہت فقیر دوست آدمی ہیں۔ میں نے کھانے کی دعوت قبول کرلی اور بازار میں کھانے کو منع کردیا تھوڑی دیر میں مسافرخانہ کے بانی میاں خوشی محمد اللہ دتا صاحب بھی آگئے۔ میں نے ان کے کام کی تعریف کی کہ انہوں نے مسافروں کے آرام کے لئے یہ بہت نیک کام کیا ہے۔ کہ ایسا اچھا مکان وقف کردیا۔ یہ سب لوگ پنجاب کے رہنے والے ہیں اور چمن میں گوشت فروشی کرتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد محمد رمضان صاحب کے ساتھ چمن کے بازار دیکھنے گیا۔

غلام رسول صاحب پرشین ٹیچر مڈل اسکول اور شہزادہ سلطان محمود صاحب کسٹم انچارج اور شیخ حیدر بخش صاحب ہیڈ کلرک اور ڈاکٹر محمد حسین صاحب اور فضل کریم صاحب اور بابو سلطان احمد صاحب ٹھیکیدار وغیرہ اصحاب بھی آگئے اور انھوں نے نہایت اخلاق کے ساتھ چمن کے سب مقامات دکھائے اور میرے ساتھ رہے۔ عصر کی نماز مسجد میں پڑھی اور اس کے بعد چمن کے بقیہ حصّہ کو دیکھنے کو گیا۔ یہاں معلوم ہوا کہ چمن اور گلستان اور قلعہ عبداللہ اور پشین ہیں اور کوئٹہ کی قندھاری مسجد میں غازی نادر شاہ کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔

مغرب کے بعد محمد رمضان صاحب کے اصرار سے ان کے مکان پر گیا۔ تھوڑی دیر میں میاں خوشی محمد اللہ دتا صاحب بھی آگئے۔ اور معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے مسافرخانہ میں میرے لئے خاص طور سے میز کرسی اور پلنگ کا انتظام کیا ہے اور گلدستے وغیرہ بھی لگائے ہیں۔ انہوں نے بہت اصرار کیا کہ رات میرے مکان پر گزاریئے۔ میں نے معذرت

کی کہ آپ کے مکان کا حق بھی پورا ہوگیا۔ اور وہاں کچھ دیر ٹھہرا۔ اب خوشی سے اجازت دیجیے کہ محمد رمضان صاحب کے مکان پر رات گزاروں۔ آخر وہ سب لوگ راضی ہوگئے رات کو چمن کے بہت سے سلمان ملنے آتے رہے۔ مکان اگرچہ مختصر تھا لیکن ضرورت کی سب چیزیں موجود تھیں۔ اور میں اس گھر میں بہت آرام سے رہا۔ غلام رسول صاحب پوسٹین ٹیچر مڈل اسکول بہت لائق آدمی ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب بھی دی جس کا نام "انقلاب افغانستان" ہے اور جو محمد حسین صاحب جالندہری نے لکھی ہے۔

چمن میں خنکی ہے۔ قندھار کی سی گرمی نہیں ہے رات کو میں کمرہ کے اندر سویا اور کپڑا اوڑھنے کی ضرورت پڑی۔

ریل چمن میں آکر معلوم ہوا کہ یہاں سے صرف ایک ہی وقت ریل جاتی ہے۔ صبح آٹھ بجے روانہ ہوتی ہے۔ اس واسطے مجھے رات کو ٹھہرنا پڑا۔

آج پولیس چوکی کے قریب جن سلمان نے مجھے سافرخانہ تک پہنچایا تھا ان کا نام نورگل تھا اور وہ بڑے مسافرنواز سلمان معلوم ہوتے تھے۔ یہاں کے سلمانوں کو افغانستان سے بہت ہمدردی ہے مگر ان میں سے بعض امان اللہ خاں کے بھی مداح ہیں۔

رات کو آرام سے سویا۔ البتہ ایک بے آرامی ہے کہ مسلمانوں کے آزاد ملک سے چلا آیا۔ جہاں بظاہر جسم کے لئے بہت سی خرابیاں تھیں لیکن روح کے لئے راحت ہی راحت تھی۔

آنکھ بند کرتا ہوں تو کابل اور غزنی اور قلات اور قندھار نظر آتے ہیں اور وہاں کے باشندوں کی محبتیں اور مہمان نوازیاں یاد آتی ہیں۔

آج چمن میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ شام کو پانچ بجے کوئٹہ میں پھر زلزلہ آیا۔ چونکہ دو ہفتہ سے اخبار نہیں دیکھا اس واسطے ہندوستان کی اور دنیا کی کچھ خبر نہیں ہے۔

آج چمن میں آکر کشمیر کے حالات سنے کہ وہاں پھر گولی چلی اور پھر سلمانوں پر ستم کئے گئے۔ میں نے بہت تعجب اور دلچسپی سے بعض سلمانوں کی یہ باتیں بھی سنیں کہ میں افغانستان کشمیری سلمانوں کے لئے گیا تھا۔ یعنی کشمیر کی امداد کے لئے افغان حکومت یا رعایا کو تیار کرنا میرے سفر کا مقصد تھا۔

دنیا کی قیاس آرائیاں بھی ایسی دلچسپ ہیں کہ فارسی کا مشہور معقولہ "تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا" بھی حیران ہو جاتا ہوگا۔ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ افغانستان کو پہلے اپنی حالت سنبھالنی ہے اس کو اتنی فرصت کہاں ہے کہ وہ اپنے ملک کے باہر توجہ کرے۔ اس میں شک نہیں کہ افغانستان کے مسلمان کشمیری سلمانوں کی

مظلومیت سے واقف ہیں اور ان کو اسلامی اخوت کی وجہ سے ان کے ساتھ ہمدردی بھی ہے۔ لیکن وہ کشمیری مسلمانوں کی کیونکر مدد کر سکتے ہیں کہ یہ معاملہ ان کے حدود اختیارات سے بالکل باہر ہے۔ کشمیر کے لئے تو ہندوستانی مسلمان ہی کام کر سکتے ہیں اور یا خود کشمیر کے مسلمان اپنے لئے کام کریں گے۔

یکم اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء

نام کے چمن سے رخصت انسان بھی عجیب مخلوق ہے۔ سرسبزی کو خشکی اور خشکی کو سرسبزی کہتا ہے۔ عرفی نے کہدیا کہ اگر کشمیر میں آکر بھنا ہوا پرندہ بھی زندہ ہو کر اُڑ جاتا ہے۔ مگر یہ واقعہ کے ایسا ہی خلاف ہے جیسے بلوچستان کا چمن ہے کہ یہاں باغ کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ لیکن آبادی کا نام چمن ہے۔ گلستاں ہے۔ بوستاں ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہاں کے رہنے والے یا وہ لوگ جنہوں نے ان آبادیوں کے یہ نام رکھے بڑے ہی شاعر مزاج تھے کہ سوکھے پہاڑوں کو گلزار کہتے تھے۔

چمن آب و ہوا کے لحاظ سے اچھی جگہ ہے۔ مگر باغ کی سی سرسبزی یہاں نہیں ہے۔ بہار اور بنگال اور برما میں ہر مقام قدرتی چمن اور گلستاں بوستاں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہاں کے رہنے والوں کو اچھے نام رکھنے نہیں آئے۔

صبح نماز کے بعد محمد رمضان صاحب نے عید منائی۔ اور افطار کا کھانا سامنے رکھا۔ عمدہ سردے بھی ساتھ کئے۔ دوسرے احباب بھی ملنے آگئے۔ ان سب کے ہمراہ ریل پر گیا۔

پولیس کی یورش پشاور و چمن میں مجھے پولیس نے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ محض معمولی دیکھ بھال پاسپورٹ وغیرہ کی ہوئی۔ ورنہ سنا ہے کہ یہاں مسافروں کو پولیس کی یورش سے بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اب تو مجھے بھی اپنی نسبت شبہ ہونے لگا ہے کہ شاید میں پولیس کا کوئی عہدہ دار ہوں۔ جو پولیس والے مجھکو نہیں ستاتے۔ دہلی میں پہرہ والے سپاہی میری موٹر کو دیکھتے ہی سرکاری شان کا سلام کرتے ہیں اور میرے احباب کو شک ہوتا ہے کہ یہ ضرور پولیس سے کوئی خفیہ تعلق رکھتے ہیں۔

مگر جب پشاور کے خان بہادر عبدالعزیز صاحب کا برتاؤ یاد آتا ہے کہ میرے رفیق کو طورخام سے واپس کر دیا تھا تو یہ شبہ غلط ہو جاتا ہے اور میں اپنے دل سے کہتا ہوں کہ پولیس والے محض اس لئے رعایت کرتے ہیں کہ میرا تعلق اخبارات سے ہے۔ خان بہادر عبدالعزیز پشاوری صاحب اخباروں سے نہیں ڈرتے اس لئے

انہوں نے مجھکو اپنے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہونے کی شان دکھا دی اور میں چند حرف لکھنے کے سوا ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔

دو سرحدی نام پشاور سے افغانستان میں داخل ہوتے وقت طورخام نام آیا تھا۔ اور افغانستان سے ہندوستان داخل ہونے کے وقت چمن نام آیا تھا۔ یہ دلچسپ نام ہیں۔ طور تو کتنا ہی پختہ ہو خام ہی کہلائے گا کیونکہ ظہور تجلی کو برداشت نہ کر سکا اور پاش پاش ہو گیا۔ جس نے سرحدی مقام کا نام طورخام رکھا ہو گا اس نے حضرت موسےٰؑ کے طور کی خامی کا تصور کرکے ایسے نام کی تجویز کی ہوگی۔ اور چمن نام رکھنے والے کو یہ خیال ہو گا کہ شاید نام کے اثر سے کوئی خدا کا بندہ اس مقام کو باغ لگا کر چمن بنا دے۔

چمن کی ریل ساڑھے سات بجے اسٹیشن پر آ گیا۔ احباب نے پاسپورٹ پولیس تک پہنچایا اور پولیس نے تصدیق کردی اور پاسپورٹ واپس لاکر دیدیا۔ ایک افسر ملنے بھی آئے۔ یہ لوگ بلوچستان کی آخری حد تک میری نگرانی رکھیں گے۔ بچارے مجبور ہیں۔ دور اندیش گورنمنٹ وہی ہے جو اپنی ------ سے ہوشیار رہے جہاں طرح طرح کے خطرے پیدا ہو سکتے ہیں۔ کاش! یہ لوگ جانتے کہ میرے اندر جو چیز خطرناک ہے وہ کسی افسر پولیس کو نظر نہیں آسکتی۔ اور ہر انسان کے اندر نفس و شیطان کی قوتیں ہوتی ہیں جن کی نگرانی ناممکن ہوتی ہے۔ پولیس محض ظاہری اعمال و حرکات کی نگرانی کر سکتی ہے اور میں ہر ظاہری شرارت و فتنہ پردازی سے پاک ہوں اس لئے خوب ہی بے باک ہوں۔ شیخ سعدیؒ نے گویا میرے لئے ہی کہا ہے۔

تو پاک باش برادر مدار از کس باک

آٹھ بجے چمن سے ریل روانہ ہوئی اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ سفر افغانستان کا جو خواب دیکھ رہا تھا اس سے آنکھ کھل گئی۔

یہ ریل خوب بڑی ہے۔ کیونکہ فوج کے لئے بنی ہے۔ چمن سے چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ پورے ایک گھنٹہ میں چمن سے دوسرے اسٹیشن تک پہنچی کیونکہ برابر پہاڑ کی چڑھائی تھی۔ ریل بھی انسان کی طرح پہاڑ کی چڑھائی سے ہانپ جاتی ہے اور بہت مشکل سے اوپر جاتی ہے۔

ٹنل کالکا سے شملہ تک ایک سو کے قریب پہاڑی سرنگیں ہیں جن کو ٹنل کہتے ہیں مگر ان میں بڑوگ کے قریب جو سرنگ ہے وہ بڑی ہے باقی چھوٹی ہیں۔ بڑوگ کی سرنگ تین منٹ سے پانچ منٹ تک میں ختم ہوتی ہے۔ گویا دو تین فرلانگ لمبی ہے۔ مگر چمن سے کوئٹہ تک بہت بڑی بڑی سرنگیں آتی ہیں جن میں ایک تین میل لمبی ہے۔

بلوچستان کے پہاڑ بہت اونچے، اور بہت خشک، اور بہت خوفناک ہیں۔ شملہ، منصوری، ڈلہوزی وغیرہ پہاڑ سبز اور خوبصورت ہیں۔ اور یہاں کے پہاڑ تانبہ کی رنگت اور بہت ہی ڈراؤنے ہیں۔ ان میں کوئی کشش اور خوشنمائی نہیں ہے۔ البتہ اگر میں فاتح ہوتا تو ان پہاڑوں کو طلسم حکومت کی لوح سمجھ کر ہی بھی چمن اور گلستاں بوستاں سمجھنے لگتا۔

بیٹھے بیٹھے سو گیا راستہ کی تکان۔ رات کی بیداری، مرض کے اثرات' نے مل جُل کر میرے جسم پر اثر کیا۔ گاڑی میں اکیلا تھا۔ بیٹھے بیٹھے خیالی پلاؤ پکا رہا تھا۔ سو گیا۔ اور راستہ کے مقامات کو نہ دیکھ سکا۔ البتہ کانوں میں آوازیں آئیں کہ گلستاں وغیرہ ناموں کے اسٹیشن بھی آئے۔

بوستان جنکشن بوستان جنکشن پر گاڑی ٹھہری تو سوتے سوتے آنکھ کھلی۔ کیا دیکھتا ہوں سید امجد علی نظامی کھانا لئے ہوئے گاڑی میں داخل ہوئے۔ میں سمجھا کوئٹہ آگیا۔ کیونکہ امجد علی کوئٹہ میں رہتے ہیں۔ اور میں نے چمن سے ان کے نام کوئٹہ کے پتہ پر تار دیا تھا۔ اس لئے بوستان جنکشن پر ان کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ مگر معلوم ہوا کہ فوج قواعد کرنے یہاں آئی ہے۔ اور یہ فوج کے ساتھ کئی دن سے کوئٹہ سے باہر ہیں۔

میرا تار شیخ حشمت اللہ صاحب ٹھیکیدار کوئٹہ سے ان کے پاس یہاں لائے تھے۔ صفدر خاں نظامی۔ عبد الغنی صاحب ٹھیکیدار ہوٹل، محمد اسمٰعیل صاحب محمد اسحٰق صاحب۔ مہر دین صاحب وغیرہ بھائی بھی آئے تھے۔ کھانے کا سامان بہت زیادہ تھا۔ پھولوں کا ہار بھی تھا۔ مجھے ان سب سے مل کر بہت ہی خوشی ہوئی۔

سید امجد علی نظامی سلسلۂ نظامیہ کے پرانے متوسل ہیں۔ ان کے اعتقاد اور عمل میں ہمیشہ یکسانیت رہتی ہے۔ درگاہ شریف کے لنگر اور تبلیغی کام اور اسکول کی امداد کے لئے کبھی ان کو کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ خود ہی ہر مہینہ پابندی کے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔ امیر نہیں ہیں لیکن امیروں سے زیادہ خدا نے بڑا دل ان کو دیا ہے۔ خلوص و محبت میں سرشار ہیں۔ عرصہ کے بعد ملے تھے صورت دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ آنسو خوشی کے آنسو تھے۔ اور ان کے اندر صداقت و حقیقت کا وجدانی کیف چمک رہا تھا۔

جتنا تعلق ان کو میرے ساتھ ہے اتنا ہی تعلق میرے دل کو ان کے ساتھ ہے۔ افغانستان جانے سے پہلے جب میں نے سفر کا پروگرام بنایا تو واپسی میں کوئٹہ کی طرف سے آنا اور امجد علی سے ملنا نوٹ بک میں لکھا تھا۔ مگر یہ کوئٹہ سے پہلے بوستان میں مل گئے۔ فوجی ملازم ہیں اور

فوجیوں کو جیسی پابندی ہوتی ہے۔ سب جانتے ہیں۔ مگر ان کا رکھ رکھاؤ ایسا عمدہ ہے کہ انگریز افسر نے درخواست سنتے ہی کوئٹہ جانے کی اجازت دے دی اور کہا کہ تمہارا کام میں سنبھال لوں گا۔ تم جاؤ اپنے پیر کی خدمت کرو۔

شیخ حشمت اللہ صاحب بھی بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں۔ ان کو بڑی حسرت اس کی تھی کہ کوئٹہ میں میرا استقبال بہت دھوم دھام سے ہو۔ اس واسطے ان کو میرا ناگہاں آجانا بہت تکلیف دے رہا تھا کہ استقبال کا انتظام نہ کرسکے۔ میں نے ہنس کر کہا۔ کاش تم کو معلوم ہوتا کہ میں استقبال کی دھوم دھام کو بہت ہی ناپسند کرتا ہوں اور اسی واسطے میں نے اب تک دہلی میں اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تاکہ دہلی کے احباب استقبال کے تکلف میں اپنا وقت اور روپیہ خرچ نہ کریں۔

ایک بجے گاڑی کوئٹہ پہنچ گئی۔ راستہ میں سید امجد علی اور شیخ حشمت اللہ صاحب سے خوب باتیں ہوئیں۔ اسباب اسٹیشن پر چھوڑ دیا اور ہم سب موٹر میں سید امجد علی نظامی کے مکان پر گئے۔ جمعہ خاں نظامی وغیرہ بھائیوں نے سید امجد علی نظامی کے مکان پر ٹھہرنے اور کھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ اگرچہ مجھے بھوک نہ تھی لیکن میں نے سید امجد علی اور ان کی خوش اعتقاد اہلیہ کے خیال سے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد سید امجد علی نظامی کی اہلیہ نے بیعت کی۔ ان لوگوں کا اصرار تھا کہ میں رات کو ٹھہروں مگر میں پروگرام بنا چکا تھا اور بہاول پور کے چیف منسٹر صاحب کو تار دے چکا تھا۔ اس واسطے کھانا کھاتے ہی روانہ ہوگیا۔ راستہ میں شیخ حشمت اللہ صاحب اور سید امجد علی نے کوئٹہ کے مشہور بازار اور بنگلے دکھائے۔ کوئٹہ بہت بڑی چھاؤنی ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہت عمدہ ہے۔ سرسبزی بھی خوب ہے۔ میوے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ دکانیں بھی شاندار معلوم ہوئیں۔ میاں اسٹیشن پر آیا۔ منداخاں نامی ایک شخص نے جو اسٹیشن پر چوکیدار ہے اور جمعہ خاں نظامی کا بھائی ہے بیعت کی۔

اور میں چار بجے کی ٹرین میں کوئٹہ سے روانہ ہوگیا۔ طبیعت خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ موسم یہاں بھی ٹھنڈا ہے۔ زلزلہ کی وجہ سے کوئٹہ کی آبادی جیسی بھی نہیں رہی۔ چمن سے کوئٹہ تک پہاڑ ہی پہاڑ تھے۔ اور اب کوئٹہ سے ٹرین روانہ ہوئی تو اور بھی زیادہ پہاڑ ملے۔ یہ وہی پہاڑ ہیں جو افغانستان کی سرحد کے قریب چمن کے سامنے ایک دیوار معلوم ہوتے تھے۔ ریل کے دونوں طرف نہایت اونچے اونچے بھاری بھاری دکھائی دیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریل کے دونوں طرف دیوزاد صفیں بنائے ہوئے کھڑے ہیں۔

رات کو بھی گاڑی میں اکیلا رہا۔ سیکنڈ کلاس میں آج کل بہت کم آدمی سفر کرتے ہیں۔ لیکن ذرا

ہوشیار اور بیدار رہنے کی کوشش کی کیونکہ بلوچستان کے بہت سے افسانے سُن چکا تھا۔

۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء

ملتان کا راستہ

روڑہی جنکشن صبح روڑہی جنکشن پر گاڑی بدلی۔ اور دو گھنٹے دوسری گاڑی کے انتظار میں ٹھہرنا پڑا چہل قدمی بھی کی اور تھوڑا سا ناشتہ بھی کیا۔ نو بجے دوسری گاڑی میں سوار ہوا۔ جب یہ گاڑی بہاول پور کے ڈیرہ نواب اسٹیشن پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب اور وزیر اعظم آجکل بہاول پور شہر میں ہیں اور سالگرہ کا جلسہ ہو رہا ہے یہ سننے کے بعد میں نے بہاول پور ٹھہرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ سالگرہ کے موقع پر بہت سے شاعر اور اخبار نویس جمع ہوتے ہیں اور ریاستوں میں ایسے موقع پر اخبار نویسوں اور شاعروں کو بہت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ بہاول پور کا اسٹیشن آیا تو میں وہاں نہیں اُترا۔ اور سمہ سٹہ جنکشن سے ملتان جانے کا ارادہ کر لیا۔ اور سوا گیارہ روپے زائد دیکر ٹکٹ بدلالیا۔ میرا ٹکٹ چمن سے سمہ سٹہ ہو کر براہ راست دہلی کا تھا۔ لیکن سمہ سٹہ پر دو بجے رات کو گاڑی ملتی جو دوسرے دن رات کو دو بجے دہلی پہنچتی۔ اس واسطے میں نے سمہ سٹہ میں وقت ضائع کرنا فضول سمجھا اور خیال آیا کہ ملتان گئے ہوئے پینتالیس برس ہو گئے۔ دس سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ ملتان گیا تھا۔ اب بہت اچھا موقع ہے کہ آج کی رات ملتان میں رہوں اور کل صبح وہاں کی زیارتوں سے فارغ ہو کر لاہور جاؤں۔ اور لاہور سے ڈاک گاڑی میں دہلی چلا جاؤں۔

مخدوم شیر شاہ صاحب بہاول پور سے مخدوم شیر شاہ صاحب میرے درجہ میں سوار ہوئے۔ یہ مخدوم راجن شاہ صاحب ممبر اسمبلی کے بھائی ہیں۔ بہت لائق اور ذی علم مسلمان ہیں۔ ان سے خوب باتیں ہوئیں۔ رات کے نو بجے ملتان پہنچا اور تانگہ میں سوار ہو کر مخدوم راجن شاہ صاحب کے مکان پر گیا۔ چونکہ بے اطلاع آیا تھا اور رات کو پہنچا تھا اس واسطے دل ہی دل میں نادم ہو رہا تھا کہ میرے ہاں جو لوگ بے اطلاع رات کے وقت آتے ہیں ان کو میں ہمیشہ بُرا کہا کرتا ہوں۔ آج خود ہی بے اطلاع جا رہا ہوں۔ مگر مخدوم راجن شاہ صاحب اور ان کے صاحبزادہ مخدوم غلام محی الدین صاحب بڑے ہی خلیق اور مہمان نواز ہیں۔ انہوں نے بے وقت کی اور بے اطلاع کی آمد کو برا نہ سمجھا۔ اور بہت ہی اخلاق سے پیش آئے۔ راستہ میں تانگہ جا رہا تھا تو میں دیکھتا تھا کہ جگہ جگہ چارپائیاں بچھی ہوئی ہیں اور سڑکوں پر لوگ سو رہے ہیں

اس وقت خیال آتا تھا کہ مخدوم صاحب کے ہاں بھی سب سوتے ہوں گے ۔ مگر دیکھا کہ سب بیدار تھے ۔مخدوم صاحب نے فوراً میرے لئے مکان کی چھت پر سونے کا اور نماز کا انتظام کر دیا۔ یہاں ابھی تک اتنی گرمی ہے کہ رات کو کھلی چھت پر سونا اچھا معلوم ہوا۔ ملتان کی نسبت ایک شعر مشہور ہے کہ :-

چار چیز است تحفۂ ملتان
گرد، گرما، گدا، و گورستان

سو واقعی یہاں گرمی بھی ہے اور گرد بھی ہے اور گورستان بھی بہت زیادہ ہیں۔ گداؤں کا حال معلوم نہیں کیونکہ میں خود گدا ہوں۔ گداؤں کو پہچانوں تو خود اپنے آپ کو پہچانوں۔ رات کو بہت آرام سے سویا۔ اور خوب غفلت کی نیند آئی ۔

۳ر اکتوبر ۱۹۳۱ء

ملتان

زیارات صبح مخدوم راجن شاہ صاحب کے تانگہ میں ان کے صاحبزادہ مخدوم غلام محی الدین صاحب کے ہمراہ زیارتوں کے لئے گیا۔ پہلے حضرت حافظ جمال صاحبؒ کی درگاہ میں فاتحہ پڑھی ۔ نواب احمد یار خاں صاحب رئیس ملتان نے اس درگاہ کو از سرِ نو تعمیر کیا ہے۔ پینتالیس سال پہلے جب آیا تھا تو یہاں اتنی شاندار عمارتیں نہ تھیں۔

اس درگاہ سے رخصت ہو کر حضرت شمس تبریزؒ کی درگاہ میں گیا۔ یہ مزار بہت پرانا ہے۔ میری تحقیقات کے بموجب حضرت شمس تبریز آغا خانی جماعت کے ایک داعی تھے اور ان کی تبلیغ سے پنجاب میں کہاروں اور سُناروں نے آغا خانی مذہب اختیار کیا تھا جو پہلے شمسی ہندو کہلاتے تھے ۔ مگر آجکل اسمٰعیلی مسلمان مشہور ہیں۔ اور ان سب نے اپنے نام اسلامی رکھ لئے ہیں اور مسلمانوں سے سلام علیک کرتے ہیں اور میل جول بڑھا رہے ہیں۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیلی جماعت کے داعی، سلطان محمود غزنوی سے پہلے سندھ اور ملتان میں آ گئے تھے اور محمود غزنوی نے ان کا قتل عام کیا تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ شمس تبریز وہ شمس الدین داعی نہوں جو تین سو برس پہلے پنجاب میں آئے تھے۔ اور جنکے ساتھ دو داعی اور تھے ۔ ایک صدر الدین اور دوسرے امام الدین۔ صدر الدین نے سندھ اور کاٹھیاوار میں تبلیغی کام کیا۔ اور امام الدین نے آغا خانی جماعت سے الگ ہو کر احمد آباد کے قریب پیرانہ مقام میں اپنی جماعت ست پنتھ کے نام سے علیحدہ جاری کی۔

بہرحال شمس تبریز کا یہ مزار پرانا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحؒ کے پیر شمس تبریزؒ یہاں نہیں ہیں

اُن کا مزار ٹرکی کے شہر قونیہ میں ہے۔

حضرت شمس تبریزی کے مزار پر گنبد بنا ہوا ہے۔ باہر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ختم پڑھ رہے تھے۔

یہاں سے رخصت ہو کر عید گاہ دیکھی۔ نواب سیف الدولہ عبدالصمد خاں دلیر جنگ احراری نے یہ عید گاہ بنائی تھی۔ ۱۳۱۲ھ میں انگریزی گورنمنٹ نے مسلمانوں کے چندہ سے اس کی مرمت کرائی۔ بہت عمدہ اور خوبصورت عید گاہ ہے۔

عید گاہ دیکھنے کے بعد حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی رح کے مزار پر حاضر ہوا۔ ان کے مزار کے برابر حضرت کے بڑے صاحبزادے حضرت صدر الدین رح کا مزار ہے اور چھپر کھٹ کے باہر حضرت کے بقیہ تین صاحبزادوں کے مزارات ہیں۔ اور مزار کے بائیں حضرت کی اولاد میں جتنے ممتاز لوگ گزرے ہیں ان کے مزارات ہیں۔ سارا گنبد قبروں سے بھرا ہوا ہے۔

حضرت مخدوم رکن الدین رکن عالم رح جو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رح کے پوتے تھے ان کو بھی پہلے یہیں دفن کیا گیا تھا مگر سلطان محمد تغلق نے حضرت کے لئے علیحدہ مقبرہ بنوادیا تو میت کا صندوق یہاں سے نئے میں لے جا کر دفن کیا گیا۔ یہ مقبرہ بھی بہت شاندار ہے۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رح کے گنبد کے باہر نواب باقر شاہ کا مزار ہے جو دہلی میں صوبہ دار تھے اور ان کے بائیں نواب مظفر خاں کا مزار ہے جن سے سکھوں نے ملتان کی حکومت حاصل کی تھی۔

اسی جگہ میرے دوست مخدوم حسن بخش صاحب سجادہ نشین کا مزار بھی ہے۔ اور اسی کے قریب باہر نواب قیصر خاں مگسی رئیس بلوچستان کا مزار ہے۔ یہ بھی میرے بڑے دوست تھے۔ اور آخر زمانہ میں ملتان میں نظر بند کر دیئے گئے تھے۔

سہروردیوں کا مرکز

یہ درگاہ سہروردیہ خاندان کا مرکز ہے۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رح حضرت بابا فرید الدین گنجشکر رح کے زمانہ میں تھے اور ان کے پوتے حضرت رکن عالم رح سے حضرت محبوب الٰہی رح کی بہت دوستی تھی۔ بنگال کا موجودہ سہروردی خاندان اسی نسل سے ہے اور میرٹھ میں بھی اس خاندان کے لوگ ہیں۔ محمد انوار صاحب ہاشمی مالک رسالہ دین دنیا اور مفتی شوکت صاحب فہمی ایڈیٹر اخبار طاقت اور حکیم محمد حنیف صاحب ہاشمی وغیرہ بھی اسی خاندان سے ہیں۔ اس درگاہ کے موجودہ سجادہ نشین مخدوم مرید حسین صاحب ہیں۔ جو جناب مخدوم حسن بخش صاحب کے صاحبزادہ ہیں۔ مگر وقت کی تنگی کے سبب میں ان سے ملاقات نہیں کر سکا۔ اس درگاہ کے خادم اللہ وسایہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔

راستہ میں مولانا نظام بخش صاحب مرحوم کے پوتے مولوی حافظ دلدار بخش صاحب بھی ملے۔

یہاں سے رخصت ہو کر حضرت سید شاہ یوسف گردیز رحمۃ کے مزار پر گیا۔ مقبرہ پر گنبد نہیں ہے۔ کرچینی کا کام بہت اچھا ہے۔ یہاں کے سجادہ نشین مخدوم سید محمد یوسف صاحب ہیں۔ درگاہ میں سید جعفر شاہ صاحب ان کے ایک رشتہ دار سے ملاقات ہوئی۔ جمال یوسفی کتاب میں ان حضرت کے حالات ہیں۔ اس مزار کے سرہانے ایک سوراخ ہے۔ معلوم ہوا پہلے حضرت کا ہاتھ اس سوراخ سے نکلا کرتا تھا مگر حضرت مخدوم رکن عالم رحمۃ کے زمانہ میں اس ہاتھ کا نکلنا بند ہو گیا۔

بازار ان سب زیارتوں سے فارغ ہو کر ملتان کے بازار میں آیا اور یہاں کے مزارات کے فوٹو تلاش کئے مگر دستیاب نہیں ہوئے۔ پھر حضرت سولے پاک شہید رحمۃ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور ان کے سجادہ نشین مخدوم سید صدر دین صاحب سے بھی ملا۔ جو مخدوم سید راجن شاہ صاحب کے بڑے بھائی ہیں۔ یہ بہت عابد اور اپنے بزرگوں کے قائم مقام معلوم ہوتے ہیں۔

قیام گاہ پر آیا تو لاہور کے ایک بزرگ ملے جن کا نام میاں محمد صاحب ہے۔ حضرت میاں ایشان رحمۃ کی درگاہ میں رہتے ہیں۔ چہرہ سے اور باتوں سے اچھے درویش معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ غلام محمد صاحب نامی درویش بھی تھے۔ جن کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی۔

کھانا کھا کر ریل پر جانے کی تیاری کی۔ مخدوم سید غلام محی الدین صاحب نے آج پورا وقت میری رفاقت میں خرچ کیا۔ کہتے تھے ملتان میں سید زین العابدین نے دو ہزار رضا کاروں کی ایک کور بنائی ہے۔

ملتان کے مسلمانوں کو بڑا افسوس ہے کہ آپ نے اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی۔ ورنہ اسٹیشن پر سب لوگ استقبال کے لئے جاتے۔ میں نے ہنسکر جواب دیا۔ کہ استقبال کرانے کے قابل میں نے کوئی کام نہیں کیا۔

کھانا کھا کر مخدوم راجن شاہ صاحب سے رخصت ہوا اور مخدوم سید غلام محی الدین صاحب کے ہمراہ اسٹیشن پر آیا۔ اور گیارہ بجے خانوال کی گاڑی میں سوار ہوا۔ خانوال سے کراچی میل میں بیٹھ گیا۔ جس نے پانچ بجے لاہور پہنچا دیا۔

حفیظ صاحب جالندھری

کراچی میل میں ابو الاثر حفیظ صاحب جالندھری بہاولپور سے آتے ہوئے ملے۔ بہت خوشی ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ بہاولپور میں چیف منسٹر صاحب نے آپ کے ٹھہرانے کا انتظام کیا تھا اور اسٹیشن پر موٹر بھی بھیجی تھی۔ وہاں سب کو انتظار رہا۔ میں نے کہا۔ سالگرہ کی خبر سنکر میں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔

کیونکہ میں شاعر اور اخبار نویس نہیں ہوں۔ حفیظ صاحب نے شاہنامہ کا ایک حصہ سنایا۔ اسلامی شاہنامہ انہوں نے ایسا لکھا ہے کہ اُردو زبان میں ایسی عمدہ اور مؤثر نظم کی کتاب آج تک کوئی نہ لکھی گئی ہوگی۔ مثنوی میر حسن کی نظم بہت اچھی ہے۔ اور بھی بہت سی مثنویاں قابل تعریف لکھی گئی ہیں۔ لیکن ان سب میں جھوٹے قصے ہیں اور حفیظ صاحب کے شاہنامہ میں سچے واقعات ہیں۔ اور مسلمان قوم کو زندہ کرنے اور اسلامی تاریخ سے ماہر بنانے کا مقصد ہے۔

عزمیت حفیظ صاحب نے میری نسبت کہا۔ کہ آپ کے اندر عزمیت بہت زیادہ ہے کہ اس بیماری اور کمزوری میں افغانستان کا سفر کر کے اتنی جلدی واپس آ گئے۔ میں نے کہا۔ یہ لفظ آپ نے خوب بتایا میں اب تک اپنی اس قوت کو کسی لفظ میں ظاہر نہ کر سکتا تھا جو قدرت نے مجھے دی ہے۔ اب کہہ سکوں گا کہ میرے اندر عزمیت ہے۔ یعنی عزم اور ارادہ کی طاقت مجھ میں بہت زیادہ ہے۔ حفیظ صاحب کی وجہ سے لاہور تک کا راستہ بہت ہی اچھا گزرا۔ میرے دل میں حفیظ صاحب کی اور ان کے شاہنامہ کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔ کاش میں ایسے اچھے شاہنامے کو ہندوستان کے ہر گھر میں تقسیم کرنے کی سعادت حاصل کر سکتا۔

لاہور کی سیر اسباب اسٹیشن پر چھوڑ کر تانگہ میں بیٹھا اور شہر لاہور کا ایک چکر لگایا۔ چونکہ سید حبیب شاہ صاحب ابھی حال میں افغانستان سے واپس آئے تھے۔ اس واسطے ان سے ملنے گیا مگر وہ دفتر میں موجود نہ تھے۔ اس لئے اسٹیشن پر واپس آ گیا اور ریلوے ہوٹل میں کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر میں سید حبیب شاہ صاحب تشریف لائے۔ اور ان سے خوب باتیں ہوئیں۔ کشمیر کے تازہ واقعات بھی سُنے۔ اور بھی اندرونی باتیں معلوم ہوئیں۔ افغانستان میں سید صاحب کا اخبار "سیاست" بہت مقبول ہے۔ غازی نادر شاہ اس اخبار کو خود پڑھتے ہیں۔

اخبار "پارس" کے ایڈیٹر لالہ کرم چند صاحب اور شام سندر صاحب بھی ملنے آئے۔ ان سے بھی خوب باتیں ہوئیں۔ نو بجے کے بعد گاڑی لاہور سے دہلی کی طرف روانہ ہوئی اور میں آرام سے سو گیا۔ تھوڑی دیر میں گاڑی کے مسافر جو سب ہندو تھے۔ چیخنے لگے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ معلوم ہوا برابر جو فرسٹ کلاس ہے۔ اس میں کسی انگریزنیہ پر ایک سکھ نے حملہ کیا۔ یا اس انگریزنیہ کو سکھ کے حملہ کا شبہ ہوا۔ اور وہ سکھ کھڑکی کے باہر تختہ کے اوپر گاڑی کا ڈنڈا پکڑے ہوئے کھڑا ہے۔

اور انگریز اس کو پستول دکھا رہا ہے۔ میرے درجہ میں ایک ہندو پنجاب کے تھے۔ جن کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھیں۔ اور ایک ہندو بمبئی کے تھے جو بالکل انگریزی معاشرت رکھتے تھے۔ انگریز نما ہندو صاحب اس سکھ کو دھمکاتے تھے کہ تو یہاں کیوں آیا۔ اور پنجاب کے ہندو سکھ کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرتے تھے۔ میں نے کہا۔ کہ آپ لوگ ایسی حالت میں کہ سکھ خطرہ میں مبتلا ہے اس سے کچھ نہ کہیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ جب گاڑی ٹھہرے تو سکھ کو پکڑ لیں۔ گاڑی امرت سر سے جالندہر کی طرف جارہی تھی۔ بمبئی والے ہندو نے کہا۔ انگریز کی جان خطرہ میں ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کہتے ہیں کہ انگریز پستول دکھا رہا ہے۔ اور سکھ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ غالباً یہ سکھ مفلس ہے اور بے ٹکٹ سفر کرنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی مجرم ہوتا تو اس کے پاس ہتھیار ہوتے۔ بہرحال بمبئی والے ہندو کو سکھ سے ہمدردی نہ تھی۔ جالندہر کے قریب ٹرین پہنچی تو وہ سکھ کود ا اور اس کا ایک ہاتھ کلائی کے پاس سے کٹ گیا اور اس کے سر میں بھی بہت چوٹ آئی۔ گاڑی ٹھہر گئی۔ پولیس آگئی اور انگریز کے بیان لکھے۔ اور پولیس زخمی کو اسپتال لے گئی۔

اس میں شک نہیں کہ زمانہ آج کل خطرناک ہے۔ انگریزوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اس سکھ کا معاملہ بالکل جداگانہ معاملہ معلوم ہوتا تھا، وہ غیر مسلح تھا۔ اور انگریز کے پاس ہتھیار تھے۔ اور انگریز کے بیان سے یہ ثابت بھی نہیں ہوا کہ سکھ نے گاڑی کے اندر جانے کی کوشش کی تھی۔ وہ باہر کھڑا ہو گیا تھا۔ بہرحال زخمی کی تکلیف اور آہوں کو سن کر مجھے بہت اذیت ہوئی۔ معلوم نہیں وہ غریب کیوں تختہ پر کھڑا ہوا تھا اور کہاں جارہا تھا۔ جالندہر کے بعد میں سو گیا۔ اور میرٹھ پہ آنکھ کھلی۔

۴ راکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء
دہلی

باب دہلی میرٹھ کو دیکھا گویا دہلی شہر کے دروازہ کو دیکھا۔ میرٹھ ہی وہ مقام ہے جس نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی اور انگریزی فوج کے باغی سپاہی راتوں رات دہلی چلے گئے اور ان کی وجہ سے دہلی میں بھی غدر ہو گیا۔

میں اس شہر میں مدتوں رہا ہوں۔ لال کرتی بازار کے محلہ میں بھیا شیخ احسان الحق صاحب فقیر عشقی کے مکان پہ رہتا تھا۔ اخبار توحید کی ایڈیٹری کرتا تھا جس کی ایک سال تک خوب دھوم دھام رہی۔ کانپور کی مسجد کے سلسلہ میں وہ اخبار بھی ضبط ہوا اور میں نے بھی میرٹھ

کی سکونت چھوڑ دی ۔ اس زمانہ میں میرٹھ کو دہلی کا دروازہ
ہی سمجھتا تھا ۔ اس لئے آج جب میرٹھ کو دیکھا تو ایسا
معلوم ہوا گویا اپنے شہر میں آ گیا ۔ یہاں میرے بعض
ایسے احباب رہتے ہیں جن کو میں اپنے خاندان کا
ایک رکن سمجھتا ہوں ۔ جن میں بھیا فقیر عشقی صاحب
سب سے زیادہ ممتاز ہیں ۔

دھلی میری خواہش تھی کہ دہلی میں اپنے آنے کی
کسی کو خبر نہ دوں تاکہ استقبال کی گڑبڑ نہ ہو ۔ لیکن ملتان
میں پہنچ کر خیال آیا کہ قندھار سے گھر والوں کو فارسی
میں تار دیا تھا جس کے الفاظ یہ تھے " خوش ہستم
می آیم " اس تار کے بعد پھر کوئی خبر میں نے نہیں بھیجی ۔
ممکن ہے گھر والوں کو تشویش ہو ۔ اس واسطے ملتان سے
تار بھیجنا ضروری معلوم ہوا ۔ سمجھتا تھا کہ ایک رات میں
استقبال کا انتظام نہیں ہو سکتا ۔ گھر والوں کو خیریت معلوم ہو جائے
گی اور دوست احباب استقبال کی زحمت سے بچ جائینگے ۔
مگر دہلی اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تو حیران ہو گیا ۔ بہت سے
لوگ جمع تھے ۔ اور دوست تو سب ہی آئے تھے جو
دہلی کے محکمہ تعلیمات کے انسپکٹر چودھری غلام محی الدین
صاحب میرے قدیمی عنایت فرما ہیں اور نظام الاسلام
مڈل اسکول کی بہبودی و ترقی سے انھیں خاص دلچسپی ہے ۔
وہ بھی پلیٹ فارم پر موجود تھے ۔ اور ملا واحدی صاحب
اور ان کے بچے بھی تھے ۔ اور منشی عبد الحمید صاحب رسالہ
" مولوی " کے ایڈیٹر بھی تھے ۔ اور بقائی صاحب رسالہ
" پیشوا " کے ایڈیٹر بھی تھے ۔ اور مفتی شوکت علی صاحب
فہمی ایڈیٹر اخبار " طاقت " اور محمد انوار صاحب ہاشمی ایڈیٹر
" دین دنیا " اور شیخ محمد یعقوب صاحب ٹھیکیدار ۔ اور
حکیم محمد دین ملنسار نظامی اور سید ابن عربی اور خواجہ فضل احمد
صاحب شیدا ۔ اور میاں عزیز محمد خاں حسن پوری اور
عشق الدولہ مستری مولانا محمد اسمٰعیل عشقی نظامی ۔ اور میرزا
سہراب شاہ اور یونس اور بوا کریما اور حسین اور علی اور
زید اور روحہ وغیرہ بھی تھے ۔ اور خواجہ بورڈنگ ہاؤس
کے بورڈرز بھی تھے ۔ اور نظام الاسلام مڈل اسکول کے
ہیڈ ماسٹر چودھری علی محمد خاں صاحب اور حافظ سراج
الحق صاحب سیکنڈ ماسٹر اور چودھری علی نواز خاں صاحب
تھرڈ ماسٹر اور محمد اسحاق صاحب اسسٹنٹ ٹیچر اور سید
نذیر حسین صاحب اسسٹنٹ ٹیچر اور محمد سلیم الدین صاحب
اسسٹنٹ ٹیچر اور ذو الفقار احمد خاں صاحب ڈرل ماسٹر
اور مولانا حافظ معین الاسلام صاحب سپرنٹنڈنٹ خواجہ
ہوسٹل وغیرہ بھی تھے ۔ اسکول کے بچوں نے پھول پہنائے
اور پھول برسائے ۔ اور صدقہ کے پیسے بھی لٹائے ۔ شیخ
محمد یعقوب صاحب نے سب سے پہلے اپنی ڈبیہ کا پان
کھلایا ۔ سفر کے بعد دہلی کا پہلا تحفہ ملا ۔ انور علی نظامی موٹر

ڈرائیور نے موٹر کو خوب آراستہ کیا تھا۔ چاروں طرف پھولوں کے سہرے لٹکائے تھے۔ بچوں کے ساتھ گھر پر آیا۔ مستری حبیب خاں نظامی اپنے مکان پر چلے گئے۔ میری پالنے والی ماما جلو مرحومہ کا لڑکا اللہ دیا بھی ریل پر موجود تھا۔ بیکانیر ہاؤس کے پاس گاڑی پہنچی تو نبی بخش صاحب نظامی سلیمانی نے پھولوں کے ہار موٹر پر بھجوائے۔ مگر خود علالت کی وجہ سے نہ آسکے۔ پولیس چوکی نظام الدین کے پاس موٹر آئی تو منشی اختر علی صاحب نے پھولوں کے ہار پہنائے۔ گھر میں آیا تو روحہ نے حور بانو اور امت المتین کی طرف سے صدقہ کے پیسے میرے اوپر وار کے پھینکے۔ پھر مستری محمد خاں اور بھول خاں اور بھولا اور ممتی اور حمید اور غلام رسول وغیرہ کی طرف سے صدقہ کا تیل ماش اور مٹھائیاں آئیں۔ خاندان کے گھروں سے بھی مٹھائیوں کے خوان اور صدقہ کا تیل ماش آیا۔ کیونکہ ہمارے ہاں رسم ہے کہ جب کوئی دور سے آتا ہے تو ایک تھال میں ماش اور ایک برتن میں کڑوا تیل اور تانبہ کے پیسے لاتے ہیں۔ مسافر تیل میں اپنا چہرہ جھانک کر پیسے اور ماش تیل میں ڈال دیتا ہے۔

حسن جبرئیل گھر کے اندر گیا تو حور بانو اس طرح گلے ملیں گویا برسوں سے بچھڑی ہوئی تھیں۔ چھوٹا بچہ حسن جبرئیل مجھے دیکھتا رہا مگر اس طرح گویا کوئی اجنبی آدمی گھر میں آگیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پہچانا اور ہاتھ پھیلا دیا۔ میں نے گود میں لے کر خوب پیار کیا۔ کیونکر خدا کا شکر ادا کرسکوں۔ اس نے کیسی کیسی نعمتیں دی ہیں۔ اطمینان کی روزی بھی دی اور اچھی شکل کی اولاد بھی دی۔ بری شکل کی ہوتی تب بھی مجھ کو اچھی ہی معلوم ہوتی۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ اس کو اپنی صورت اور اپنی آواز اور اپنے بچوں کی صورت ہمیشہ اچھی ہی معلوم ہوتی ہے۔

خدا کے فضل سے سب کو تندرست پایا۔ میں نے پہلے غسل کیا۔ پھر کھانا کھایا۔ اس کے بعد ڈاک دیکھی۔ اور شام کو دہلی گیا۔ واحدی صاحب اور عبدالرشید خاں غزالی سے ملا۔ منشی قربان علی صاحب ایڈیٹر اردوئے معلّٰی نے بھی ٹیلی فون میں واپسی کی مبارک باد دی۔ میں نے بعض دوستوں کو خیریت سے پہنچ جانے کے تار دیئے۔ آدھی رات تک امانت کے خطوط پڑھتا رہا۔ پھر بھی وہ پورے نہیں ہوئے۔ کیونکہ تعداد بہت زیادہ تھی۔ میں نے صرف مختصر خط پڑھے۔ طویل خط امانت میں رکھ دیئے۔ یہاں ابھی گرمی ہے۔ رات کو سب لوگ باہر صحن میں سوتے ہیں۔ مجھے دیر تک جاگنے کی وجہ سے نیند اچھی نہیں آئی + روزنامچہ ختم ہوا۔

معلوماتِ بلادِ افغانستان

یعنی وہ شہر جو پہلے افغانستان کے تحت میں تھے یا وہ جو آجکل بھی زیر قبضہ ہیں اور ان کے قدیم و جدید نام۔ اور وہ شہر جو مٹ گئے۔

موجودہ نام	قدیم نام
افغانستان (مملکت)	آریانا۔اسکو یونانی "اکسیما" یا "ارا گوادی" کہتے تھے۔ایرانی "آریاورتا" ہندوستانی "باہ لکا" اور اہل عرب "خراسان" کہتے تھے۔
ای بک شہر	سمنگان۔ اس کو چینی لوگ "سی تین تسنریان" اور اہل عرب "سمنجان" کہتے تھے۔
ارگ ہرات	قلعہ اختیار الدین۔
اشکمش علاقہ	وزوالین۔آجکل حصہ قدغن میں واقع ہے۔
بلخ (قدیم قلعہ)	ہنداون۔
بلوچستان ولایت	اوریشیا۔اسکو یونانی "گدروشیا" کہتے تھے۔
پنجکورہ علاقہ	گواریس۔
پنجشیر علاقہ	پنجہر۔
پنجاب ولایت	زرت گوش۔ایرانی "ث ت گش" کہتے تھے۔
تاشقرغان شہر	خلم
جبل السراج علاقہ	پروان۔
جلال آباد علاقہ	ننگ نہار۔
جنوبی ولایت	پاختیا۔اسکو یونانی "پیکی ہیکا" اور ہندو "روہ" کہتے تھے۔
چترال علاقہ	کتور۔کاشگر۔اسکو چینی لوگ "کاشکار" کہتے تھے۔
خراسان ولایت	اپارتیا۔اسکو یونانی "پارتیا" اور ایرانی "پرتو" کہتے تھے۔اور بقول ہیرودوٹس اور یورپ کے محققین کے نزدیک پختانہ کے آفریدی گروہ کا قدیم نام بھی "اپارتیا" تھا۔
خیوہ ولایت	خوارزم۔ایرانی "خوارزمیش" کہتے تھے۔
دولت آباد شہر	فاریاب۔آجکل ولایت مزار میں واقع ہے۔
دستاق شہر	ولوالیز۔اہل عرب نے "ولوالج" بنایا۔بدخشاں کے علاقہ میں واقع ہے۔

موجودہ نام	قدیم نام
زندجان قصبہ	یوشنگ۔عرب لوگ "فوشنج" کہتے تھے۔علاقہ ہرات میں واقع ہے۔
سبزوار شہر	اسپزار۔اہل عرب "اسفزار" کہتے تھے۔
سرپل شہر	انبار۔آجکل مزار کے علاقہ میں واقع ہے۔
سند ولایت	اندوش۔
صوات علاقہ	سواتس۔
شبرغان شہر	شبرگان۔ایرانی "سفید دز" کہتے تھے۔
شلگر علاقہ	ہجویر۔غزنی کے حصوں میں آگیا۔
قدغن و بدخشاں ولایت	تخار۔ایرانی "تخارستان" کہتے تھے۔
قندھار ولایت	زابل۔اس کو یونانی "اراکوسیا" ایرانی "ہرخوایتش" اور بعد میں "زابلستان" اور عرب والے "الرخاج" اور "الرخذ" کہتے تھے۔
قنداوہ شہر	قندابیل۔بلوچستان میں واقع ہے۔
کشلک شہر	فیروزوند۔موجودہ ولایت قندھار میں واقع ہے۔
کوہ دامن علاقہ	کاپی سا۔
کابل شہر و علاقہ	وائی کرت۔
کشم علاقہ	سکل کند۔بدخشاں کے علاقہ میں واقع ہے۔
لغمان علاقہ	لمپاکا۔
مزار شریف ولایت	باخدی۔اسکو یونانی "باکترماین"۔ایرانی "باختریش" اہل ہند "بالھیک دیس" اور اہل عرب "باختر" کہتے تھے۔اور پہلے زمانہ میں "باکتریا" اور "باختر" بھی عام طور سے افغانستان میں کہلایا جاتا رہا ہے۔
مشرقی ولایت	گندارا۔یونانی اور ایرانی نقوش سے نزدیک کے ساتھ "گندہارہ" اور "گندار" کہتے تھے۔

موجودہ نام	قدیم نام
مرو و مرغاب ولایت	مرگیانا - اہل عرب نے "مروالرود" نام رکھا تھا
میمنہ و شبرغان ولایت	گوزگان - عرب لوگ "جوزجان" کہتے تھے۔
مزار شہر	دہ خیر قریہ۔
غور و ہزارجات - ولایت	غرچ و غور - یونانی اسکو "پاروپامسس" اور ایرانی و عربی غرچستان اور غرشستان کہتے تھے۔
فراہ و چخانسور و سیستان ولایت	سکاستیانا - یونانی "درنگیانا" اور ایرانی "زرنگ" "نیمروز" "سیستان"۔ اور عرب لوگ "زرنج" "سجستان" کہتے تھے۔
نہرین شہر	لاچین - آجکل قدغن کے علاقہ میں واقع ہے۔
نورستان و چترال ولایت	بولرا اور بلور۔
وزیرستان علاقہ	ویرسی۔
ہرات ولایت	آریہ - آریانا - اسکو ایرانی "ہرائی" اور یونانی "آریانا" کہتے تھے۔ پرانے زمانہ میں افغانستان میں بھی عموماً "آریانا" بولا جاتا تھا۔
ہدہ شریفہ شہر	نگارآرا۔
یوسف زئی علاقہ	مندر۔

یہاں سے اُن شہروں کی فہرست شروع ہوتی ہے جو کسی زمانہ میں افغانستان کی سلطنت کے مشہور شہر تھے اور اب مٹ گئے۔

نام	کیفیت
آرتاگوان	آجکل شہر ہرات کی حدود میں واقع ہے۔ ظہور اسلام سے قرنوں پہلے کا ہے اور افغانستان کے سب سے پرانے شہروں میں سے ہے
آرسی گاؤں	علاقہ بجکورہ اور کنر کی درمیانی زمین پر مقدونیہ کے بادشاہ اسکندر کے حکم سے بسایا گیا تھا اور افغانستان کے بارونق شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
اسکندریہ مرگیانہ	اسکندر کے حکم سے علاقہ مرغاب میں بسایا گیا۔ بعض مستشرق حضرات موجودہ موضع مرو چاق کو اسکندریہ مرگیانہ کہتے ہیں۔
الکزاندریہ اراکوسیا	موجودہ شہر قندہار کے نواح میں اسکندر کے حکم سے بسایا گیا اسلام سے پہلے افغانستان کے مشہور شہروں میں سے تھا۔
الکزاندریہ قفقاز	موجودہ کوہ دامن کے علاقہ کے نواح میں اسکندر نے آباد کیا تھا۔ اب اس گاؤں کا نشان نہیں ہے۔
آہنگران	غور کے علاقہ میں تھا مسلمانوں کے عہد میں نہایت خوشنما شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ مغلوں نے تباہ کیا۔
انطاکیہ	قدیم شہر مرو کے نواح میں واقع تھا اور افغانستان کے قدیم تاریخی شہروں میں سے تھا۔ انتیوخ سوتر نے تیسری صدی قبل میلاد میں اس کی بنیاد رکھی تھی۔
اسفزار	ہرات کے علاقہ میں واقع تہا اور مسلمانوں کے عہد میں افغانستان کا نہایت بارونق شہر تھا۔ مغلوں نے برباد کیا۔
بگرام	موجودہ پشاور اور خیبر کے درمیانی علاقہ میں آباد تھا اور افغانستان کے قدیم شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
بہلول	علاقہ یوسف زئی میں واقع تہا اور مسلمانوں کے زمانہ سے پہلے افغانستان کے نہایت نفیس شہروں میں شمار ہوتا تہا۔
بامیان	ظہور اسلام تک افغانستان کا نہایت عجیب اور آراستہ اور مشہور شہر رہا عربوں پر جب مغلوں نے قیامت ڈہائی اسوقت بالکل نیست نابود ہوگیا۔
بست	دریائے ہلمند کے کنارہ پر آباد تھا۔ مغلوں کے ظہور تک افغانستان کا نہایت متمدن شہر رہا۔ اسکے آثار اب بھی باقی ہیں۔
بوشنگ (فوشنج)	قریہ زندہ جان کے گاؤں میں جو موجودہ ہرات کا علاقہ ہے آباد تہا۔ مغلوں کے ظہور تک افغانستان کے اوسط درجہ کے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
بلخ قدیم	افغانستان کے بہترین اور نہایت قدیم شہروں میں سے تہا۔ عربوں کے حملہ کے زمانہ تک ایشیا کے سب سے عمدہ شہروں میں اسکا شمار رہا۔ بعد میں بار بار اُجڑا اور اب ویران پڑا ہے۔
بدخشاں	موجودہ فیض آباد کی جگہ پر آباد تہا۔ مغلوں کے ظہور تک افغانستان

	کے بارونق شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ چنگیز خان نے اسکو تباہ کیا۔
یرووقان	قدیم بلخ کے نواح میں عربوں کے زمانہ میں آباد ہوا۔ بعد میں خارجی لڑائیوں سے نیست و نابود ہوگیا۔
بالاحصار	یہ چھوٹا سا آراستہ شہر تھا۔ اٹھارویں صدی سے انیسویں صدی تک افغانستان کا پایۂ تخت رہا۔ انگریزوں اور افغانیوں کی دوسری لڑائی میں منہدم ہوا۔
پرشور (فرسور)	یعنی قدیم پشاور۔ زمانہ ماقبل اسلام سے لیکر ظہور اسلام اور مسلمانوں کے حملوں کے زمانہ تک افغانستان کے بڑے تاریخی شہروں میں اس کا شمار تھا۔
پشین	موجودہ علاقہ ہزارہ جات میں واقع تھا۔ مغلوں کے ظہور تک افغانستان کے مشہور شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
پشکلا وتی	موجودہ پشاور کے حدود چارسدہ میں واقع تھا اور افغانستان کے نہایت پرانے شہروں میں سے تھا۔ اسکندر کے حملہ کے وقت آباد اور بارونق تھا۔
پتالہ	سندھ کے علاقہ میں تھا۔ سکندر کے زمانہ میں خوب آباد تھا۔ مدتوں افغانستان کے مشہور شہروں میں شمار ہوتا رہا۔
پنجوائی	موجودہ شہر قندہار سے ایک منزل پر واقع تھا۔ مسلمانوں کے عہد میں مغلوں کے ظہور تک افغانستان کے اوسط درجہ کے شہروں میں شمار ہوتا رہا۔
بیشاوران	سیستان میں واقع تھا اور مغلوں کے ظہور تک افغانستان کے متوسط شہروں میں سے رہا۔
تکین آباد	موجودہ قندہار کی جگہ آباد تھا۔ مغلوں کے ظہور تک زابل کی ولایت میں افغانستان کا نہایت مشہور شہر شمار ہوتا رہا۔
تالقان اول	موجودہ تالقان (قطغن) کے گرد و نواح میں واقع تھا اور چنگیزی حملہ تک افغانستان کے اہم ترین شہروں میں اسکا شمار رہا۔
تالقان دوم	مرغاب (ہرات) کے علاقہ میں واقع تھا۔ چنگیزی تباہ کاریوں تک نہایت بارونق شہر رہا۔
تاق (طاق)	چھوٹا سا مضبوط اور منتظم شہر تھا۔ شہر زرنج (سیستان) کے قرب و جوار میں تھا اور مغلوں کے ظہور تک خوب بارونق اور آباد تھا۔
تہتہ (تختہ)	سندھ کے نواح میں افغانستان کا قدیم اور تاریخی شہر تھا۔ اب اس جگہ پر ایک قصبہ آباد ہے۔
جوین	مسلمانوں کے عہد میں افغانستان کا اوسط درجہ کا شہر تھا اور سیستان (موجودہ فراہ) کے علاقہ میں تھا۔ اب اسکا نشان تک باقی نہیں ہے۔
ذرنگ (زرنج)	افغانستان کا نہایت ہی قدیم اور تاریخی شہر اور ولایت سیستان کا پایۂ تخت تھا۔ مغلوں کی دہشت انگیز تباہیوں کی نذر ہوا۔
زرغون شہر	موجودہ لوگر کے علاقہ میں واقع تھا اور قرون وسطیٰ میں افغانستان کے متوسط شہروں میں گنا جاتا تھا۔ اب اس شہر کی بنیاد کی اینٹ تک نہیں ہے۔
سمنگان (ایبک)	اہل عرب کے حملوں کے زمانہ تک افغانستان کے نفیس و تاریخی شہروں میں سے تھا۔ بعد میں اجڑ گیا۔ اب ایک گاؤں اسکی جگہ آباد ہے۔
سرخس قدیم	تمام قرون وسطیٰ میں افغانستان کے اہم شہروں میں تھا۔ اب اس کی جگہ موجودہ سرخس کو چک نے لے لی ہے۔
شورمین	موجودہ ہزارہ جات میں آباد تھا اور مغلوں کے حملوں تک افغانستان کے مشہور شہروں میں سے ایک شہر تھا۔
شائی (شاہی)	شہر ضحاک (بامیاں) کے نواح میں واقع تھا اور قرون وسطیٰ میں افغانستان کا مشہور شہر تھا۔
شہرک	غور کے علاقہ میں تھا۔ مسلمان بادشاہتوں کے وقت افغانستان کا اہم شہر تھا۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلاطین غور کا پایۂ تخت تھا۔
شیربرتگائی	موجودہ میمنہ کے علاقہ میں واقع تھا اور مغلوں کے ظہور تک افغانستان کا بارونق شہر رہا۔
ضحاک	شہر بامیاں کے آس پاس تھا اور افغانستان کے تاریخی شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
غزنی قدیم	افغانستان کے بہترین شہروں میں سے تھا اور غوری اور مغل بادشاہوں کے زمانہ تک بہت آباد اور بارونق تھا۔
غلغلہ	بامیان کے مجسموں کے بالمقابل واقع تھا اور افغانستان کے نفیس شہروں میں سے تھا۔ مغلوں نے اس کو مسمار کر دیا۔
فاریاب	افغانستان کا مشہور شہر تھا۔ مغلوں کے ظہور تک آباد اور بارونق رہا۔ اب ولایت فراہ کے قصبہ ولنگ آباد نے اسکی جگہ لے لی ہے۔
فراہ قدیم	موجودہ شہر فراہ کے نواح میں واقع تھا اور چارسو برس قبل میلاد اس طرف آباد تھا۔
فیروزوند	موجودہ قندہار کے علاقہ میں واقع تھا۔ افغانستان کے

	اوسط درجہ کے شہروں میں تھا۔ اب اس کا نشان تک باقی نہیں ہے۔
فیروز کوہ	غور کے علاقہ میں واقع تھا اور غوری بادشاہوں کے زمانہ میں افغانستان کا بڑا شہر تھا۔
قبصار	میمنہ کے علاقہ میں واقع تھا۔ افغانستان کا اوسط درجہ کا شہر تھا۔ اب اس کی جگہ قریہ اشغال آباد ہے۔
قندہار قدیم	موجودہ قندہار کے قرب وجوار میں واقع تہا۔ نادر شاہ ترکمان کے حملہ کے وقت تک افغانستان کا اہم شہر تھا۔ نادر شاہ نے برباد کر دیا۔
قصدار	بلوچستان میں واقع تھا اور قرونِ وسطےٰ میں افغانستان کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
قندز	خان آباد (موجودہ قطغن) سے چند میل پر واقع تھا۔ اور افغانستان کے مشہور شہروں میں شمار کیا جاتا تھا۔
قرہ باغ	غور کے علاقہ میں تھا اور مسلمانوں کے عہد میں افغانستان کا اوسط درجہ کا شہر شمار ہوتا تہا۔
کاپیسی نگارا	موجودہ کوہ دامن (کابل کی شمالی طرف) میں واقع تھا۔ اور مسلمانوں سے پہلے افغانستان کا خوشنما شہر تھا۔
کارتنہ	بگرام (جبل السراج) کی حدود میں تھا اور افغانستان کا تاریخی شہر تھا۔ اسکندر نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔
کوہسان	ہرات کے علاقہ میں واقع تھا اور مسلمانوں کے زمانہ میں مشہور شہر تھا۔ اب سوائے کھنڈروں کے کچھ نہیں رہا۔
گرویز قدیم	ولایت پاختیا میں (موجودہ سمت جنوبی) واقع

	تھا۔ مسلمانوں کے دور میں مشہور شہر تھا کھنڈر اب بھی باقی ہیں۔
نگارآرا (ہدہ)	(موجودہ جلال آباد) کے نواح میں واقع تھا۔ اور ظہور اسلام کے زمانہ تک افغانستان کا نہایت ہی نفیس اور آراستہ شہر تھا۔
غلیک (یوکراتیدیا)	بلخ اور شبرغان کے مابین واقع تھا اور افغانستان قدیم کے نہایت پرانے شہروں میں سے تھا۔ بلخ کے بادشاہ "یوکراتید" نے دوسری صدی قبل میلاد میں اس کی بنیاد رکھی تھی۔
نیشاپور قدیم	افغانستان کے نہایت بارونق شہروں میں سے تھا۔ بعد میں مغلوں نے اس کو تباہ کیا۔ اور قجر اور ابدالی کی لڑائیوں میں برباد ہوا۔
نکائی	کوہ دامن اور کابل کے درمیان سکندر کے حکم سے آباد ہوا۔ اور زمانہ قبل اسلام میں افغانستان کا تاریخی شہر تھا۔
ہرات قدیم	موجودہ ہرات کی جگہ آباد تھا اور افغانستان کے نہایت مشہور اور بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ مغلوں نے منہدم کر دیا۔
ہزار اسپ	خوارزم (خیوہ) کا پایہ تخت تھا۔ مغلوں کے ظہور اور ان کی تباہکاریوں کے زمانہ تک افغانستان کے اہم شہروں میں شمار کیا جاتا تھا۔
مروچاق	موجودہ مروچاق کی جگہ پر جو علاقہ مرغاب میں ہے واقع تھا۔ اور افغانستان کے قدیمی شہروں میں شمار ہوتا تھا۔
مرو	موجودہ قصبہ مرو کے نزدیک آباد تھا اور افغانستان کے نہایت بڑے اور متمدن شہروں میں اس کا شمار تھا مغلوں نے برباد کر دیا۔

خاقانِ افغانستان کا سفرنامہ

چونکہ میں قندھار سے ہندوستان واپس چلا آیا اور ہرات و چشت و بدخشاں و بلخ و مزار شریف وغیرہ مقامات ماتحت حکومت افغانستان کی سیر نہ کرسکا اس لئے مجھے تلاش تھی کہ مذکورہ مقامات کی نسبت ایسی معتبر کتابیں مل جائیں جن سے اپنے سفرنامہ کو مکمل کردوں۔ چنانچہ جناب سردار گویا صاحب نے کابل میں مجھے ہرات و چشت وغیرہ مقامات کی نسبت بہت عمدہ کتابیں عنایت کی تھیں جن سے میں نے نوٹ تیار کئے تھے

اس سلسلہ میں مجھے اعلیحضرت خاقان افغانستان غازی محمد نادر شاہ کا ایک فارسی سفرنامہ بھی مل گیا جو اُنھوں نے غازی محمد امان اللہ خاں سابق تاجدار افغانستان کے زمانہ میں بحیثیت افسر فوج لکھا تھا۔ اور قدغن اور بدخشاں کے تفصیلی حالات قلم بند کئے تھے۔ اور ہر مقام کے نقشے تیار فرمائے تھے۔ جب میں افغانستان سے دہلی پہنچا اور کئی سو کتابوں کا بنڈل ریل میں رہ گیا جو میں افغانستان سے لایا تھا تو میں نے کابل کے احباب کو لکھا کہ کتابیں جو لایا تھا گم ہوگئیں لہذا اگر کچھ اور کتابیں مل سکیں تو مجھے بھیجو۔ مگر افسوس ہے کہ کسی نے کوئی کتاب نہ بھیجی البتہ خود اعلیحضرت کے سفرنامہ قدغن اور بدخشاں کی ایک جلد وہاں سے آگئی جس سے میں نے اپنے سفرنامہ کے لئے حالات جمع کئے اور نقشے بھی نقل کرلئے تاکہ ان سیاحوں کو مفید ہوں جو قدغن اور بدخشاں کی سیر کرنی چاہیں۔ (ترجمہ مولانا اسمٰعیل صاحب ذبیح کانپوری سے کرایا)

سفرنامہ پر ایک نظر میں نے اعلیحضرت غازی محمد نادر شاہ کے اس سفرنامہ کو بہت غور سے کئی بار پڑھا اور بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کتاب ایسے شخص نے لکھی ہے جس نے اس وقت تک یورپ کا سفر نہیں کیا تھا اور وہ یورپ کے طرز تحریر اور طریقہ فراہمی معلومات عامہ سے واقف نہ تھا مگر اس نے سفرنامہ میں کسی جزو کل کو باقی نہیں چھوڑا ہر چیز قلمبند کردی۔ لارڈ کرزن نے جب ایران کا سفرنامہ شائع کیا تو ان کی انگریز قوم نے فخریہ کہا تھا کہ انگریز اسطرح آنکھ کھولکر سفر کیا کرتے ہیں" پس اگر میں بھی غازی محمد نادر شاہ کے اس سفرنامہ کی نسبت یہ لکھوں تو بیجا نہ ہوگا کہ "افغان بھی اس گہری نظر سے خدا کی زمین کی سیاحت کرتے ہیں" ناظرین اندازہ کرسکیں گے کہ غازی محمد نادر شاہ نے کیسی جامعیت سے یہ سفرنامہ لکھا اور کسطرح قدغن

اور بدخشاں کو کتاب کے آئینہ میں پوری طرح دکھایا ہے۔

افسوس ہے کہ میں پوری کتاب کو نقل نہیں کرسکتا بلکہ کہیں کہیں سے خلاصہ اخذ کیا ہے تاہم اس خلاصہ اقتباس سے بھی غازی ممدوح کے طرز تحریر کا اندازہ ہو جائیگا۔ بڑے شہروں اور چھوٹے دیہات کی پیداوار مع آبادی۔ خانہ شماری۔ اقوام اور انکی مراسم اور ان کے نام یہانتک کہ ان کی مویشیوں کی تعداد بھی درج کردی ہے میں نے گھوڑوں۔ بکریوں۔ اونٹوں وغیرہ کی تعداد کو چھوڑ دیا اور بہت سی دلچسپ تفصیلات بھی قلمزن کردیں کیونکہ سفرنامہ بہت بڑا ہو جاتا لیکن ان سب چیزوں کو دیکھکر حیران ضرور ہوا کہ کیونکر ایک سیاح نے یہ معلومات مہیا کی ہونگی اور کتنی محنت اس معلومات کی فراہمی کے لئے ان کو کرنی پڑی ہوگی۔

غازی موصوف کا سفرنامہ دیکھکر مجھے شرم آنے لگی کہ میں نے کابل و غزنی اور قندہار کے جو حالات اس سفرنامہ میں لکھے ہیں وہ غازی محمد نادر شاہ کے سفرنامہ کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔

غازی ممدوح کے سفرنامہ کی طباعت صاف نہیں ہے نقشے اور عبارتیں نقل کرنے کے وقت محسوس ہوا کہ چھپائی میں الفاظ اُڑ گئے ہیں اور ان کا پڑھنا دشوار ہے خاصکر اس شخص کو جو ان مقامات پر گیا بھی نہیں اور وہ ان ناموں سے آشنا بھی نہیں ہے۔ بہرحال میرے ناظرین غازی محمد نادر شاہ کے سفرنامہ کے خلاصہ کو ملاحظہ فرمائیں جو ذیل میں درج ہے۔ اور جس سے میری مدح وستائش کی تصدیق ہوسکتی ہے

حسن نظامی

سفرنامۂ غازی محمد نادر شاہ

”قطغن اور بدخشاں کے حالات“ کا خلاصہ

جغرافیہ قطغن اور بدخشاں کا علاقہ شمالی افغانستان میں واقع ہے اس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال کی طرف دریائے آمو ہے اور شمال شرقی کی طرف پامیرات شرقی جانب کوتل دورائے جنوب کی طرف کوتل بریاں اور کوتل خاک اور جنوب غربی کی طرف غور کا علاقہ ہے اور مغربی جانب ابدال پہاڑ ہے۔ یہ پہاڑ قندوز اور تاشقرغان کے درمیان واقع ہے جس کی لمبائی افغانی پیمانہ سے ۲۳۹ کردہ ہے اور عرض اندازاً ۹۵ کردہ۔ اس علاقہ میں پہاڑ بکثرت ہیں خاص طور سے بدخشاں بہت زیادہ پہاڑی علاقہ ہے نہایت سخت پتھر کے پہاڑوں کا ایک سلسلہ قطغن و بدخشاں کو محیط ہے قطغن و بدخشاں

نقشہ کالفگان
راہ رستان
مقیاس
یک اینچ مساوی ۴ میل
۴ ۲
کہ معادل ۲½ گروہ کابل

کے ان حصوں میں جہاں صاف مٹی کے میدان ہیں کاشت کی جاتی ہے۔ عام طور سے پہاڑوں کا بالائی حصہ مٹی سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے جس پر آسانی کاشت کی جاسکتی ہے قطغن میں ہموار زمین بہت ہے جو ہمیشہ دریاؤں کے پانی سے سیراب رہتی ہے اور جہاں ہر قسم کی کاشت کیجا سکتی ہے لیکن بدخشاں میں ہموار زمین کم ہے اور اکثر ریتلی، پتھریلی اور بنجر زمین ہے جو للمی کہلاتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی پگھلی ہوئی برف اور چشموں کا پانی بدخشاں کی زراعت کے لئے فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

قطغن کے دریا علاقہ قطغن میں تین دریا بہتے ہیں (۱) دریائے تالقان جو فرخار اور ورسج سے نکلتا ہے اور (۲) دریائے بنگی جو قطغن کے تقریباً تمام حصوں میں بہتا ہے اور (۳) دریائے عدزی و لبغلان ہے جو قطغن کے مختلف حصوں کو سیراب کرتا ہوا قلعہ زال میں دریائے اموریہ میں گرتا ہے۔ تالقان قطغن کا ایک موضع ہے جسکے نام پر دریا کا نام رکھا گیا ہے تالقان کو اس دریا نے بہت زیادہ سیراب کیا ہے ان سب دریاؤں سے مختلف نہریں نکالی گئی ہیں جو قطغن کی زراعت کی ترقی کا باعث ہیں

بدخشاں کے دریا بدخشاں کا سب سے بڑا دریا کوکچہ ہے جو جنوب و مغرب میں بہتا ہے اور تین دریاؤں سے بنا ہے (۱) دریائے جرم سے جو کران و منجان سے نکلتا ہے (۲) دریائے زردوج جو بہت سے پہاڑی چشموں کو ایک ساتھ لیکر بہتا ہے (۳) دریائے زردیو جو سر غیلان اور رند کی کے مقامات کی طرف سے آتا ہے اور یہ تینوں دریا "شش پل" کے مقام پر ملتے ہیں جہاں سے دریائے کوکچہ بہتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ دریائے کوکچہ سے بدخشاں کی زراعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ دریائے جرم کچھ مفید ہے۔ کیونکہ دریائے زردوج بہارک کی تمام کھیتوں اور قابل کاشت زمین کو سیراب کرتا ہے اور دریائے زردیو خیر آباد و بہارک کے باغات اور ان علاقوں کی پوری آراضی کو شاداب کر دیتا ہے۔ دریائے جرم برف اور چشموں کے پانی کا مجموعہ ہے جو زراعت کیلئے بیحد مفید ہے۔ دریائے کوکچہ فیض آباد اور رستاق سے ہوتا ہوا "قلعہ رے خانم" میں دریائے اموریہ سے ملتا ہے ان حدود میں یہ دریا زراعت کے لئے کچھ کچھ مفید ثابت ہوتا ہے اور حصار کے قریہ جات میں بھی اس سے کام لیا جاتا ہے۔ (۲) دریائے ورانیم۔ اس دریا میں پانی بہت کم رہتا ہے لیکن مفید ہے۔ "المیتن" کے قریب دریائے کوکچہ میں گرتا ہے۔ (۳) دریائے تشکان۔ اس میں بھی پانی ہمیشہ بہت کم رہتا ہے اور یہ آبیاری بھی زیادہ نہیں کرتا۔ دریائے ورانیم سے کچھ فاصلہ پر کوکچہ میں گرتا ہے۔ (۴) دریائے کشم اس میں بھی برائے نام پانی رہتا ہے۔ "پل بیگم" کے مقام پر دریائے کوکچہ میں گرتا ہے

(۵) دریائے آمویہ پامیرات سے نکلتا ہے اور یہاں کے
چشموں اور پہاڑوں کے پانی سے دریا بنتا ہے اس کے
کنارے کنارے بید، عرعر اور متعدد جنگلی درختوں کے
جنگل ہیں۔ اس دریا کے آس پاس جو گاؤں ہیں انکی زراعت
کے لیئے اس کا پانی استعمال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ان مقامات
کی زراعت پہاڑوں کے برف کے پانی سے ہوتی ہے جو اردگرد کے
پہاڑوں سے بہتا رہتا ہے اور کھیتوں کو سیراب کرتا ہوا دریائے آمویہ میں جا ملتا
ہے۔ دریائے آمویہ کے اردگرد کے پہاڑوں سے صرف برف کا پانی آتا ہے بلکہ
قدرت نے ان پہاڑوں میں سرد گرم پانی کے بہت سے چشمے بھی جاری
کر رکھے ہیں جنکا پانی اس دریا کو دریا بنا دیتا ہے لیکن سب سے زیادہ پانی
کی مقدار شغنان روشی اور خاروق کے پانیوں کی ہے۔ جس سے
دریائے آمویہ کے عرض و گہرائی میں بہت ترقی ہوتی
ہے۔ اور پہلے سے دوبالا شان ہو جاتی ہے۔ یہ دریا درۂ
واخان، اشکاشم، غزنی، غاران شغنان، درواز اور کہ
رستاق سے ہوتا ہوا حضرت امام صاحب کے مقام پر آتا ہے
اور پھر وہاں سے تاشقرغان میں آتا ہے جو مزار شریف
کے علاقہ میں ہے۔ یہ دریا "تھانہ تیغری توں قندوز" کے مقام
پر افغانی حد سے نکلکر روس میں چلا جاتا ہے اور افغانستان کی حد روس سے
جدا کرتا ہے روس کے علاقہ میں پہنچکر افغانستان کی کئی دریا اسمیں گرتے ہیں۔

قطغن کے مختصر تاریخی حالات

حکومت قطغنیہ کی ابتدا
قندوز میں ہوئی تھی۔ جب سبحان قلی خان امیر بخارا کے
زمانہ میں قطغنی جماعت ان سے ناراض ہو کر سمرقند سے
"دشت نبات" میں چلی آئی اور یہاں پر سکونت اختیار
کر لی تو انھوں نے بالاتفاق بیگ مراد خاں کو اپنا رئیس
اور قوم کا سردار منتخب کیا جس کے احکام کی یہ قطغنی قوم
بہت زیادہ اطاعت کرتی تھی لیکن کچھ دنوں بعد یہ
جماعت دشت نبات سے کوچ کر کے قندوز چلی آئی اور
یہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس قوم نے یہاں قوت حاصل کی
اور بیگ مراد خاں نے اپنے تعلقات دوستانہ طور پر حاکم
قندوز سے قایم کئے لیکن بعد میں حاکم قندوز معزول کر دیا
گیا اور اس کی جگہ بیگ مراد خاں کو حاکم قندوز بنایا گیا
بیگ مراد خاں نے حاکم ہونے پر بہت زور پکڑا اور فوراً ہی
تالقان، امام صاحب، کلغگان، خوست اور فرنگ
کے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اور ایک سال بھی نہیں گذرا
تھا کہ اس نے کولاب پر چڑھائی کر دی اور اس کو بھی اپنے
تصرف میں لے آیا اور وہاں کی حکومت اپنے ایک بیٹے
کے سپرد کر دی اور خود سنہ ۱۱۱۱ھ میں فوت ہو گیا۔ محمود جو
اس کے بیٹے کا اتالیق تھا اسکی جگہ بیٹھا اور اپنے دور میں
حصار، غدری، تغلان، فرخار، قدسیح اور مشہد کو بھی
فتح کر لیا۔ اور پچاس ہزار سواروں کی ایک فوج جمع کر کے
بدخشاں فتح کرنے کے ارادہ سے دریائے مشہد کے کنارے
جا پہنچا۔ مقابلہ کے لئے میر یار بیگ خاں آیا لیکن تین دن

کی خونریزی کے بعد میر یار بیگ خاں کو شکست ہوئی اور بدخشانی فوج پسپا کردی گئی۔ محمود سنگ مہر کے راستہ سے داخل ہوا مگر یار بیگ خاں فیض آباد میں پہنچ چکا تھا محمود نے اس کا محاصرہ کیا۔ بحالت محاصرہ ناگاہ ایک قاصد سبحان قلی خاں امیر بخارا کی طرف سے یہ پیغام لایا کہ "اورگنج کا خان ایک بڑے لشکر کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوا ہے اور ہم مغلوب ہو گئے ہیں لہذا مدد کے لئے فوراً ادھر آؤ" اور وہاں کا خیال چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ پیغام ملتے ہی محمود فوراً دس ہزار سواروں کو لیکر بخارا روانہ ہو گیا اور خان اورگنج کے لشکر کو شکست دی اور اس کو گرفتار کرکے امیر بخارا کے سامنے پیش کیا۔ امیر نے اورگنج کا علاقہ محمود کو دیدیا اور محمود کو اتالیق کا لقب بھی دیا۔ لیکن محمود نے اپنے ایک ملازم عبداللہ کو اورگنج کی ریاست دیدی چنانچہ ابتک اورگنج کی حکومت عبداللہ کے خاندان میں باقی ہے امیر بخارا نے بلخ کا علاقہ بھی محمود کے سپرد کردیا۔ محمود بلخ کی حکومت اپنے بھانجے کی نگرانی میں دیکر خود قندوز چلا آیا۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد ہی اسکے بھانجے نے اطلاع دی کہ بخارا کی فوج حملہ کی تیاری کررہی ہے اور عنقریب ایک بڑی یورش کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ خبر سنکر محمود ایک لشکر جرار لیکر فوراً روانہ ہوا اور بخارا کے سپاہیوں کی اچھی طرح گوشمالی کی اور سلطان قلی خاں امیر بخارا کی خدمت میں یہ عذر نامہ بھیجا کہ "جناب میں آپ کا نمکخوار غلام ہوں لیکن بخارا کی فوج نے آپ کے بخشے ہوئے ملک کو مجھ سے زبردستی لینے کا ارادہ کیا تھا اس لئے ممکوان کی گوشمالی ضروری معلوم ہوئی۔ آپ کسی کو بھیجیں تاکہ میں بلخ کا انتظام اسکے سپرد کردوں" امیر موصوف نے اس کے جواب میں محمود کو خلعت بھیجا۔ واپسی کے وقت محمود نے بدخشاں پر بھی قبضہ کرلیا اور یار بیگ خاں کو مشہد سے نکال دیا۔

سنہ ۱۱۲۰ھ میں جبکہ گرمی کا موسم تھا تکمش میں زلزلہ آیا اور محمود اتالیق ایک عمارت کے نیچے دب کر مرگیا۔ محمود اتالیق کے بعد اسکا بیٹا سہراب خان تخت حکومت پر بیٹھا لیکن دس سال کی حکمرانی کے بعد سنہ ۱۱۳۰ھ میں اس کا بھی انتقال ہوگیا۔ سہراب خاں کے بعد اس کا بیٹا مضراب بے حاکم ہوا۔ لیکن وہ بھی دس سال زندہ رہ کر سنہ ۱۱۴۰ھ میں انتقال کرگیا۔ مضراب بے کے بعد اس کا بیٹا محمد یوسف بے حاکم ہوا اس نے بیس سال تک نہایت کامیابی سے حکومت کی اور سنہ ۱۱۶۰ھ میں اس عالم فانی سے گذر گیا۔ اس کے بعد ہزارہ بے نے حکومت سنبھالی جو پندرہ سال تک نہایت اقبالمندی کے ساتھ حکومت کرتا رہا بالآخر وہ بھی سنہ ۱۱۷۵ھ میں رحلت کرگیا۔ ہزارہ بے کے بعد اس کے فرزند دارا بے نے حکومت کی باگ سنبھالی۔ اس نے حکومت کے ابتدائی سالوں میں قندوز ہی میں حکومت کی لیکن چونکہ وہ ظالم اور جفا پیشہ

ہوگیا تھا اس لئے وہ سلطنت سے ہٹا دیا گیا اور معزولی کی حالت میں قندوز سے بلخ چلا آیا اور یہیں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ مگر غربت کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس کھانے کو بھی کچھ نہ تھا۔ یہ لڑکے مضطرب ہوکر کولاب آئے لیکن وہاں بھی ان کا غنچۂ اقبال شگفتہ نہ ہوا وہاں سے یہ بدخشاں آئے لیکن وہاں بھی شاہد مقصود نے ان کو اپنا چہرہ نہ دکھایا۔ وہاں سے یہ فرخار پہنچے اور نفر بیگ حاکم سے ملے جو ان کے ساتھ محبت و خلوص سے پیش آیا یہاں پہنچکر ان کے اقبال کا ستارا چمکا اور ان شاہزادوں نے ایک جماعت کو اپنا ہمنوا بنالیا اور اشکمش پر قابض ہوگئے۔ مراد بے جو ان شاہزادوں میں سب سے بڑا تھا اس نے زمام حکومت اپنے قبضہ میں کی اور اشکمش پر قابض ہونے کے بعد اس نے تالقان پر حملہ کیا۔ تالقان کا حاکم تاب مقاومت نہ لاسکا اور فرار ہوگیا۔ مراد بے نے تالقان کی حکومت اپنے چھوٹے بھائی مضراب جان کے سپرد کردی اور "امام صاحب" پر پیشقدمی کرکے اس کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرلیا اور اس مقام کا حاکم اپنے تیسرے بھائی حضرت جان کو بنادیا اور پھر رستاق پر فوج کشی کرکے اپنے چوتھے بھائی احد بیگ کو وہاں کا حاکم بنایا لیکن ابھی وہ قندوز کی طرف بڑھا تھا کہ احد بیگ کی طرف سے کچھ سرکشی اور بغاوت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اسنے واپس ہوکر اپنے بھائی کے مزاج درست کردیے مگر اسکے قصور کو معاف کردیا۔ یہاں سے پھر وہ بدخشاں کی فتح کے ارادہ سے آیا۔ مقابلہ کے لئے بہادر شاہ اور میر یار بیگ ثانی آئے گنجشگان گلفگان میں ایک خونریز جنگ ہوئی مراد بے کامیاب رہا اور مخالفین کو شکست فاش ہوئی اور انھوں نے صلح کی آرزو ظاہر کی اور اس بات پر صلح ہوئی کہ مشہد و کشم کے علاقوں پر مراد بے کی حکومت رہیگی اور بدخشاں کے باقی علاقے ان دونوں کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ ۱۲۵۸ھ میں اس کا انتقال ہوگیا اس کے بعد شاہ مراد خاں تخت حکومت پر بیٹھا جو اپنے آٹھوں بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا لیکن ہمت و جرأت اور عقلمندی میں سب سے بڑا تھا۔ اس نے اپنے سب بھائیوں کو مغلوب کیا اس کے تین بیٹے تھے سلطان مراد، عبدالرحیم اور عبدالکریم۔ تالقان کا علاقہ سلطان مراد کو، نہرین کا علاقہ عبدالرحیم کو اور غدری کی حکومت عبدالکریم کے سپرد کرکے وہ فتوحات بڑھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ اسنے سردار محمد اعظم خاں اور سردار محمد افضل خاں کو ایک تہدید نامہ لکھا کہ اگر امن و سلامتی چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو اور خراج ادا کرو ورنہ میری فوج ظفر موج کے حملہ کے منتظر رہو" لیکن ان دونوں سرداروں نے اس حکمنامہ کی کوئی پروا نہ کی شاہ مراد خاں نے ان پر فوج کشی کی تب انھوں نے خراج

نقشہ خان آباد
دریائے تالقان
راہ علی آباد
شیخ علی
چشمہ تاق
مقیاس

دینا منظور کرلیا۔ شاہ مراد خاں سنہ ۱۸۲۱ء میں رحلت کرگیا سُلطان مراد نہرین کے حاکم نے حکومت افغانستان کی اطاعت قبول کرلی تھی لیکن اس کا دوسرا بھائی عبدالرحیم حاکم غوری امیر بخارا کے بہکانے سے سلطنت افغانیہ سے سرکش ہوگیا تھا۔ امیر بخارا نے بہکایا تھا کہ وہ افغانیوں کے خلاف بغاوت کرے اور آزاد ہوجائے۔ سُلطان مراد کو بھائی کی یہ حرکت پسند نہ تھی۔ اور امیر بخارا کی یہ شرارت بھی اس کو ناگوار ہوئی اس لئے اس نے بلخ کے حاکم سردار فیض محمد خاں کو خط لکھا کہ "چار ہزار کا لشکر محمد حسین خاں کی سرکردگی میں زردآلو اور درہ کلفگان میں روانہ کرو تاکہ امیر بخارا کو اس کی بدطینتی کی سزا دیجائے"۔ چنانچہ امیر بخارا سے جنگ ہوئی جس میں امیر بخارا کو بہت بڑی شکست ہوئی اور وہ خوفزدہ ہوکر چترال بھاگ گیا سُلطان مراد نے محمد حسین خاں کو اسکی جگہ کا حاکم مقرر کردیا۔

لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ قطغن کے حاکموں کی طرف سے سرکشی کی اطلاعیں پہنچیں اور معلوم ہوا کہ میر قطغن خود کو آزاد اور افغانی مرکزی حکومت سے الگ سمجھتا ہے اور اندرون افغانستان میں اپنی معاندانہ کوششوں سے ایک ہیجان اور انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے لیکن یہ زمانہ تھا جبکہ افغانستان کی مرکزی حکومت طاقتور تھی اور اس قسم کے سرکش حاکموں کی پورے طور پر گوشمالی کیجاسکتی تھی اس لئے قرین الشرف امیر محمد افضل خاں مرحوم نے اپنے بھائی سردار احمد اعظم خاں اور اپنے بیٹے ضیاء الملت والدین کی سرکردگی میں جو اس وقت افغانی افواج کا سپہ سالار اعظم تھا قطغن و بدخشاں کو فتح کرنے اور تمام سرکشوں کا قلع قمع کرنے کی غرض سے ایک لشکر جرار روانہ کیا۔ ان افغانی فوجوں نے قطغن و بدخشاں کے علاقہ کو فساد سے پاک کردیا اور اس پر افغانی مرکزی حکومت کا علم گاڑ دیا۔ **اس وقت سے لیکر اب تک قطغن و بدخشاں کا علاقہ افغانستان میں شامل ہے اور کبھی افغانی حکومت سے باہر نہیں ہوا**

افغانستان کی مرکزی حکومت کی طرف سے وہاں کے انتظامات کے لئے ایک نائب الحکومت اور مختلف ماتحت حکام مقرر کئے جاتے ہیں۔

قطغن کے حدود اربعہ شرقاً بدخشاں کے علاقہ جات ہیں۔ شمالاً دریائے آموییہ ہے۔ جنوباً کوہ ہندوکش ہے جو کابل اور قطغن کے علاقوں میں حد فاصل ہے۔ اور مغربی جانب ترکستان کا علاقہ ہے۔

خان آباد قطغن اور بدخشاں کے صوبہ کا دارالحکومت خان آباد ہے جہاں نائب الحکومت (گورنر) رہتا ہے خان آباد کی مشرقی جانب تالقان اور شمال کی طرف حضرت امام صاحب اور مغربی جانب قندوز و تاشقرغان اور جنوب کی طرف نہرین اور اندراب ہے۔ خان آباد سطح سمندر سے ۲۵۰۰ فیٹ

بلند ہے یہاں کی آب وہوا صحت کے لئے مفید نہیں ہے ماہ سنبلہ اور ماہ میزان سے لیکر ماہِ عقرب تک ملیریا کا بہت زیادہ زور رہتا ہے۔ زکام و کھانسی کے مریض بھی یہاں بکثرت ہیں تقریباً ۵۰ فیصدی لوگ مختلف امراض کا شکار رہتے ہیں گرمیوں اور سردیوں میں مغرب کے بعد سے صبح تک روزانہ ٹھنڈی ہوا چلتی رہتی ہے۔

شہر اور اطراف شہر میں مختلف اقوام آباد ہیں ہزارہ، ازبک اور تاجک قبائل کے لوگ بکثرت ہیں لیکن خان آباد کے پرانے اور اصلی باشندے بہت کم ہیں اطراف کے آئے ہوئے زیادہ ہیں۔ خان آباد کے شمالی جانب دریا بہتا ہے۔ یہاں ایک خوبصورت باغ بھی ہے اور ایک خوبصورت محل "حیات آباد" بھی باغ کے قریب ہی موجود ہے۔ خان آباد کے چاروں طرف بلند بلند کوہ ہائے خاکی ہیں اور وہ بہت ہی نشیب میں واقع ہے۔ چاروں طرف کا پانی خان آباد کے میدان میں اکٹھا ہوتا ہے اور ایک جانب دریائے خان آباد ہے اور یہی وجہ ہے کہ شہر خان آباد کی آب وہوا بہت خراب ہے۔

خان آباد قطغن میں ایک بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں کا بازار بہت مشہور ہے جس میں ضرورت کی تمام چیزیں ملتی ہیں شہر میں چار بڑی سڑکیں اور ایک بڑا بازار ہے۔

خان آباد میں ۴۸۴۷ گھر ۴۳۹ دوکانیں ۱۹ سرائیں اور ۲ جامع مسجدیں ہیں۔

خان آباد کے مکانوں اور دکانوں کی تفصیل

محلہ کا نام	مکانوں و دکانوں کی تعداد
محلہ خواجۂ پالک	۲۷۱
محلہ چہار یکار	۱۵۰
محلہ تختہ گبرک	۱۱۳
محلہ دروازۂ کابل	۱۸
محلہ نجار	۵
دکاندار	**دکانوں کی تعداد**
بقال	۵
سنار	۱۸
سماوار فروش	۹۰
خوردہ فروش	۲
جُلاہا اور دھنیا	۴
قلعی گر	۱۶
کلال	۵
نعل بند	۸
بنیہ	۸۰
رنگریز	۷
نانبائی	۱۰
قصاب	۹

نام دکاندار	تعداد دکان
پوستین فروش	۴
اسباب کہنہ فروش	۷

شہر کی دونوں جامع مسجدیں محب اللہ خان تاجر محلہ چہار ریکار اور سمندر خاں کوتوال شہر نے تعمیر کرائی ہیں۔

شہر میں دو حمام ہیں ایک سرکاری ہے دوسرا محب اللہ خان تاجر چہار ریکار نے تعمیر کرایا ہے۔ ۱۹ سرائیں ہیں جن میں سے ایک سرکاری ہے اور باقی تاجروں نے بنوائی ہیں۔

سمت مشرقی خان آباد کے دیہاتوں کی تفصیل

ذیل میں سمت مشرقی خان آباد کے دیہاتوں کے نام اور وہاں کے مکانات کی تعداد کی تفصیل بصورت نقشہ پیش کی جاتی ہے۔

نام دیہات	تعداد مکانات
جنگ شکہ	۷۷
دلگرسائے	۹۷
بولہ کادر	۵۳
گرسالہ، قرہ طاس اور تیرمن	۱۳۳
بنگی اور چشمہ طاق	۸۱
دیلخہ اور چہارچنار اور دہانہ سیاب	۱۰۱
قشلاق فاضل	۸۰
گرگک	۷۴
میان علی اور خوک درہ	۴۳
جلامیر	۱۲۷
سقاب	۵۵
دہانہ بنگی اور شیخعلی	۳۰
باجی	۴۰
قزلتاش	۸۰
قشلاق اور املا	۱۹۶
چارسائے و جلابنجی	۸۰
چوغہ	۱۰۴
دہ ویران	۶۰
جیدہ کمر	۲۵
قرغز	۵۴
میزان کل مکانات	۱۵۹۰

سمت شمالی خان آباد کے قریہ جات کی تفصیل

قریہ کا نام	مکانات کی تعداد
کوہ جیلوجہ	۳۷۱
سُہاک	۲۱
قشلاق جرمکری	۱۵
باسُوس	۳۴

قریہ کا نام	مکانات کی تعداد
قشلاق کابلی	۱۸
سرائے افغانیہ	۸۹
قزل سائے	۱۴
قشلاق سرائے	۲۵
کدوگن	۵۰
جنت باغ	۱۵
مُلّا خیل	۲۶
نیانئی	۱۷۲
دولت یار	۲۹
کوچی اختلاش	۲۴۲
صافی	۵۹
بوین	۱۴۲
سدر مضان	۲۰۲
سید انور	۳
میزان کل قریہ جات	۱۳۲۷

سمت غربی خان آباد کے دیہاتوں کی تفصیل

سمت غربی خان آباد کا علاقہ "جنگل باشی" کے نام سے مشہور ہے وہاں کے دیہات اور مکانات کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں

دیہات کا نام	مکانات کی تعداد
بند علی ہزارہ	۱۴۶

دیہات کا نام	مکانات کی تعداد
چاشت چہار سری	۷
تیرہ خیل	۵۷
غاپچی	۳۹
ایشان توت	۱۷۶
خواجہ پستہ	۳۰
قشلاق مُلّا غلام	۹۱
مُعاف علی	۱۲
زردکمر	۵۸
میزان مکانات	۶۱۶

سمت جنوبی خان آباد کے دیہاتوں کی تفصیل

سمتِ جنوبی کے دیہات "چہار توت" کے نام سے مشہور ہیں۔

نام قریہ	تعداد مکانات
کردخیل	۸۱
خواجہ پالک	۴۰
ریگ روانی	۲۸
قشلاق محمد غوث	۶۷
صوفی خیل	۱۳۶
قشلاق بہرام خاں	۷۰
خوگیانی	۷۴
غوربندی	۷۵
کل میزان	۵۷۱

شہر اور نواح خان آباد میں ۲ ۱۹ ۴ گھر ہیں جس میں اندازاً بارہ ہزار لوگ بستے ہیں۔ اقوام تاجک، ہزارہ، ازبک اور افغان ہر بستی میں باہم مخلوط ہیں۔

زراعت خان آباد کے اطراف کی زمینیں کئی قسم کی ہیں۔ اعلیٰ قسم کی زمینوں میں جہاں زراعت کے لئے پانی اچھی طرح مہیا ہو جاتا ہے مختلف قسم کی کاشت کی جاتی ہے گیہوں، جَو، کئی قسم کے چاول، ماش، جوار، گنا، روئی اور کئی اقسام کی ترکاریاں بوئی جاتی ہیں اور ان کی باقاعدہ کاشت ہوتی ہے اور وہ حصہ زمین جو للمی کہلاتا ہے وہاں گیہوں۔ جَو پیدا ہوتا ہے اور خربوزہ و تربوز بھی پیدا ہوتا ہے۔ للمی زمینوں پر خربوزہ کی کاشت بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اور خان آباد کا خربوزہ شیرینی اور مزہ کے لحاظ سے تمام افغانستان میں مشہور ہے۔ سابقہ حکومتوں کے زمانے میں خان آباد کی تمام قابل کاشت اور بہترین زمین جنگلوں میں منتقل ہو گئی تھی اور اس پر کسی قسم کی کاشت نہیں ہوتی تھی لیکن "اعلیحضرت ضیاء الملت والدین" اور "اعلیحضرت امیر شہید" اور شاہ امان اللہ خان کے زمانہ میں ان جنگلوں کو کاٹ دیا گیا اور یہاں آبادی کا بندوبست کیا گیا اور تمام جنگلی زمینوں پر زراعت کرائی گئی۔ اب بھی ہر سال بہت سے جنگلوں کو خوبصورت اور مفید کھیتوں کی شکلوں میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

میوے خان آباد کے اطراف میں۔ شاہ توت، زرد آلو، آلوچہ، بہی، شفتالو، آمو بالو، ناک، عناب، خربوزے اور تربوز وغیرہ بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

صنعت و تجارت خان آباد کے علاقہ میں جو قومیں آباد ہیں وہ مختلف طریقہ پر کسب معاش کرتی ہیں پیشہ وروں کا ایک نقشہ اوپر گذر چکا ہے جس سے خان آباد کی صنعت کا ایک اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہزارہ قوم کے لوگ بکریاں اور بھیڑیں چراتے ہیں اور کپڑا بھی بنتے ہیں۔ اور تاجک قبیلہ کے لوگ بھی مختلف قسم کے کپڑے بنتے ہیں۔ اور افغانی لوگ زیادہ تر زرگری اور کاشتکاری کرتے ہیں۔ اور یہ سب قبائل تجارت بھی کرتے ہیں۔ چاولوں کی تجارت کا کاروبار بدخشاں کابل، مزار شریف اور سرحدوں تک وسیع ہے۔

زار روس کے زمانہ میں یہ قبائل ترکستان، بخارا، افغانستان اور روس کے درمیان تجارت کرتے تھے۔ ریشم کے باریک کپڑے قالین، کشمیری شالیں، اور چین و بخارا کے تیار کئے ہوئے کپڑوں کی تجارت ان کے قبضہ میں تھی لیکن اب روس و بخارا و ترکستان کی تجارت ان کے قبضہ سے نکل گئی ہے اور وہ راستے ان کے لئے مسدود کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ اب کابل۔ چترال۔ پشاور وغیرہ میں جاتے، قندا ور میووں سے لدا ہوا سامان لاتے اور لیجاتے ہیں۔

خوراک شہر اور قرب جوار کے بسنے والے اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھاتے ہیں۔ ہر قسم کے چاول مختلف قسم

کی ترکاریاں، اور روٹی ان کی عام غذا ہے۔ روٹی کے ساتھ اچھا سالن کھاتے ہیں اور غلہ و ترکاریوں کی قسم سے جو کچھ زمین سے پیدا ہوتا ہے اسکو کھانے میں دریغ نہیں کرتے

لباس تمام قبائل اور شہری سب عمدہ لباس پہنتے ہیں اور لباس کے معاملہ میں خرچ کی پروا نہیں کرتے۔ شہر کے سب لوگ خوش خوراک اور خوش لباس ہیں دیہات کے لوگ شہریوں سے مختلف ہیں اور وہ عام طور پر سر پر عمامہ باندھتے اور پاؤں میں موزہ ضرور پہنتے ہیں۔

رسم و رواج شادی کی رسم میں اقوام ازبک و ہزارہ کی قدیم رسم یہ تھی کہ لڑکی والے داماد سے گھوڑے، بکریاں، کھیت، باغات، نقد روپیہ اور زیادہ سے زیادہ سامان لئے بغیر شادی نہیں کرتے تھے۔ اور لڑکی کو جہیز میں لباس اور نقد روپیہ حیثیت سے زیادہ دیتے تھے۔ داماد کو گھوڑا دیتے تھے اور لڑکے والوں سے جو کچھ وصول ہوتا تھا وہ سب بیاہ کی رسموں میں خرچ کر ڈالتے تھے لیکن جب سے حکومت افغانستان نے "نظامنامہ نکاح و عروسی" بنایا ہے وہ پہلے کی طرح اسراف سے باز آگئے ہیں۔ اور نکاح کی فضول رسموں میں روپیہ برباد نہیں کرتے اور جا بیجا نظامیہ نکاح کی پابندی کی وجہ سے اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ نہیں کر سکتے اور اس سے انکی مالی حالت دن بدن ترقی کر رہی ہے۔

غمی کی مراسم اقوام ازبک و ہزارہ میں غمی کے موقع پر یہ غلو رسم جاری تھی کہ مرنے والے کے مال کو بیکار کاموں میں اتنا صرف کرتے تھے کہ سب نقد و جنس ختم ہو جاتا تھا۔ اور بیچارے بچے زندگی بھر کے لئے مفلس ہو جاتے تھے لیکن اب یہ مذموم اور ناجائز رسمیں بند ہو گئی ہیں۔ اور سب قبائل حکومت کے "نظامنامہ" کی پابندی کرتے ہیں۔

اسلحہ ازبک اور ہزارہ قوموں میں بندوق کا رواج نہیں ہے۔ وہ ایک خاص قسم کا لکڑی کا ہتھیار بناتے ہیں جو انسان کے قد سے بھی اونچا ہوتا ہے اور جس کو وہ "پتاق" کہتے ہیں۔ اور افغانی لوگ اعلیٰ قسم کی بندوقیں رکھتے ہیں جو انگریزی و روسی بندوقوں کی طرح ہوتی ہیں اور وہ تلواریں بھی رکھتے ہیں۔ خان آباد کے علاقہ میں کئی ہزار بندوقیں اور تلواریں اور دیگر اسلحہ لوگوں کے پاس ہیں

علماء و تجار خان آباد میں حسب ذیل اشخاص کو پبلک میں بہت اثر و رسوخ حاصل ہے۔

سلطان عطا ہند خاں	ملا محمد عیسیٰ تاجر
چقان سنگباشی سجانی وکیل	محب اللہ خاں تاجر
حاجی غلام حیدر تاجر	غلام محمد خاں تاجر
محمد عمر چہار یکاری تاجر	محمد عظیم خاں تاجر
ملا سید فقیر	غلام حیدر خاں تاجر
فضلو خاں تاجر	میر محمد شاہ تاجر

علی محمد خاں تاجر
جمعہ خاں تاجر
مولوی محمد یعقوب تاجر
میر سید عبدالحکیم
تاش محمد سنگباشی
ارجن مہر سنگھ
دوست محمد افغانی سنگباشی
محمد نسیم وکیل قوم طلطاوی

میر ہاشم تاجر
میاں محمد حسن تاجر
مولوی صاحب قندہاری
ملا ولی محمد وکیل افغانی
مولوی عبدالحق پنجشیری
ایشر داس
ملا دوست محمد وکیل
محمد سرور بیگ ولد میر
ملا دل بیگ ولد قابل بیگ

سڑکیں (۱) خان آباد سے ایک سڑک نکلتی ہے جو ذرار قزل سائی اور دشت آچی سے ہوتی ہوئی شہروان پر ختم ہوتی ہے۔ (۲) دوسری سڑک شمالی جانب سے جو حضرت امام صاحب اور دیگر سائی تک جاتی ہے (۳) تولک سے ہوتی ہوئی شہوان اور عنبر کوہ تک آتی ہے (۴) حضرت امام صاحب تک آتی ہے اور اس کے علاوہ سمت شمالی میں اور بھی کئی سڑکیں ہیں جو حضرت امام صاحب تک چلی گئی ہیں۔

مغربی جانب بھی کئی سڑکیں ہیں جو خان آباد سے قندوز تک جاتی ہیں اور بعض سڑکیں تاشقرغان تک بھی جاتی ہیں ان راستوں کے علاوہ یہ سڑکیں بھی مشہور ہیں (۵) سڑک تونین (۶) سڑک سدِ رمضان (۷) سڑک چہار سیری (۸) سڑک جرم۔

جنوبی حصہ میں بھی کئی مشہور سڑکیں ہیں جو شوراب، اندراب۔ نہرین۔ ایشک چی۔ دہ ویران۔ غوری چال شکہش قندوز۔ تاشقرغان اور بازار جائے تک جاتی ہیں۔

(۹) شرقی جانب ایک بڑی سڑک ہے جو سڑک جنجہ دیک کے نام سے مشہور ہے۔ یہ آب بنگی۔ تالقان اور بدخشاں تک جاتی ہے۔ جنجہ ایک مقام کا نام ہے جہاں دریائے تاشقان اور دریائے بنگی ملتے ہیں۔

قطغن کے پل علاقہ قطغن میں دریاؤں پر جو پل ہیں ان کی تعداد پندرہ ہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:۔

(۱) پل دریائے اندراب (۲) پل چوبی (۳) پل دریائے آزرو (۴) پل دریائے کشن آباد (۵) پل باجگاہ (۶) پل خنجان (۷) پل ذرخنجان (۸) پل رود لالیان خنجان (۹) پل دوشی (۱۰) پل خمری غدری (۱۱) پل خوست (۱۲) پل مزبو رد (۱۳) پل دوم درۂ خیلاب (۱۴) پل درۂ خیلاب (۱۵) پل درۂ خیلاب۔

درۂ خیلاب کے نام سے تین پل موسوم ہیں کیونکہ یہ سب درۂ خیلاب مقام پر ہیں اور یہ پل دریائے بنگی پر ہیں۔ دسواں پل خمری غوری جو پل خشتی غوری کے نام سے بھی مشہور ہے اس کو عبداللہ خان بادشاہ بلخ نے بنوایا تھا۔

قطغن میں آبادی کی گنجائش قطغن کے تمام اطراف و نواح پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ابھی مزید آبادی کی بہت گنجائش ہے اور وہاں ایسی خالی زمینیں بھی بہت ہیں جو زراعت کے قابل ہیں۔ اور ایسی بھی بہت ہیں جو

جو معمولی توجہ سے قابل کاشت ہو سکتی ہیں اس لئے کہ قطغن کے
اکثر حصوں میں جاری پانی بکثرت ہے۔ اس کے علاوہ بہت آسانی
سے ہر مقام پر پانی کی نہریں نکالی جا سکتی ہیں۔ اسلئے یہ یقینی ہے
کہ اگر بیکار پڑی ہوئی زمینوں کی آبپاشی اور آبیاری کیجائے تو
قطغن کی پیداوار میں حیرت انگیز اضافہ ہو سکتا ہے (موجودہ دور
نادری میں ترقی کا کام شروع کر دیا گیا ہے حسن نظامی) اور موجودہ آبادی
سے دو حصہ اور زیادہ آبادی نہایت خوشحالی اور اطمینان و آرام
سے زندگی بسر کر سکیگی۔

مویشی | اندراب، بغلان، غوری، قندوز، امام صاحب،
نوح خان آباد و تالقان میں گھوڑے اور بکریاں بہت ہیں
کیونکہ عرب، افغان، کاوی، سجانی، ترکمانیہ، ہزارہ، لرخابی
اور قندہاری قوموں میں ان کے پالنے کا رواج ہے۔ یہ قبائل ان
مویشیوں کی تجارت کرتے ہیں صرف خان آباد میں پانچ لاکھ سے
زائد گائے بکریاں اونٹ گھوڑے خچر ہیں ان میں صرف بکریوں
کی تعداد ۱۰۱۸۰۰ ہے۔

اندراب | اندراب قطغن کے ماتحت درجہ اول کی حکومت ہے،
اس کے ماتحت خوست، فرنگ اور خنجان کے علاقے بھی ہیں
سطح سمندر سے ۵۶۲ فیٹ اونچا ہے، پارہ حرارت ۹۵ درجہ
ہے خان آباد سے ۳۶ کروہ (افغانی پیمانہ) سمت جنوبی کیطرف
واقع ہے۔ یہ مقام حکومت کی حفاظت کے لئے بہترین ہے اگر کبھی
کسی وجہ سے حکومت کو دارالسلطنت بدلنے کی ضرورت پڑے
تو اس سے بہتر دوسری جگہ ملنی مشکل ہے کیونکہ قدرت نے اس
مقام کو چاروں طرف سے محفوظ کر دیا ہے۔ اگر اس مقام پر
تھوڑی سی فوج ہو تو وہ پیشقدمی کرنے والی جرار فوج کو آگے
بڑھنے سے روک سکتی ہے۔ اندراب کا علاقہ خوست بھی بہت
محفوظ جگہ ہے۔ چاروں طرف سے غنیم کے لئے آمد کا راستہ بند ہے
صرف ایک طرف معمولی راستہ ہے جس پر اگر دس جوان ہوشیاری
سے بیٹھ جائیں تو مخالف کے ہزاروں آدمیوں کو ہلاک کر سکتے
ہیں قطغن۔ مزار شریف اور پنجشیر کے درمیان واقع ہے اسلئے
ہر قسم کی امداد اور سامان آنے کے لئے راستے موجود ہیں۔
آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہتی ہیں
جو صحت کے لئے مفید ہیں۔

مکانات اور دوکانیں | اندراب میں ۱۴۱۳ مکانات ہیں جنمیں
اندازاً ۱۵۰۰۰ ہزار آدمیوں کی آبادی ہے۔
"بازار بنو" میں پچاس دکانیں ہیں اور "دہ صلاح" میں
ساٹھ ہیں۔ شہر میں دو سرائیں ہیں اور کئی مدرسے بھی ہیں جن میں
"مدرسہ فصاحت" بازار بنو میں اور "مدرسہ ریاضت" تنگ مران
میں اور دہ صلاح "شاشان اور کشن آباد" میں بھی ایک ایک مدرسہ ہے
حکومت اندراب کا مرکزی مقام قشلاق بنو ہے
اندراب کے چاروں طرف دیہات ہیں جو ایک کروہ سے
لیکر پندرہ کروہ تک دور ہیں۔ ذیل میں اندراب کے دیہاتوں
اور ان کی بعد مسافت کا نقشہ درج کیا جاتا ہے۔

گاؤں کا نام	مسافت	گاؤں کا نام	مسافت
بنو حاکم نشین خوش درہ	۲ کروہ	اولاد	۴ کروہ
پلچاہ	½ کروہ	دہ یک	۷ کروہ
کشن آباد	۱ کروہ	قشلاق تاجگان	۱۰ کروہ
رنج	۳ کروہ	سمندان	۱۴ کروہ
دہ صلاح	۳ کروہ	تیرگران	۱۰ کروہ
خارپشتہ	۶ کروہ	پس کندی	۱۴ کروہ
درۂ قلات	۷ کروہ	سنگ بران	۲ کروہ
قشلاق صیاد	۲ کروہ	نوبہار	۶ کروہ
دہ زنگ	۳ کروہ	لکڑ یار	۸ کروہ
درۂ قاصان	۶ کروہ	سراب	۱۲ کروہ
درۂ آرزو مشہور بہ لنک	۴ کروہ	داغدرہ	۸ کروہ
سرلپ	۱ کروہ	درۂ شور	۱۲ کروہ
رنج	۲ کروہ	شاشان	۷ کروہ
ارزنگان	۱ کروہ	" "	" "

اندراب کے قبائل | اندراب میں خاصان، مفروضن، بنوہ، تپشہ، ہزارہ، افغان، تاجک، قرغلی اور قوزی قبائل کے لوگ بستے ہیں۔

پہاڑیاں | اندراب میں کئی خوبصورت پہاڑیاں ہیں، نوبہار اور دشت شیر اچھی پہاڑیاں ہیں۔ تل میر غازی ایک بہت ٹھنڈی جگہ ہے اور اندراب میں مشہور ہے۔ اسکی بلندی چھ ہزار تین سو پچاس (۶۳۵۰) فیٹ اور چوٹی پر قدرتی حوض ہے اور عمدہ عمدہ درخت ہیں اور کئی مکانات بھی ہیں۔ اس کے آس پاس شہشانی اور تاجک قوم رہتی ہے۔ اس کے شمالی جانب درۂ شاشان ہے جہاں سے ایک راستہ خوست جاتا ہے۔ "قشلاق تیر آب" اندراب کے قریب ایک جگہ ہے جہاں قدرت نے گرم پانی کا چشمہ جاری کر رکھا ہے۔ اس چشمہ کا پانی سماوار کے کھولتے ہوئے پانی کی طرح گرم ہے۔ اس پانی میں اگر مرغی کا انڈا ڈالدیا جائے تو چار منٹ میں اُبل جائیگا اور وہاں کے لوگوں نے اس کا بارہا تجربہ بھی کیا ہے۔ نہانے میں یہ پانی بہت خوشگوار اور مفید ہے (معلوم ہوتا ہے یہاں گندک کی کان ہے۔ حسن نظامی)

زراعت | ان زمینوں پر جہاں قدرتی پانی بکثرت موجود ہے یہاں کے قبائل گیہوں، جو، جوار، باقلہ، اور بہت قسم کی ترکاریاں بوتے ہیں۔ اور ان زمینوں پر جو للمی کہلاتی ہیں اور جہاں پانی کا مناسب انتظام نہیں ہے یہ لوگ صرف گیہوں، جو اور دو تین قسم کی ترکاریاں بوتے ہیں۔ للمی زمین پر نہ کاشت اچھی طرح ہوتی ہے اور نہ پیداوار اعلیٰ قسم کی ہوتی ہے۔

میوے | اندراب میں سیب، انگور، اخروٹ، زردآلو، شفتالو، شاہ توت، خربوزے، تربوز اور ناک بہت کثرت سے ہوتے ہیں لیکن کوک سلطان، آلو بالو، آلوچہ اور گیلاس کم ہوتا ہے۔

صنعت و تجارت | اندراب کے افغان قبائل بجز

زراعت اور کاشتکاری کے کوئی دوسرا پیشہ نہیں کرتے
ہزارہ قبیلہ کے مالدار لوگ اون کے مختلف کپڑے۔ نمدے
کمل، وغیرہ بناتے ہیں جو افغانستان میں عام طور پر مستعمل ہیں
تاجک قبیلہ کے لوگ بڑھئی اور لوہاری کرتے ہیں اور موزہ
بھی بناتے ہیں، اور کشمیرہ اور چوغہ اور کئی قسم کے اونی کپڑے
بنتے ہیں اور چمڑے کا کام بھی کرتے ہیں۔

یہاں کے قبائل عام طور پر بھیڑ بکری اور گھوڑوں کی تجارت
کرتے ہیں۔ اپنے علاقہ کی پیداوار کابل لیجاتے ہیں اور وہاں سے
مروجہ لباس اور سامان اپنے ہاں لاتے اور فروخت کرتے ہیں
ان کی رسم و عادت خان آباد، غذری اور بغلان کے لوگوں
کی طرح ہے قطغن کے لوگوں کی بہ نسبت یہ زیادہ جری اور
بہادر ہیں۔

اسلحہ یہاں کے لوگ انگریزی اور روسی بندوقوں
کی طرح خودساختہ بندوق استعمال کرتے ہیں اور مختلف قسم
کی باردودں اور پتاسوں کو کام میں لاتے ہیں۔ اور تلوار اور
تیز دھار کے ہتھیار بھی پاس رکھتے ہیں۔

آب و ہوا یہاں کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ کابل کی
طرح یہاں کا موسم خوشگوار ہے اور یہاں کا پانی بہت ہاضم
ہے۔ خاص طور سے کشن آباد کا پانی بہت ہی عمدہ ہے اور اس
علاقہ میں سب سے بہتر اور مفید اور زود ہضم تسلیم کیا گیا ہے۔

پیداوار اطراف اندراب میں پیاز، زیرہ، پستہ، بادام
کدو، ککڑی، سیر کوہی، دردوش شقاقل، سمارق، قوزہ قرنی
اور کئی قسم کی ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اندراب کے علاقہ میں
باغات اور چمن زار بکثرت ہیں گل بنفشہ بڑی کثرت سے ہوتا ہے
اور اندراب کی پہاڑیوں میں بابونہ، پودینہ، درمنہ ترکی،
مرزنجوش، اور گندنا بھی بہت ہے۔

اس کے علاوہ اندراب گھوڑوں کی تجارت کے لئے تمام
افغانستان میں مشہور ہے "اسپ قشنگ" بہترین افغانی گھوڑا
ہے جو اندراب کے علاقہ میں ہوتا ہے، اندراب کے جنگلوں اور
میدانوں میں کبوتر، خرگوش، ہرن، مرغابی، کبک، تیہو، بودنہ
اور قشقار بھی بکثرت ہیں۔ اور لوگ ان جانوروں کے شکار سے
دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس علاقہ میں "دریائی کتا" بھی موجود ہے اسکے
شکار کے بھی لوگ شوقین ہیں۔

سڑکیں اندراب کے مغربی جانب تنو، خان آباد، اور
خنجان کی سڑکیں ہیں اور مشرقی جانب خاوک کی سڑک ہے
اور جنوب کی طرف بانڈرہ اور آرزو کی سڑکیں ہیں اور ایک
سڑک "ہزار چشمہ" بھی ہے جو کوہستان کابل تک جاتی ہے
اور شمالی جانب سڑک قاصان ہے۔ یہاں سے ایک سڑک
خوست اور فرنگ تک جاتی ہے اور بہت ہی دشوار گذار
اور مشکل راستہ کو طے کرتی ہے۔

خوست اور فرنگ خوست و فرنگ درجہ اول کی علاقہ داری
ہے اندازاً پارہ حرارت ۹۵ ڈگری ہے سطح سمندر سے ۴۸۳۰ فیٹ

نقشه خوست و فرنگ
عزیزان
عزیزان
راه چال
دریای بابک
ده کلان
رشته بازار
بادخانه
دشت رباط
راه چال
بازار
میان شیر
درچی
منگالی
چهار باغ
دره بخاری
راه چال
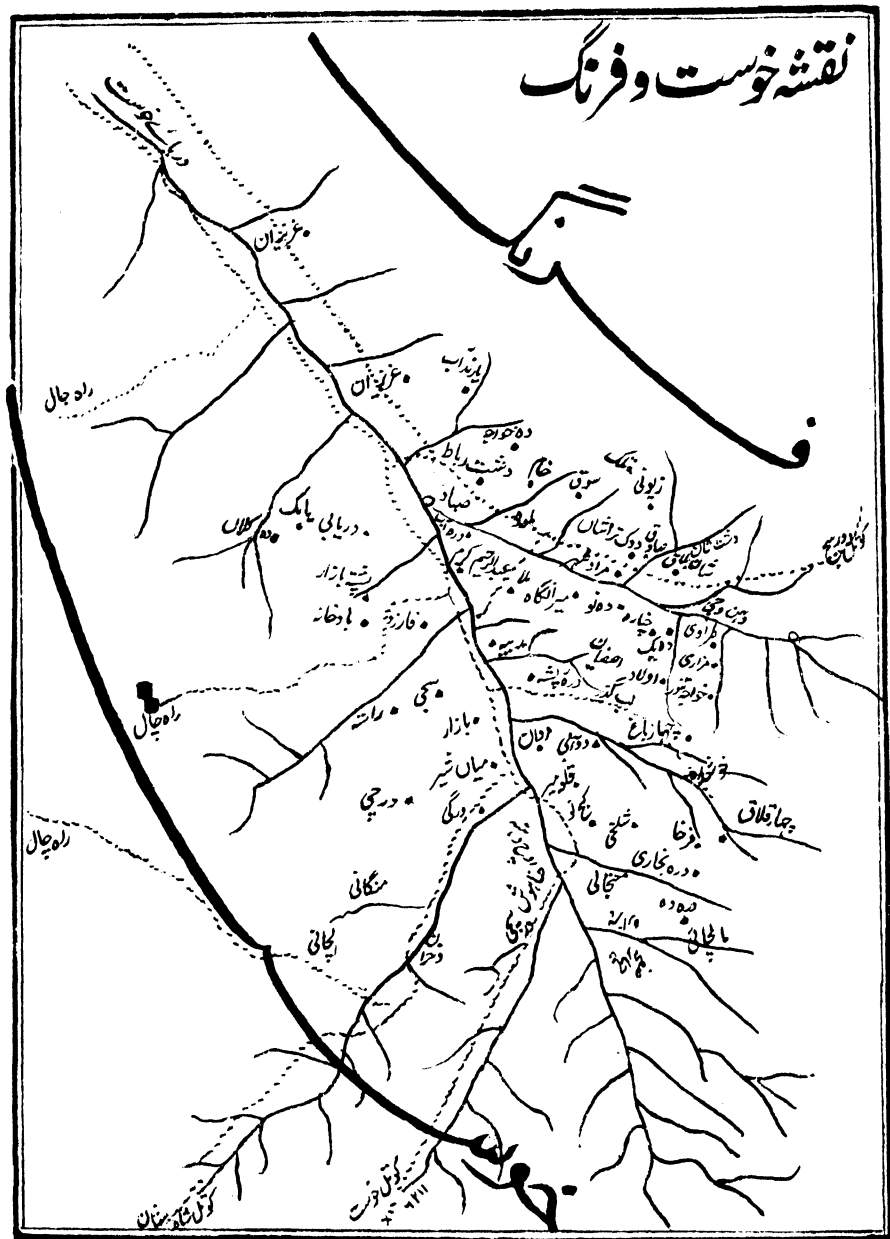
بلند ہے۔ خوست و فرنگ میں ۵۵۴۳ مکانات ہیں۔

خوست اور فرنگ کے علاقہ کے دیہات کی تفصیل

علاقہ خوست و فرنگ میں کئی درے ہیں جہاں مختلف قبائل رہتے ہیں اور جو مختلف دیہاتوں میں آباد ہیں ذیل میں پوری تفصیل درج کی جاتی ہے۔

نام درہ	نام گاؤں	تعداد مکانات
کلان دمنۂ خوست	ہزارہ گاوی	
	قشلاق قوم تاجک	
	قشلاق قوم ہزارہ	
	قشلاق ورچی قوم تاجک	
	قشلاق بچی قوم تاجک	
	قشلاق فادزو قوم تاجک	
	قشلاق پشتہ بازار قوم تاجک	
	قشلاق دامنۂ ہزارہ	
درۂ حصار خوش	قشلاق خرم خفی تاجک	
	قشلاق چہار صفحہ	
	قشلاق ہزارہ	
	قشلاق خنجانی	
	نفس خاموش دو دہ است	
[illegible]	نفس دو آبی	۳۰
	خوش درہ	۱۰۰

نام درہ	نام گاؤں	تعداد مکانات
کلان درافی درۂ حسن	چہار باغ ہزارہ	۵۰
	قلعہ میر آشیان ہا	۴
	گزر قوم تاجک	۹۰
	درۂ بخاری	۱۰
	کج ناؤ	۱۵
	مروان	۴۰
	درہ پشہ	۳۰
درۂ [illegible]	فرعامیل تاجک و ہزارہ	۸۰
	چہار قشلاق قوم تاجک	۱۰۰
	تلم قوم تاجک	۱۳۰
	لب گزر قوم تاجک	۳۰
	مدرسہ قوم تاجک	۲۰
	خود ایجاتی قوم تاجک	۳۰
	منگان	۲
	شلغی	۳۰
	یخرم	۸۰
	وخران	۳۰
	بادُ خانہ	۴۰
	دہ کلاں	۲۵
	دریامی	۲۵

نام درّہ	نام گاؤں	تعداد مکانات
درّہ [illegible]	یارند قوم ہزارہ وتاجک	۱۰۰
	دہ خواجہ	۳۰
	دشت رباط	۶۰
	قشلاق یا نکہ ہزارہ	۵۰
	عزیزان	۴
	صیّاد	۲۵
	مُلور	۳۰
	دوک تراشان	۸۰
	قشلاق بازار تاجک	۵۰
	مُراد شہر	۳۰
	یحنہ	۵۰
	تلک	۵۰
	زیوبی	۴۰
	صادق	۵۰
	مُلّا عبد الرحیم	۲۰
	دشت شاہان	۴۰
	درۂ آب	۱۰
	میزا پگاہ	۳۰
	دہ نو	۱۵
	اصفیان	۳۰

نام درّہ	نام گاؤں	تعداد مکانات
درّہ فرنگ	دہ یک	۲۰
	اولاد	۳۵
	دہ طاری	۵۰
	دہ مزاری	۳۰
	خواجہ منوّر	۲۰
	درہ ساگو بیلاق	۱۵

اِن مواضعات میں رہنے والی اقوام کی تعداد ۱۴ ہزار اندازاً ہے ممکن ہے کچھ زیادہ ہو۔

خوش درہ مقام پر ایک کان سیسہ کی بھی ہے۔ دریائے خوست میں خوست کے قبائل سونا تلاش کرتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں لیکن قبائل کے مالدار لوگ اس پیشہ کو پسند نہیں کرتے۔

خوست موضع خوست ایسی جگہ واقع ہے جسکے چاروں طرف پہاڑ ہیں اور وہ قدرتاً بہت زیادہ پستی میں ہے۔ سطح سمندر سے ۵۰۸۴ فیٹ بلند ہے۔ شہر خوست کی ہوا زیادہ خوشگوار نہیں ہے۔ سردی میں بہت زیادہ سردی پڑتی ہے اور گرمی میں بہت زیادہ گرمی۔ اطراف میں جنگل بہت ہیں۔

سڑکیں شہر خوست میں زیادہ سڑکیں نہیں ہیں جنوب کی طرف "سڑک یرم" اور "شہشان" دو سڑکیں ہیں۔

فرنگ فرنگ بہت اچھی جگہ ہے۔ یہاں کی آب وہوا بھی بہت عمدہ ہے سطح سمندر سے ۵۸۵۵ فیٹ بلند ہے۔ فرنگ کا

نقشہ خنجان
دریائے اندراب
راہ دوشی
دہ کلان
درۂ ولیان
دہ ولیان
حکومتی
خنجان
کران
دشت امرود
پناہ چوبزار
چہار مغزار
دہ کلات
خوزنہ
سڑک اندراب
درہ باجگاہ
راہ سالنگ

ایک حصہ ۷۳۵۰ فیٹ تک بلند ہے، اسکو "سیاہ چاہ" کہتے ہیں یہاں سے خنجان اور خاوش کی مسافت ۷ کردہ ہے۔

زراعت زراعت کیلئے فرنگ کی زمین بہت مناسب ہے یہاں للمی زمین کم ہے اور اکثر وہ زمینیں ہیں جہاں بآسانی پانی پہنچتا رہتا ہے۔ چنا، جو، گیہوں، جوار، شاخل اور کئی طرح کی ترکاریاں بوئی جاتی ہیں۔

میوہ توت، انگور، سیب، اخروٹ، شفتالو، زردالو، گیلاس بکثرت ہے اور بہی بھی ہے لیکن کم۔

صنعت فرنگ میں ہزارہ قبائل کے عام لوگ گھوڑوں اور بکریوں کی گلہ بانی کرتے ہیں۔ اور مالدار لوگ اونی اور سوتی کپڑوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور تاجک قبیلہ کے لوگ بھی خاص قسم کے کپڑے بنتے ہیں۔

اسلحہ یہاں کے مالدار لوگ روسی اور انگریزی طرز کی بندوقیں پاس رکھتے ہیں اور عام لوگ معمولی قسم کی بندوقوں سے کام چلاتے ہیں۔ تاہم یہ بندوقیں بھی کام کے قابل ہوتی ہیں۔

مراسم "نظامنامۂ عروسی" کے نفاذ سے قبل ان کی رسم تھی کہ شادی کے موقع پر گھوڑا، بکریاں، زیور، ابریشم کا سامان ایک ہزار سے لیکر تین ہزار تک نقد روپیہ اور بہت سا مال و متاع خرچ کرنا فرض سمجھتے تھے۔ اور نکاح کے دن دف اور ڈھول اور نوبت بجاتے تھے لیکن اب یہ مراسم متروک ہوگئی ہیں مگر طرفین کے مشوروں سے چھپ چھپا کر یہ سب فضول خرچیاں اب بھی ہوتی ہیں۔ (کیونکہ ان کو ہدایت کرنے والے نہیں ہیں۔)

اِس علاقہ کے لوگوں کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ جب ان کا کوئی عزیز مرجاتا تھا تو یہ گھوڑے، بکریاں، اور مختلف قسم کا سامان میت کی قبر پر لاتے تھے اور تقسیم کردیتے تھے۔ اور قرآن شریف بھی حافظوں سے پڑھواتے تھے اور اس میں بھی بے حساب خرچ کرتے تھے لیکن اب یہ سب رسمیں "نظامنامہ" کے بعد سے بند ہوگئی ہیں۔

خوراک اور پوشاک یہاں کے بڑے اور مالدار لوگ کھانے پینے اور پہننے کے معاملہ میں بیجا تکلفات کے عادی ہیں لیکن غریب طبقہ کبھی خشک روٹی بھی کھاتا ہے اور کبھی سالن کے ساتھ بھی اور کبھی دودھ کے ساتھ بھی۔ کرباس اور چکمن کے کپڑوں کا لباس اِس طرف رائج ہے۔

خنجان اندراب کے ماتحت ہے اور دوسرے درجہ کی علاقہ داری ہے۔ خان آباد سے مغربی جنوب کی طرف ہے ہزارہ تاجک، افغان اور سانگلی قبائل کے لوگ بستے ہیں۔ ۷۰۰ سے زیادہ گھر ہیں خنجان کے مشہور دیہاتوں کے نام یہ ہیں:-

سیاہ چوب مزار، دشت امرود، درہ باجگاہ، چہار مغز۔ شمال کی طرف دریائے اندراب ایک کردہ کی مسافت پر بہتا ہے جنوب کی طرف کوہ ہندوکش ہے جو ۱۲ کردہ کے فاصلہ پر ہے خنجان کے لوگ زیادہ تر کاشتکار ہیں اور خوشحال ہیں۔ مالدار لوگ نمد مالی، گلیم اور جوال بافی کا پیشہ کرتے ہیں۔ اور تاجک لوگ کرباس اور الچہ بناتے ہیں اور بعض زراعت بھی کرتے ہیں۔

یہاں کا چاول بہت مشہور ہے۔ اور تمام ملک میں جاتا ہے۔ یہ مقام گھی اور گلیم کی تجارت کا مرکز ہے۔ یہاں کے خشک توت بے حد نفیس ہوتے ہیں۔ اس علاقہ میں کئی درے بھی ہیں جنہیں "درہ ولیان" بہت مشہور ہے۔ کیونکہ یہاں اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کے مزارات ہیں۔ یہاں کے لوگوں کی رسوم، لباس اور طعام کی عادتیں خوست کے لوگوں کی طرح ہیں۔

درۂ خنجان سے کابل و قطغن تک راستے بھی گئے ہیں جو اور راستوں سے آرام دہ اور نزدیک تر ہیں۔

غوری درجۂ اول کی حکومت ہے۔ اس کے ماتحت تین علاقے ہیں۔ خان آباد سے ۳۶ کروہ دور ہے۔ تاجک، ازبک، ہزارہ، سادات، افاغنہ، سرخابی، ایماق، جمشیدی، ہراتی قبائل کے لوگ بستے ہیں۔ دیمبرک اور قفنی لوگ بھی آباد ہیں۔ اور شہنواری بھی ہیں۔ سمندر سے ۱۲۰۰ فیٹ بلند ہے اور دہنہ غوری ۲۵۰۰ فیٹ ہے۔ غوری میں ۱۶۰ مکانات ہیں۔

دیہات غوری کے چاروں طرف دیہات ہیں اور ان میں سے اکثر غوری سے زیادہ مکانات رکھتے ہیں تفصیل درج ذیل ہے:-

	دیہات کا نام	تعداد مکانات	دیہات کا نام	تعداد مکانات
شمالی جانب ۱۲ کروہ کے اندر	بائے سقال	۱۱۰	چین زائی	۲۳۰
	خواجہ الوان	۱۰۰	چشمۂ چکان	۱۶۰
	چشمۂ شیر	۶۰	کل تعداد مکانات	۶۶۰

	دیہات کا نام	تعداد مکانات	دیہات کا نام	تعداد مکانات
جنوبی جانب ۱۲ کروہ کے اندر	دشتک	۸۰	کمبرک	۴۰
	شلکتو	۱۰۰	دیمرک ہا	۲۶۰
	سرخوابی	۲۲۰	کل تعداد مکانات	۷۰۰
شرقی جانب ۱۲ کروہ کے اندر	بی بی آمنہ	۲۰۰	رستہ یلاقیہا	
	قفس غوری	۱۵۰		
	جمشیدیہا	۱۰۰	کل تعداد مکانات	۴۹۰
غربی جانب ۱۲ کروہ کے اندر	دامنۂ غوری	۲۰۰	آبخورک	۸۰
	خواجۂ پاک	۱۱۰	کل تعداد مکانات	۳۹۰

گرمی کے موسم میں یہاں کے مالدار لوگ تین مہینے کے لئے حوض بغداد، نالہ برفلک، اور دیوان گلچیں مقامات پر چلے جاتے ہیں۔ جو ٹھنڈے، خوبصورت اور شاداب مقامات ہیں۔ لیکن اکثر لوگ یہیں رہتے ہیں اور زمینداری اور کاشتکاری کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ یہاں کی آبادی زیادہ تر اہلِ سنت والجماعت پر مشتمل ہے اور کچھ لوگ آغاخانی عقیدے کے بھی ہیں۔

زراعت غوری میں زراعت کے لئے پانی کی کمی نہیں ہے کیونکہ جاری پانی غوری میں افغانستان کے بہت سے حصوں سے زائد ہے۔ اور اکثر حصہ کاشت کے قابل ہے جس میں گیہوں، جو، روئی، باقلہ وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

میوہ انگور، توت، سیب، ناک، زردآلو، شفتالو، خربوزے، تربوز، پستہ وغیرہ کثرت سے ہے اور مہنگ بھی

نقشہ بغلان
راہ ترکستان
دشت گوار

پیدا ہوتی ہے۔

صنعت ہزارہ لوگوں میں چکمن سازی کا رواج ہے اور غوری کے علاقوں میں کمبل بھی اعلیٰ قسم کے تیار ہوتے ہیں کرباس اور الچہ اور مختلف اقسام کے کپڑے بھی بُنے جاتے ہیں اور ان لوگوں میں پیشۂ آہنگری بھی رائج ہے۔

خوراک و پوشاک افغانی لوگ جو کی روٹی کھاتے ہیں اور تاجک لوگ گیہوں کی روٹی کھاتے ہیں۔ اور سبزی اور چاول بھی ان کی خوراک ہے۔

عام طور سے صحن، کرباس، ململ کے کپڑے استعمال کرتے ہیں۔ اور قیمتی لنگیاں (عمامہ) باندھتے ہیں۔ اور موزہ، پوستین اور لبادہ بھی پہنتے ہیں۔

رسوم و عادت شادی و غمی میں انکے رسم و رواج خان آباد و قطغن کے لوگوں کی طرح ہیں۔

آب و ہوا غوری کا پانی بہت اچھا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں ہوا گرم ہوتی ہے مچھر اور پسو بہت ہیں۔

سڑکیں (۱) سڑک کوہ کدائی نہرین (۲) سڑک کون دکاؤ جو کوتل سے خنجان کی طرف جاتی ہے (۳) ایک سڑک ہے جو دوشی، خواجہ اسید اور چہار درے سے گزرتی ہوئی غوربند تک جاتی ہے۔ (۴) سڑک بی بی آئینہ جو کوتل سے بغلان تک جاتی ہے (۵) "سڑک سہ توت" جسکو تمتق بھی کہتے ہیں۔ یہ قلعۂ "ریشان میر غلام قادر" تک جاتی ہے اور وہاں سے اسکے دو حصے ہو جاتے ہیں ایک گرگرک اور "چشمۂ شیر" سے ہوتا ہوا ایبک تک اور دوسرا حصہ تاشقرغان تک پہنچتا ہے۔

بغلان بغلان غوری سے قریب ایک علاقہ داری ہے۔ درجۂ حرارت ۹۹ہے، اور بلندی ۲۰۰۰فیٹ ہے۔ وسط شہر میں دریائے غوری بہتا ہے جس کے دونوں طرف زراعت کی جاتی ہے۔ آبادی زیادہ تر افغانوں کی ہے۔ چاولوں کی کاشت زیادہ اور اچھی ہوتی ہے یہاں کی عام پیداوار اور میوے غوری کی طرح ہیں۔

سڑکیں بغلان کی مشرقی جانب سڑک شیخ جلال ہے جو نہرین تک جاتی ہے۔ دوسری سڑک "حسن تال" تک گئی ہے (۳) ہزار قاق، چکاب، جبل داغ تک جاتی ہے (۴) طبقان اور نہرین تک گئی ہے۔ (۵) مغربی جانب ہے "جو دشت گبر" اور تاشقرغان تک گئی ہے (۶) آب قول، خیر آباد اور اجیم سے ہوتی ہوئی تاشقرغان تک گئی ہے (۷) شمالی جانب ہے جو علی آباد (قندوز) تک گئی ہے۔

ذیل میں دیہات کے نام اور قبائل کے نام اور مکانات کی تعداد درج کی جاتی ہے:-

دیہات کے نام	قبائل کے نام	مکانات کی تعداد
گردابی	گاڈی افغان	۱۴۱
قشلاق امام الدین	قوم چوبی زائی	۱۴۱
قشلاق اختر	سلام خیل، تغرو، احمد زئی	۲۴۷
قشلاق آخندی	قوم تاجک	۱۰۰

دیہات کے نام	قبائل کے نام	مکانات کی تعداد
زندین خیل	قوم متفرقہ	۶۸
کوک چنار	اقوام افغان	۲۰۰
عربہا	قوم لرخابی و عرب	۱۳۴
ہزارہا	ہزارہ	۱۹۶
حسن تال	قبائل متفرقہ	۳۱۹

بغلان کے مکانات کی مجموعی تعداد ۲۴۴۶ ہے۔ اندازاً کُل آبادی ۷۰۰۰ ہو گی۔

قبیلہ گاڈی افغان کے لوگ بھیڑ بکریوں اور گھوڑوں کی گلہ بانی کرتے ہیں۔ جو گرمیوں کے موسم میں بدخشاں کی سرحدوں کی طرف نکل جاتے ہیں اور جاڑوں میں واپس آجاتے ہیں باقی لوگ کاشتکاری کرتے ہیں۔

دوشی وکیلہ گی

یہ موضع غوری سے مشرقی جانب واقع ہے اور درجہ دوم کی علاقہ داری ہے۔ محلوں اور مکانوں کی تعداد درج ذیل ہے:-

نام گاؤں	مکانات کی تعداد	نام گاؤں	مکانات کی تعداد
کرُد	۱۳۰	خواجہ زید	۱۱۷
نیک پی	۸۳۳	چہل غوری	۲۰۶
کیلہ گی	۷۳۱	اصل دوشی	۹۰
دوستی	۱۶۲	زاوعنہ	۱۳۰

اندازاً آبادی ۹۰۰۰ ہزار ہو گی۔ لوگ خوشحال اور زراعت پیشہ ہیں۔ ہزارہ قبیلہ کے لوگ بہت ہیں اور افغانوں کی آبادی کم ہے۔ کمبل، گلیم اور جوال بنتے ہیں۔ دوشی وکیلہ گی غوری سے ۲۶ کروہ دور ہے۔

تالہ و برفک

یہ تیسرے درجہ کی علاقہ داری ہے اور ۴۳۳۰ فیٹ بلند ہے۔ یہاں کئی درے ہیں جنکی آبادی کی تفصیل یہ ہے:-

درے کا نام	قومیت	مکانوں کی تعداد
درہ ترشں	تاجک، سادات	۵۰
درۂ وادی	ہزارہ	۴۰
پاچمان	"	۱۰۳
مرق	ہزارۂ کرم	۱۲۰
دہنۂ مرق	ایشاہنا تاجک	۳۰
درۂ اسراف	ہزارہ	۱۴۰

درۂ مغلک بھی ایک گرم مقام ہے جہاں کے دولتمند لوگ موسمِ گرما میں "چراگاہ" چلے جاتے ہیں۔ اِس موضع میں کُل مکانات ۴۸۴ ہیں۔ اندازاً آبادی ۱۵۰۰ تک معلوم ہوتی ہے۔ میوے اور اجناس غوری اور بغلان کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت امام صاحب

یہ دوسرے درجہ کی حکومت ہے گرمیوں میں پارۂ حرارت ۱۰۴ درجہ تک ہوتا ہے۔ یہاں حضرت امام صاحب کا مزار شریف ہے۔ اس لئے اِس موضع کا نام ہی حضرت امام صاحب پڑگیا ہے۔ یہاں ایک چھاونی بھی ہے جس میں افغانی فوج رہتی ہے اور

دامنهٔ کوہ ہندوکش
نقشہ دوشی وکیلہ گی
مقیاس
یک انچ مساوی چہار میل
کہ معادل ۲ ½ کروہ کابل
دریاے اندراب
کوتل گرم
کوتل تک
راہ چہاردرہ
اسکان
دامن اسکان
گرد
راہ غوری
دوشی
خواجہ زید
چیل غوری
سنگ
یوم
راہ نہرین

ایک بازار بھی ہے جس میں تقریباً ۱۰۰ دکانیں ہیں اور ایک پبلک سرائے بھی ہے۔ موضع امام صاحب میں ۲۰۰ مکانات ہیں۔

دیہاتوں کی تفصیل یہ ہے:-

سمتِ جنوبی کے دیہات

گاؤں کا نام	مکانات کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانات کی تعداد
قشلاق لقی	۲۰	غورشاخ	۱۵۰
تاج گذر	۳۰	خاتون قلعہ	۵۰
کلبات	۱۰۰	گلدامن	۵۰
دل شاد	۶۰	گل تیپہ	۵۰
یکہ توت	۴۰	اسمٰعیل قشلاق	۴۰
گرگری	۳۰	قشلاق چغر قطغن	۱۵۰
ایچکلی	۸۰	قرہ گنبد	۵۰
ای خمچال	۱۵۰	قرغز	۳۰
جوی بیگم	۶	توغلن	۵۰
خانقاہ	۱۵۰	بایگہ	۲۰

سمتِ شمالی کے دیہات جو قلعہ زال مشہور ہیں

دیہات کا نام	مکانات کی تعداد	دیہات کا نام	مکانات کی تعداد
مراد شیخ	۱۰۰	دورمن	۱۰۰
قراول تیپہ	۳۰۰	بایسوس	۵۰
قرہ خانہ	۵۰		

قلعہ زال نام سے خیال ہو سکتا ہے کہ رستم کے خاندان سے اس کا تعلق رہا ہو۔ ۱۲ حسن نظامی

سمتِ غربی کے دیہات

دیہات کا نام	مکانات کی تعداد	دیہات کا نام	مکانات کی تعداد
قشلاق مہجر	۱۰۰	یشکبہ	۵۰
ورثہ یلاقی	۱۰۰	ازغن	۳۰
سید خیل	۴۰	دشت ابدال، عنبر کوہ	
		خواجہ غار وغیرہ	۱۰۰۰

حضرت امام صاحب کی آبادی ۱۵۰۰۰ تک ہے اور اور وہ خان آباد سے ۲۴ کروہ دور ہے۔ اور یہاں کی ہوا بھی خان آباد کی بہ نسبت بہت گرم ہے۔

زراعت زمین زراعت کے قابل اور اچھی ہے۔ جو، گیہوں، جوار، ماش، باجرہ، روئی، شالی، زغر، رشقہ اور مختلف ترکاریاں اور تربوز اور خربوزہ کی کاشت کی جاتی ہے۔

میوے توت، شفتالو، زردآلو بہت ہیں اور انگور کم ہوتا ہے۔

صنعت چونکہ یہاں کے لوگ عام طور سے خوشحال ہیں اس لئے یہاں اُون اور سُوت کے کپڑے بُنے جاتے ہیں۔ اور ضرورت کے مختلف لباس تیار کئے جاتے ہیں۔ یہاں کے لوگ مروّجہ صنعتوں کو شوق سے سیکھتے ہیں۔

رسم و رواج خان آباد کے لوگوں کی طرح یہ لوگ بھی شادی کے موقع پر بے حد اسراف کرنے کے عادی تھے اور داماد سے زیادہ سے زیادہ سامان روپیہ، گھوڑے وصول کرتے تھے لیکن

اب "نظامنامہ" کی پابندی کرتے ہیں۔ اور پُرانے رسم و رواج کے پابند نہیں رہے۔ غمی کی رسمیں بھی ان میں نہیں ہیں۔ اور اب غمی کے موقع پر اسرافِ بیجا بہت کم ہوتا ہے۔

اسلحہ بندوق اور تلوار استعمال کرتے ہیں اور مختلف اقسام کے ہتھیار پاس رکھتے ہیں۔ شکار کے بہت شوقین ہیں۔ اسی علاقہ میں دریائے آمو بہتا ہے جس کے قریب ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جو ۲۰ کروہ لانبا اور ۲ کروہ تک چوڑا ہے۔ اس جنگل میں یہ لوگ شیر ہرن، مُرغ، خرگوش، اور جنگلی درندوں کا شکار کرتے ہیں۔ جنگل میں ہر قسم کے جنگلی جانور موجود ہیں، لومڑی، چیتا، اور سفید ہرن بے حساب ہیں۔ اِس جنگل کا ایک حصہ قندوز تک چلا گیا ہے۔

عضدالدولہ بادشاہ شکار کے بہت شوقین تھے اور وہ ہمیشہ اِسی جنگل میں شکار کھیلتے تھے۔ ایک بار انھوں نے ایک دن میں ۴۱ ہرن، ۲۱ گوزن اور دو شیر شکار کیے تھے۔

سڑکیں حضرت امام صاحب سے قطر بلاق، شہروان، نقلاتون، طورغی تپہ، پل شیمہ، خواجہ غار، خوش کلائی، بہارک کو سڑکیں جاتی ہیں۔

ذی اثر حضرات اِس علاقہ میں ذیل کے لوگوں کا بہت رسُوخ ہے:-

مُلّا محمد عالم وکیل ازبک۔ مُلّا محمد قربان وکیل ازبک۔ نیک محمد منگباشی۔ وتہ مراد منگباشی۔ سیف الدین خواجہ۔ مُلّا رضا علی قل ازبک۔ علی مراد بیل بیگی عرب۔ مُلّا امام نظر ازبک۔ مُلّا تاج محمد وکیل۔ مُلّا جلال الدین وکیل۔ خواجہ محمد جعفر۔ عید نظر توغلن ترک منگلی قل بائی ازبک۔ قبرہ قل بائی ایشیان توف ازبک۔ مُلّا علی عرب۔ خالدار بائی عرب۔

حُکام حضرت امام صاحب میں جو سرکاری حُکام ہیں انکے نام درج ذیل ہیں:-

محمد علم خان توخی۔ احمد جان خان توخی۔ محمد جان خان۔ محمد علی خان کوہستانی۔ امیر محمد خان محمد زائی۔ عطا محمد خان محمد زائی۔ عبدالسلام تعلقدار قطغن۔ سربلند خان توخی میر غوث الدین خان رئیس اوّل محکمۂ اصلاحیہ قطغن۔ عطا محمد خان محمد زائی۔

قندوز یہ موضع درجۂ اوّل کی علاقہ داری کے ماتحت ہے۔ گرمیوں میں پارۂ حرارت ۱۰۳ درجہ ہوتا ہے۔ افغانستان میں مثل مشہور ہے "اگر مرگ می خواہی قندوز برو" (اگر موت چاہتا ہے تو قندوز چلا جا) معلوم نہیں یہ مثل لوگ کیوں بولتے ہیں حالانکہ قندوز بڑی روح پرور جگہ ہے۔ یہاں کی فضا جانبخش ہے اور ہوا خوشگوار۔ یہاں مردمان، افغانی، تاجکی، لرغابی، سحباتی، عرب، ہزارہ، ترکمان، قنغرات، بالوس، اوزبک، قزاق، چوراق، مرداد قبائل کے لوگ رہتے ہیں۔

سڑکیں (۱) جنوب کی طرف ہے۔ صوب بغلان جاتی ہے۔ (۲) شمال کی طرف ایک سڑک ہے جو قلعہ زال تک جاتی ہے۔ وہاں سے دو حصوں میں ہوگئی ہے۔ ایک تاشقرغان تک اور دوسری تخت کیقباد تک جاتی ہے۔ (۳) جیبر و تک گئی ہے دہ کوبی

اور حضرت امام صاحب تک گئی ہے (۵) مغربی جانب ایک بڑی سڑک ہے جو تاشقرغان گئی ہے (۶) مشرقی جانب کی سڑک خان آباد تک جاتی ہے۔

قندوز پرانی بستی ہے جہاں پرانے بادشاہوں کا بنوایا ہوا قلعہ بھی ہے جس کے تین طرف گہری خندق ہے۔ اس قلعہ میں دروازے، برجیاں، دیواریں، اور بادشاہی محلات یادگار کے طور پر باقی ہیں۔

قلعہ کے سامنے سے نہر گورتپہ جو "سیاہ آب" کے نام سے مشہور ہے گزرتی ہے۔ یہ نہر آگے جاکر "دریائے کلاں" میں گرتی ہے۔

نیا قندوز جو ابھی حال میں آباد ہوا ہے اندازاً ۵۰۰ مکانوں کی بستی ہے۔ یہاں کے بازار میں ۲۰۰ دکانیں ہیں اور حاکم شہر کے دو مکانات ہیں جو عزیز اللہ خاں ولد سردار حبیب اللہ خاں قندھاری کے دورِ حکومت میں بنائے گئے تھے۔ ۵ سرائیں اور کئی مدرسے بھی ہیں۔

دیہات قندوز سے مشرقی جانب جو دیہات ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:-

دیہات کا نام	قوم کا نام	مکانات کی تعداد
قشلاق ولی آباد	خوست و فرنگ	۲۰
〃 اچین	ازبک و افغان	۱۲۰
〃 کنم	افغان	۱۵۰
غلام حیدر بائی	افغان بازی خیل	۶۰
قشلاق سجانی	ایماق	۱۵۰
〃 قچی	ازبک	۱۵۰
قوش تیپہ	〃	۱۰
قشلاق پنج شیر یا	متفرق	۳۰
زیارت حضرت سلطان صاحب	پنج شیری	۲۰
کوبہ سفلی	ازبک	۶۰
کوبہ علیا	ازبک	۱۰۰
نوآباد	متفرق	۳۰
بیش کپرک	〃	۳۰
باغ میری	〃	۳۰
چیلہ سیر	〃	۲۰
لودین ہا	افغان لودی	۸۰

سمتِ شمالی کے گاؤں

دیہات کے نام	مکانوں کی تعداد	دیہات کے نام	مکانوں کی تعداد
باغ زاغان وچہ مگری	۵۰	نہر استقلان سرخابی	۴۰
قشلاق ملا حفیظ اللہ خان	۱۰۰	قشلاق زاخیلان	۳۰
عمر خیل افغان	۳۰	سید احمد بائی	۳۰
عربہا	۲۰۰	نہر توبرہ کش قندھاری	۴۰۰
سرخابی ملا قند ایماق	۵۰	آق تیپہ ترکمن	۱۵۰

سمتِ مغربی کے گاؤں جو چہار درہ کے نام سے مشہور ہیں

گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
قلعہ زال	۷۰۰	چہار درہ	۲۰۰
قشلاق چہل دختران	۳۰	قشلاق صوفی	۱۵۰
باغ چہل دختران	۵۰	سرخابی ایماق	۵۰
باسوس	۳۰	سرخابی قطغن	۶۰
قنغرات	۲۰۰	طائر کمر	۲۰
ترکانیہ	۲۰۰	طائر ترکمن	۱۰۰
قندھاری	۱۰۰	قنغرات ثانی	۵۰
قزاق	۲۰۰	قندھاریہا	۵۰
قلعہ ملا عیسیٰ خاں	۲۰	عربہا	۱۰۰
قلعہ عبدالرحمٰن خان	۱۵	چوراق	۱۰۰
طائفہ ورمن	۳۰	متفرقہ	۵۰
آب خواہ	۵۰	عمر خیل	۶۰
زاخیل ہا	۸۰		
چرخاب	۳۰	درۂ بلاقی ایماق	۴۰
قشلاق ناصری افغان	۱۰۰	عزیز خان سنگیاشی	۴۰
شنواری قوم ازبک	۱۵۰	عبداللہ بائی عمر خیل	۳۰
ملاعی افغان	۸۰	سرخابی ایماق	۱۰۰

ان سب دیہات میں تقریباً ۵۰ ہزار آدمی رہتے ہیں۔ قندوز کی زمین زراعت کیلئے بہت مناسب ہے۔ جاری پانی کثرت سے ہے اس لئے کئی نہریں قندوز کی زمین کو پانی سے سیراب کرتی ہیں۔ "باغ چہل دختران" بہت خوبصورت اور قدیم باغ ہے جس میں قدرت نے عجیب عجیب گلکاریاں کی ہیں۔

میوے انگور بے حساب پیدا ہوتا ہے، سیب، انجیر تربوز، خربوزہ، آلوچہ، توت، کوک سلطان، اور ناک۔

زراعت زمین کا زیادہ حصہ کاشت کے قابل ہے۔ گیہوں، جو، جوار، روئی، شلجم اور مختلف قسم کے غلے اور ترکاریوں کی کاشت کی جاتی ہے۔

خوراک اور پوشاک یہاں کے قندھاری نعمانی اور کابلی لوگ بہت مالدار ہیں۔ اس لئے اعلیٰ قسم کا کھانا اور عمدہ گوشت و گھی استعمال کرتے ہیں۔ اور قبیلۂ ازبک اور مردم کے لوگ دُنبہ کا گوشت اور زغر کا روغن کھاتے ہیں لیکن افغانی دُنبہ کے ساتھ گھی کھاتے ہیں۔

سمتِ جنوبی کے گاؤں

گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
فیروز کوئی	۲	زرد کمر	۴۰
خواجہ مشہد سادات	۲۵	طائفہ آب سرسینہ	۴۰
ابراہیم خیل	۱۰۰	جرگذر	۸
حیلہ مزار ہر قوم	۸۰	سہ درک	۱۰۰

صنعت قبیلۂ تاجک کے لوگ کرباس اور اچھے باف ہیں۔ اور ترکمانی اور قزاق قبائل کے لوگ قالین بناتے ہیں اور کئی قسم کا کپڑا بھی بنتے ہیں۔ اور قزاق قبیلہ کے لوگ جنگلی جانوروں لومڑیوں اور قرہ قلی بھیڑ کا شکار کرتے ہیں۔ اور انکی کھالوں سے پوستین بناتے ہیں۔ اور قزاق قبیلہ کے بعض آدمی اور قنغرات اور ترکمن لوگ بھی قرہ قلی بھیڑ کے گلّے پالتے ہیں۔ جس کی ٹوپیاں نہایت قیمتی ہوتی ہیں۔ اور جسکی یہ تجارت کرتے ہیں۔ یہاں کے اونٹ عام طور پر دو کوہان کے ہوتے ہیں۔

اسلحہ سینکڑوں قسم کی انگریزی اور روسی ساخت کی بندوقیں ان لوگوں کے پاس ہیں۔ ازبک لوگ بندوقوں کے علاوہ خنجر بھی رکھتے ہیں۔

رسم و رواج چونکہ آبادی مختلف قوموں پر مشتمل ہے اس لئے اِن سب کی رسوم بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔

ازبک لوگ حسب حیثیت چار یا پانچ سو روپیہ لڑکی کے والد کو دیتے ہیں۔ اور لڑکی والے بھی داماد کو نقد و جنس و سامان کی صورت میں اتنا ہی روپیہ دیتے ہیں۔ مگر قندھاری افغان دو تین ہزار روپیہ اور کثیر سامان داماد سے لیتے ہیں۔ اور جبتک اتنا ہی لڑکی کے جہیز میں نہ ملے شادی کا معاملہ کھٹائی میں پڑا رہتا ہے۔ غرض تمام قبائل شادی کے معاملہ میں روپیہ اور سامان کے لین دین کی رسم کے پابند ہیں۔ اور اس رسم قدیم کو ترک نہیں کرتے اور اکثر نظامنامۂ عروسی کی بھی پروا نہیں کرتے۔

مزارات قندوز کے نواح میں حضرت بابائی، پارہ دوز، حضرت سلطان، اور حضرت خواجہ قفل کے مزارات مشہور ہیں۔

شکارگاہیں قندوز کے اطراف میں کئی بڑے بڑے جنگل ہیں۔ مشرقی طرف ایک جنگل ہے جو تین کروہ لانبا اور تین ہی کروہ چوڑا ہے۔ شمالی جانب بھی دو جنگل ہیں۔ ایک پانچ کروہ لانبا اور ایک کروہ چوڑا ہے۔ اور دوسرا پانچ کروہ لانبا اور ۱½ کروہ چوڑا ہے۔ ان جنگلوں میں شیر، لومڑی، چیتا، بھیڑیا، تاز، مُرغابی، لکلک، اور جنگلی بھیڑیں بکثرت ہیں۔ دریائے خان آباد کے کنارے "دریائی کُتا" بھی دیکھا جاتا ہے جس کا اکثر شکار بھی ہوتا ہے۔ اور اس دریا میں پانچ سیر سے لیکر بارہ سیر تک کی مچھلی بھی پائی جاتی ہے (افغانی سیر ہندوستان کے ۸ سیر کے برابر ہوتا ہے) جناب عضدالدولہ مرحوم اکثر اس جنگل میں شیر خرگوش، مرغابی وغیرہ جانوروں کا شکار کھیلتے تھے۔

قندوز اور بغلان کے درمیان ایک مقام کوہی ہے جو عام طور سے "قرہ ماتور" مشہور ہے۔ یہاں پستہ کے بے شمار درخت ہیں۔ ہزارہ قبیلہ کے لوگ پستہ اکٹھا کرتے ہیں اور انکی تجارت کرتے ہیں۔

تالقان خان آباد کے مضافات میں ہے۔ گرمیوں میں ۱۰۴ درجہ بارہ حرارت ہوتا ہے۔ درجۂ اول کی حکومت ہے۔ وسیع اور ہموار جگہ ہے۔ معتدل ہوا ہے۔ جاڑوں میں ایک دو مرتبہ

سخت برف باری ہوتی ہے جس کا سلسلہ چار روز تک منقطع نہیں ہوتا تین چار کروہ کے فاصلہ پر اس کے آس پاس بہت سے دیہات ہیں۔ باغات، میوے، اور جاری پانی کثرت سے ہے۔ ایک بڑے باغ میں حاکم شہر کی خوبصورت عمارت واقع ہے جس کے چاروں طرف میووں کے سرسبز درخت ہیں۔ اور چنار کے پرانے اور اونچے اونچے درخت بھی ہیں۔ ایک بڑا حوض بھی ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی نہریں بھی ہر طرف بہتی ہیں۔ ایک وسیع اور خوبصورت چبوترہ بھی اس باغ کے وسط میں ہے۔

تالقان میں ایک جامع مسجد، چار سرائیں اور ایک مکتب بھی ہے۔ شہر کے کنارے دریا بھی بہتا ہے۔ یہاں کے بازاروں کے دکاندار شہری لوگ نہیں ہیں بلکہ دیہاتی ہیں جو اپنی دکان اور اپنے پیشہ کے لئے روزانہ صبح کو دیہاتوں سے آتے ہیں اور عصر کے وقت واپس چلے جاتے ہیں۔ اور بعض ایک ہفتہ کے بعد گھر لوٹتے ہیں۔ اور سات دن اسی جگہ رہتے ہیں۔

تالقان کے لوگ فارسی، ترکی اور پشتو زبانوں میں گفتگو کرتے ہیں۔

یہاں کے چشموں پر مرغابیاں اور کبک کثرت سے ہیں جن کا آسانی سے شکار کیا جاتا ہے۔

تالقان کے دیہات

گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	تفصیل
خود تالقان	۱۵۰	تاجک، ازبک، افغان وغیرہ
خواجہ خارق، قرق		یہ دیہات تالقان سے ۱۵ کروہ مسافت پر واقع ہیں مکانات دور دور ہیں۔
جوکدو، خوش گیلائی		
لکلکان وغیرہ	۱۵۰	ان سب دیہاتوں کی آبادی ۴۰۰ ہے۔
قوم چکپہ ترک	۱۰۰	یہاں کے لوگ کسانی کرتے ہیں۔
قشلائی مامائی	۳۳	قوم مغل
قلعہ چپہ	۲۵	
سُرخ	۴۰	
اقلائی	۳۰	
ہزار باغ	۴۰	قوم تغل ترک
قرہ خو	۵۰	" "
ہواسائی	۲۵	" قرق
کل بلاق	۵۰	قوم ترک، تاجک، قلق
عنبر کوہ	۴۰	" مغل اور ترک

شمالی مشرقی جانب کے گاؤں

گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
توقہ	۲۵	آق مسجد	۶۰
چہار باغ سائی	۱۵	لمسن	۲۰
تالک	۴۰	مسکین	۲۵
کورفدقاہ	۱۵	ہزار سموج	۷۰
خواجہ لمتی	۲۰	شورقدق	۱۰

گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
پس قشلاق	۵۰	اوچ قدق	۳۰
غرب درہ	۲۰	گندہ چہ	۱۲
جگدہ بلاغ	۲۵	خواجہ خیل	۴۰
بہارک	۳۰۰	بانغک	۵۰
قرہ پرچاؤ	۱۰۰	کہنہ تالقان	۵۰
سرائے ننگ	۲۰۰	بولک درتہ بز	۵۰

تالقان سے مغربی جانب تین کروہ کے فاصلہ پر جو گاؤں ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے:-

گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
ریلین مجاز	۲۰	کبروک	۴۰
شورہ توکہ	۷۰	ششن تپہ	۴۰
کجل باغ	۲۰	ابدال	۵۰

مشرقی جانب کے گاؤں جو تالقان سے پانچ کروہ کے فاصلہ پر ہیں۔

گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
آہن درہ	۲۰۰	خانہ تشلاق تودان	۵۰
سلطان بائی	۲۰	تالک قریق	۴۰
قشلاق محمد نصر خان	۳۰	کہنہ بندوچ بلاق	۱۰۰
خطایان	۱۰۰	شمند	۱۰

تالقان سے جنوبی جانب ایک کروہ کے فاصلہ پر جو گاؤں ہیں:-

گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد	گاؤں کا نام	مکانوں کی تعداد
چیدہ کمر	۲۰۰	نہر سید	۸۰
خورچنگال	۱۰	شوراب	۱۴۰
قول برس	۱۰	چائی شورچہ	۱۰۰
آق مسجد	۴۰	جوئی شیخ	۱۰
چشمۂ شیر	۸۰		

زراعت جو، جوار، گیہوں، ماش، خربوزہ، تربوز، روئی اور ہر قسم کی ترکاریوں اور غلوں کی کاشت کی جاتی ہے لیکن خان آباد کا خربوزہ یہاں سے بہتر اور اعلیٰ ہوتا ہے۔

صنعت خواجہ غار کے ترک لوگ مالدار ہیں اس لئے وہ پلاس، کرباس اور جوال (گرم کپڑے) بُنتے ہیں اور بندمالی بھی کرتے ہیں۔ اور بعض قبائل عمامہ، النچہ، کشمیرہ اور اعلیٰ اونی کپڑے تیار کرتے ہیں۔ اور بعض لوہاری، سُناری اور مروجہ دستکاریاں بھی اختیار کرتے ہیں لیکن شہر تالقان کے لوگ بجز کاشتکاری کے اور کچھ نہیں جانتے۔

خوراک اور پوشاک تالقان کے علاقہ میں کابلی اور افغانی لوگ زیادہ ہیں۔ اِس لئے یہ کھانے میں بہت شائستہ ہیں لیکن ازبک لوگ کھانے پینے میں زیادہ اہتمام نہیں کرتے۔ اور گیہوں کا دلیہ، گیہوں کی روٹی اور جوار پر اکتفا کرتے ہیں۔

لباس کے معاملہ میں تمام قبائل کے لوگ ایکساں ہیں سب

پاکیزہ لباس پہنتے ہیں اور خود ساختہ کپڑے زیب تن کرتے ہیں۔

اسلحہ یہاں کے لوگ زمانۂ قدیم سے اسلحہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ شاید کسی کے پاس ٹوٹی پھوٹی بندوق نکل آئے ورنہ عموماً لوگ لکڑی کے لمبے لمبے ڈنڈے ساتھ رکھتے ہیں۔

رسوم رسم و رواج میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ شادی، غمی کی رسمیں وہی ہیں جو عام قبائل کی ہیں "نظامنامہ عروسی" سے انکی بھی کچھ اصلاح ہوتی ہے۔

نمک آب تالقان کے مضافات میں ہے۔ تاجک اور ہزارہ لوگ زیادہ ہیں۔ زبان فارسی بولی جاتی ہے۔ یہاں نمک کی ایک کان بھی ہے۔ اور اسی لئے اس جگہ کا نام "نمک آب" مشہور ہے۔ نمک کی کان کے قریب ایک جنگل ہے جس میں بادام تلخ، سال، طوس، ارچہ، اور زرشک کے بے شمار درخت ہیں یہاں کے باشندے زیادہ تر زراعت کرتے ہیں۔ اور جو گیہوں وغیرہ یہاں کی عام پیداوار ہے۔ کچھ لوگ گلیم، کرباس اور الچہ بافی بھی کرتے ہیں اور نمک کی کان سے لوگ نمک جمع کر کے اسکی تجارت بھی کرتے ہیں۔

کلفگان تالقان کے مضافات میں ہے اور مستقل علاقہ ہے تالقان سے ۱۲ کروہ دور ہے۔ سرد جگہ ہے اور ہوا بہت اچھی ہے۔ چشمہ کا پانی عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ زراعت اچھی ہوتی ہے۔ جو، گیہوں، ازغر اور فالیز پیداوار ہے۔ عام زبان ترکی ہے، قومیت بھی ترک ہے۔ یہاں بھی نمک کی ایک کان ہے۔ یہ جگہ زیادہ سرسبز و شاداب نہیں ہے اور یہاں زیادہ درخت بھی نہیں ہیں۔

تالقان سے کلفگان تک راستہ میں "دشت روباہ" اور آق یلاق دو مقامات ملتے ہیں جہاں باشندے عام طور پر بانس اور لکڑی کی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔

سڑکیں مغربی جانب سڑک تالقان اور سڑک فرخار ہے اور مشرقی سمت سڑک بدخشان ہے۔ اور شمالی جانب سڑک رستاق ہے لیکن جنوب کی طرف کوئی مشہور سڑک نہیں ہے بلکہ پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے جہاں جنگل ہے۔ اور جنوب کی جانب دریائے کوکچہ کے کنارے جنگلوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں پستہ کے بے شمار درخت ہیں۔

صنعت، خوراک، پوشاک، اسلحہ یہاں کے لوگ نمدمالی، پلاس بافی کرتے اور جل وجوال بناتے ہیں اور مروجہ پیشوں اور صنعتوں کے بھی ماہر ہیں۔

جو اور گیہوں کی روٹی کھاتے ہیں اور عام طور سے کچا گیہوں بھی کھاتے ہیں۔ اور مالدار لوگ گوشت روٹی اور پلاؤ کھاتے ہیں۔

عام طور پر کرباس اور الچہ کا لباس پہنتے ہیں لیکن عورتیں چھینٹ اور کرباس کا لباس بناتی ہیں۔

کلفگان کے لوگوں کو اسلحہ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ تمام کلفگان میں ایک بھی بندوق نہیں ہے۔ ضرورت کے وقت لکڑی کے ایک ہتھیار سے جس کو "تیاق" کہتے ہیں کام نکال لیتے ہیں

فرخار فرخار ایک علاقہ ہے جو تالقان کی ماتحتی میں ہے۔ عام آبادی تاجک لوگوں کی ہے۔ گرمیوں میں درجۂ حرارت ۹۲ ہوتا ہے۔ آب و ہوا اور موسم کے اعتبار سے کابل کی طرح ہے۔ یہاں کے لوگ گورے اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ زراعت اور کپڑے بُننا ان کا پیشہ ہے۔ اِن لوگوں میں بہت سے عالم اور فاضل ہیں فرخار ۵۴۰۰ فیٹ بلند ہے اور تالقان سے ۱۲ کروہ دور ہے۔ یہاں دو درے ہیں جن کی لمبائی ۱۰ کروہ تک ہے۔ فرخار کے پہاڑوں میں پستہ، بادام تلخ، ارچہ اور ارغوان کے جنگل ہیں اور بید، گز، چمن، بشال، دولانہ اور زرشک کے درخت بے شمار ہیں۔ اور یہاں ہرن بھی کثرت سے ہیں۔

ایک بازار ہے جس میں چالیس دُکانیں ہیں اور جہاں ضرورت کی سب چیزیں ملتی ہیں۔

فرخار کے علاقوں کے مکانات کی تعداد ۱۲۰۰ سے متجاوز ہے۔ اور آبادی اندازاً ۵۰۰۰ ہے۔

بزرگانِ دین کے مزارات بھی ہیں جن میں (۱) حضرت پیر فرخارؒ (۲) حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ (۳) اور حضرت خواجہ ابدال ولیؒ کے مزارات مرجع عام وخاص ہیں۔

میوے۔ صنعت۔ خوراک۔ پوشاک۔ اسلحہ یہاں سیب زرد آلو، شفتالو، انگور، آلوچہ، بہی، ناک، اخروٹ، گیلاس کثرت سے ہیں۔

یہاں کی زمین آبی (جس کو پانی پہنچانے کی ضرورت پڑے) اور ایسی زمین اچھی ہوتی ہے کیونکہ وہ قدرتی طور سے ہر وقت پانی سے سیراب رہتی ہے) بھی ہے اور للمی بھی ہے۔ اس میں زیادہ پیداوار نہیں ہوتی یہ زمین آبی کے مقابلہ میں خراب ہے۔ پیداوار جو، گیہوں ارزن، چنا، شاخل اور شالی ہے۔

اُنجہ اور کرباس بافی اور تمام مروّجہ پیشے رائج ہیں۔ جو، گیہوں گوشت، چاول، دودھ وغیرہ ان کی خوراک ہے۔

مردوں کا لباس کرباس صحن، برک کے کپڑے ہیں، اور ململ کے صافے اور پشاوری لنگیاں (عمامے) باندھتے ہیں۔ اور موزہ اور چمڑے کے لباس پہنتے ہیں۔ اور عورتیں چھینٹ، کرباس اور ململ کے کپڑے استعمال کرتی ہیں اور چہرہ پر نقاب ڈالتی ہیں۔

یہاں کے لوگ شکار کے بہت شوقین ہیں۔ اس لئے ان اطراف میں بہت سی اقسام کی بندوقیں لوگوں کے پاس ہیں۔

وُرسج یہاں کے لوگ بالکل گورے رنگ کے ہوتے ہیں اور فارسی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ وُرسج کے ماتحت کئی گاؤں ہیں۔ جو سب درے ہیں اور ان سب میں پانی جاری رہتا ہے سب کی آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے اور ٹھنڈی ہے۔ اور یہاں میوے بھی کثرت سے ہیں۔ اس طرف کے تمام کوہ و دشت قدرتاً خوبصورت اور حسین ہیں۔ انہی مقامات میں ایک "درۂ طرشت" ہے جہاں مغربی جانب سے پانی آتا ہے۔ اور ایک آبشار بھی ہے جس کا پانی بہت زور کے ساتھ ایک بلند پہاڑی سے گرتا ہے۔ اِس آبشار سے اگر بجلی نکالی جائے تو روشنی وغیرہ کی ضرورتوں کو ایک حد تک پورا کردے گی۔ اور

اِس سے کارخانے بھی جاری ہو سکتے ہیں۔

ایک اور جگہ "تگاب میاں" ہے جہاں شمال سے پانی آتا ہے۔ یہ بھی خوبصورت جگہ ہے۔ یہاں قرآن کریم کے حافظ اور قاری اور علماء و مشائخ اور سادات بہت ہیں۔ تاجک اور ہزارہ لوگوں کی آبادی ہے۔

"درۂ طرشت" میں بزرگانِ دین کے مزارات بھی ہیں۔ شیخ نظام الدینؒ، شیخ نجم الدینؒ، سید غدیر الدینؒ، سید وقاصؒ اور مولانا وقاصؒ کے مزارات سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ایک بزرگ شیخ خلیل اللہؒ کا بھی مزار عوام کا مرجع ہے۔ کہتے ہیں مرحوم کا انتقال بخارا میں ہوا تھا اور عقیدتمند حضرات ان کی لاش یہاں اُٹھا لائے تھے۔

یہاں کے پہاڑی جنگلوں میں مختلف قسم کے بے شمار درخت ہیں۔ اور پہاڑی چشموں اور حوضوں پر مرغابی، کبوتر اور مختلف اقسام کے جانور اکثر شکار کئے جاتے ہیں۔ اور جنگلی مرغ بھی اس طرف پایا جاتا ہے۔

دَرَوسج میں ایک خاص قسم کا پھل جس کو "لالہ سفید" کہتے ہیں پایا جاتا ہے جس کو یہاں کے باشندے بہت شوق سے جمع کرتے ہیں، اور اس کے بیج کو جو پیاز کی طرح ہوتا ہے چھیل ڈالتے ہیں۔ اور جوش دیکر کوٹ لیتے ہیں، اور اس کا نشاستہ نکالتے ہیں جو مزے میں شہد اور کھیر کی طرح شیریں ہوتا ہے۔ اس طرف اس قسم کے اور بھی کئی پھل دیکھے گئے ہیں۔

سڑکیں صنعت۔ خوراک پوشاک

وُرسج سے ایک راستہ کو ریتو پریان کو گیا ہے، اور دوسرا راستہ کران تک پہنچا ہے جس کے راستہ میں حضرت سعد وقاصؓ کی زیارت گاہ ملتی ہے۔ ایک سڑک ریچ دہ کی سرسبز وادی سے ہوتی ہوئی فرخار گئی ہے۔

یہاں کی عام صنعت پارچہ بافی ہے۔ اور کاشتکاری بھی ہوتی ہے۔ زمین کا زیادہ حصہ آبی ہے اور کچھ للمی ہے۔ جَو، گیہوں باقلی، اور شنگ عام پیداوار ہے۔

میوے بھی زیادہ نہیں پائے جاتے، اور عام طور سے فرخار کی بہ نسبت خوراک و پوشاک بھی پست ہے۔ باقلی اور شنگ کھاتے ہیں اور گیہوں، جَو اور شنگ کے ملے ہوئے آٹے کی روٹیاں سوکھی بھی کھاتے ہیں۔

یہاں پانچ قسم کی معمولی ساخت کی بندوقیں لوگوں کے پاس ہیں۔ اندراب اور وُرسج کے باشندے بہادر اور باہمت ہوتے ہیں، اور جنگ کے موقع پر ہمیشہ غالب اور کامیاب رہتے ہیں۔

تالقان کی سڑکیں

کلفگان، فرخار اور وَرسج کے علاقے سب تالقان کی ماتحتی میں ہیں۔ اسلئے ہم ذیل میں تالقان کی سڑکوں کے حالات لکھتے ہیں:۔

تالقان کی مغربی جانب ایک بڑی سڑک ہے جو خان آباد تک گئی ہے۔ اور دوسری رستاق تک گئی ہے۔ اور ایک سڑک ہے جو دراہم او کشم تک پہنچی ہے۔ اور ایک سڑک چال، اشکمش، فرخار اور وَرسج کو جاتی ہے۔ تالقان کے چاروں طرف بہت سی

سڑکیں ہیں جو ملک کے تمام حصوں میں جاتی ہیں۔ تالقان کے دریا میں پانی ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

نہرین نہرین کا دوسرا نام "برکہ وتیموز" ہے کیونکہ یہاں ازبک برکہ اور تیموز قبائل کے لوگ رہتے ہیں۔ یہ دوسرے درجہ کی حکومت ہے اور چال و اشکمش اس کی ماتحتی میں ہیں۔ گرمیوں میں پارۂ حرارت ۹۸ درجہ ہوتا ہے۔ قشنگ اور خوش رنگی مقامات کی فضا بہت اچھی ہے۔

پستہ کے بہت سے جنگلات ہیں۔ جو بہت سستے داموں میں ملتے ہیں۔ نہرین کے چاروں طرف دیہات نہیں ہیں۔ تاجک، اوزبک، ہزارہ اور افغان قبائل کے لوگوں کی آبادی ہے۔ زمین کا زیادہ حصہ للمی ہے اور آبی زمین کم ہے۔ نہرین میں ۰۰ امکانات اور سو ہی دکانیں ہیں۔

سڑکیں (۱) مشرقی جانب ہے جو خواجہ ہجران تک جاتی ہے (۲) مغربی جانب ہے جو طیقان حسن تال اور بغلان تک جاتی ہے (۳) جنوب کی طرف ہے جو شیخ جلال سے بغلان تک گئی ہے (۴) پرم تک جاتی ہے (۵) کوتل مرغ، خوش درہ اور شیخ جلال تک جاتی ہے (۶) بیش گزہ سے غوری تک گئی ہے۔

(۷) خنجان، وکیلہ گئی اور دوشی تک چلی گئی ہے (۸) درۂ گدری سے مشرق کی طرف جا کر چند میل پر دو حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ ایک سڑک خوست تک اور دوسری شرشرا و جبل واق تک چلی گئی ہے۔

خواجہ ہجران میں ایک درہ ہے جو نہرین سے تین کروہ دور ہے جو پتھر کے کوئلہ کی ایک کان ہے۔

خواجہ ہجران کی زمین عام طور پر للمی ہے۔ باشندے بات چیت ترکی زبان میں کرتے ہیں لیکن الفاظ بہت غلط استعمال کرتے ہیں

چال اور اشکمش چال اور اشکمش نہرین کی حکومت کے ماتحت دوسرے درجہ کی علاقہ داری ہے۔ چال میں سرکاری عمارتیں بھی ہیں۔ اور ۰۰ امکانات ہیں۔ اور اشکمش میں زمین ہموار ہے اور نفیس چراگاہیں ہیں۔ اور خوبصورت چمن زار ہیں۔ اور پستہ، بادام، آرچہ اور روالانہ کے جنگلات ہیں۔ باشندے تیمز ہیں۔

راستے چال کے جنوب کی طرف ایک درہ ہے جہاں سے خوست کو ایک راستہ گیا ہے۔ ایک اور راستہ ہے جو فلول اور گندہ چشمہ تک گیا ہے۔ فلول ایک درہ ہے جہاں میوے اور توت بہت ہوتے ہیں۔ (۳) جبل واق اور نہرین تک گیا ہے۔ (۴) یہ راستہ فوری سنگ اور خواجہ ہجران کو جاتا ہے (۵) خوست تک پہنچا ہے (۶) شرشرا اور خواجہ ہجران تک گیا ہے (۷) تالقان جاتا ہے (۸) اشکمش سے چال جاتا ہے (۹) خوست، نمک آب اور تالقان کو راستے گئے ہیں (۱۰) دو منزل کا راستہ ہے تالقان گیا ہے (۱۱) ایک منزل ہے جو اندراب تک جاتا ہے (۱۲) انجنان اور سالنگ گیا ہے (۱۳) مغربی جانب ہے اور بغلان تک جاتا ہے۔ (۱۴) خوست اور فرنگ تک گیا ہے۔

صنعت عام طور سے یہاں کے لوگ زراعت پیشہ ہیں اور

بعض چمڑے کا کام بھی کرتے ہیں اور سامان تیار کرکے تالقان اور خان آباد کی منڈیوں میں فروخت کرتے ہیں۔ چونکہ چال پر شمالی جانب دریا کے کنارے نمک کی کان ہے اس لئے بعض نمک فروشی بھی کرتے ہیں اور بعض کپڑے بھی بُنتے ہیں۔ زمین کا زیادہ حصہ للمی ہے اور آبی زمین بہت کم ہے۔ پیداوار جَو، گیہوں، چنا، روئی، شالی، زغر اور جوار ہے۔ اور میووں میں توت، زردآلو انگور، سیب، شفتالو، خربوزہ اور تربوز ہوتے ہیں۔

چال اور اشکمش نہرین سے ۷ کروہ دور ہیں۔ اور ان میں ۵۰۰ سے زائد مکانات ہیں ۲۰۰ دُکانیں ہیں۔ آبادی ۲۰۰۰۰ ہزار کے قریب ہے۔ آبادی اور مکانات کا یہ اندازہ دیہاتوں کو ملا کر ہے۔

"بدخشاں"

بدخشاں دارالسلطنت کابل سے شمالی جانب دریائے امویہ کے کنارے واقع ہے۔ جنوب میں کوہ ہندوکش مشرق میں چترار، شغنان اور درواز ہیں۔ مغرب میں کلفگان ہے۔

بدخشاں کی پیداوار، گیہوں، جَو، باقلی، زغر، چنا، کلول کوکنار، مشنگ اور ارزن ہے۔ زمین اکثر للمی ہے اور کہیں کہیں آبی بھی ہے لیکن یہاں کی للمی زمین بھی ایک خوبی ہے کہ اس میں ہر قسم کی زراعت کی جا سکتی ہے اور تمام قسم کی پیداوار ہوتی ہے۔ اور ہر قسم کے میوے یہاں پائے جاتے ہیں۔ جرم، بہارک، زردیو، کشم، شغنان کے میوے، تمام افغانستان میں مشہور ہیں۔ بہارک اور رستاق کا سیب سب سے بہتر مانا گیا ہے۔

آب ہوا

بدخشاں کی آب و ہوا بہت اچھی اور صحت بخش ہے۔ امراض بہت کم ہیں اور تندرستی عام ہے۔ بدخشاں میں اونٹ کم ہوتا ہے لیکن بکریاں قطغن کی بہ نسبت بے شمار ہیں۔ گھوڑے بھی ہیں۔ بدخشاں کا اکثر حصہ کوہستانی ہے اور ہوا بہت سرد ہے۔ خاص طور سے شمال اور جنوب کے تمام حصے برف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ جہاں بہت ہی سخت سردی پڑتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں "ترکی بکریاں" زندہ نہیں رہتیں کیونکہ وہ اتنی سخت سردی برداشت نہیں کرسکتیں۔ اور سردی کی وجہ سے بکریوں کے لئے چارہ بھی بہت کم میسر آتا ہے لیکن "گدی بکری" ان اطراف میں بے شمار ہے۔ کیونکہ یہ سردی پسند کرتی ہے اور بہت کم چارہ کھاتی ہے اور سال میں دو مرتبہ حاملہ ہوتی ہے۔

صنعت

بدخشاں میں پارچہ بافی کی صنعت بہت عام ہے۔ پہاڑی علاقہ کے لوگ اونی کپڑے بنا کر اپنا پیٹ پالتے ہیں اور اسی کی تجارت کرتے ہیں۔ رستاق میں صابون سازی کی صنعت بہت زیادہ رائج ہے اور قطغن و بدخشاں کے تمام علاقوں میں رستاق کا ہی صابن استعمال کیا جاتا ہے۔

یہاں کے لوگ خوبصورت اور گورے چٹے ہوتے ہیں۔

تاجک قبائل کے لوگ بہت زیادہ ہیں اور ترکی کم ہیں۔

عام زبان فارسی ہے لیکن پہاڑی علاقوں اور شغنان واخان اور منجان میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا

عام مذہب آغا خانی ہے۔

معدنیات لعل، لاجورد، سُرمہ، گندھک، سیسہ اور چودن کی کانیں بہت سے مقامات پر ہیں۔ اور اگر تلاش کی جائے تو ابھی بے شمار کانوں کا اور پتہ چل سکتا ہے (اب نادری حکومت انتظامات میں مصروف ہے)

باشندوں کے نام بدخشاں کے علاقہ کے اہلسنت جنکی زیادہ تعداد فیض آباد، جرم کشم، درواز، اور رستاق وغیرہ مقامات میں ہے۔ ان کے مردوں کے نام عام طور پر عاشور، آدینہ صفر قربان، سید میرزا، نیاز محمد، چقک، میرزا سید پر ہوتے ہیں۔ اور ان کی عورتوں کے نام راحت بیگم، نزاکت بیگم اور صورت بیگم کی طرح ہوتے ہیں، اور آغا خانی مردوں کے نام عزت بیگ، خاک علی یعقوب علی، صفر علی، دوشنبہ، آدینہ، یکشنبہ، چہارشنبہ وغیرہ ہوتے ہیں، اور آغا خانی عورتوں کے نام شکرما، عزت ما، شیرین ما، گلما، خزار، قمرما، وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور قرغز کے علاقہ کے مردوں کے نام جبار قل، تختہ سم، توختہ سول، احمد قل، خدائے بردی وغیرہ ہوتے ہیں، اور عورتوں کے نام کلثوم، عائشہ، فاطمہ، خدیجہ وغیرہ ہوتے ہیں۔

زاغ بیقل۔ درواز اور شہر بزرگ میں زیرہ بہت ہے اور دوسرے مقامات پر کم ملتا ہے۔

رستاق اور درواز میں پستہ بے حساب ہے اور دوسرے مقامات پر اس کثرت سے نہیں ملتا۔

بدخشاں کے تمام علاقوں میں بھیڑیا، لومڑی، سیاہ خرگوش اور دیگر بال دار جانور پائے جاتے ہیں لیکن درواز میں اس قسم کے جانور بہت ہی زیادہ ہیں۔ اس لئے یہاں ان کی کھالیں اور پوستین بھی سستے اور بکثرت ملتے ہیں۔

بنفشہ، شقاقل اور سمارق بدخشاں کے تمام اضلاع میں پایا جاتا ہے۔

اصلی اور خالص ممیرہ جو کہ امراض چشم کے لئے اکسیر ہے پامیرات، برغیلی، زردیو، شغنان، اور شیوہ میں بہت ملتا ہے اور درمۂ ترکی میں بھی تھوڑا موجود ہے۔

کوز (ایک خاص قسم کا پھل) بھی بدخشاں کے علاقہ میں کثرت سے ملتا ہے جس کو کابل اور سمت مشرقی افغانستان کے باشندے شوق سے کھاتے ہیں اور اس کا سالن پکاتے ہیں لیکن بدخشاں کے لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔

شکار جاڑوں کے موسم میں بدخشاں کے پہاڑوں اور تمام مقامات پر ہرن اور دوسرے جنگلی جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے کبھی شکار بندوق سے کرتے ہیں اور کبھی اس طرح کہ آدمیوں کا ایک غول جنگل میں پہنچا اور اس نے ہرن اور دوسرے جنگلی جانوروں کو ہکانا شروع کیا اور جو جانور نکلا اس کو چاروں طرف سے لوگوں نے گھیر لیا اور اس کے پیچھے دوڑے اور اس کو پکڑ لیا۔ اور کبھی جال لگا کر جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ بدخشاں کے لوگ شکار کے بہت شوقین ہیں اور وہ آسانی

سے شکار کرنے کی سینکڑوں ترکیبیں جانتے ہیں۔ دریائے کوکچہ اور دریائے مرغو اور دریائے زیباک اور دریائے وردوج میں مچھلی کا شکار بھی کیا جاتا ہے۔ بدخشاں کے دریاؤں میں ایک خاص قسم کی مچھلی بھی پائی جاتی ہے جو کسی دوسری جگہ نہیں ہوتی اور جس کو بدخشانی "ہقہ" کہتے ہیں۔ اس مچھلی میں کانٹے کم ہوتے ہیں اور جلد پر سرخ سرخ داغ ہوتے ہیں اور اس کا گوشت میٹھا اور لذیذ ہوتا ہے۔

کران اور منجان کے لوگ جاڑوں میں مرغابیوں کا شکار کرتے ہیں اور یہ عجیب طریقہ سے شکار کھیلتے ہیں تین چار آدمی جمع ہو کر کسی دریا یا حوض پر چلے جاتے ہیں اور وہاں خس کا ایک پنجرہ بناتے ہیں جو عام طور سے ۴ گز لانبا اور ۳ گز چوڑا ہوتا ہے اور پھر وہاں دانہ ڈالدیتے ہیں اور وہاں سے ہٹکر دور آڑ میں چلے جاتے ہیں اور جب بہت سی مرغابیاں حوض کے کنارے آتی ہیں تو وہ دانہ کے لالچ میں اس پنجرہ میں آجاتی ہیں۔ ایک آتی ہے۔ پھر دوسری آتی ہے۔ پھر چار پانچ آتی ہیں یہانتک کہ جھنڈ کا جھنڈ پنجرہ میں آجاتا ہے۔ تو شکاری نہایت خاموشی سے آتے ہیں اور پنجرہ کو قابو میں کر لیتے ہیں اور اس صفائی کے ساتھ کہ ایک بھی مرغابی بھاگنے نہیں پاتی۔

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرغابیاں پنجرہ میں نہیں جاتیں تو اس وقت شکاریوں میں سے ایک مرغابیاں ہکاتا ہے اور دو تین خس کے پنجرہ کو بڑی پھرتی اور چالاکی سے مرغابیوں پر پٹک دیتے ہیں اور فوراً ہی پانی میں کود کر سب کو پکڑ لیتے ہیں۔ اس کشمکش میں دو تین نکل بھی جاتی ہیں لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ ان کا وار خالی جائے۔ بدخشانی لوگ اس ترکیب سے ۵۰، ۶۰، مرغابیاں روز مار لیتے ہیں ان ترکیبوں کے علاوہ اور بھی بہت سی ترکیبیں مرغابیوں کو شکار کرنے کی جانتے ہیں۔

تجارت

بدخشانی تجار کپڑے کی تجارت زیادہ کرتے ہیں بعض ایسے تاجر ہیں جو قطغن و بدخشاں کے علاقوں ہی میں چکر کاٹتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بدخشاں کے بنے ہوئے کپڑوں کی تجارت کرتے ہیں اور قالین اور اونی کپڑے خریدتے اور فروخت کرتے ہیں اور بعض ایسے تاجر ہیں جو پشاور اور انگریزی حصوں میں بدخشانی مصنوعات کو فروخت کرتے ہیں۔ یہ لوگ پشاور وغیرہ سے چائے شکر اور دوسری ضرورت کی چیزیں بدخشان لے جاتے ہیں۔ اور بدخشاں سے کپڑے اور میوے وغیرہ پشاور لاتے ہیں۔ لومڑی، شیر اور چیتے کی کھالوں کی پوستین اور سادی کھالوں کی بھی تجارت کرتے ہیں جو پشاور کے لوگ شوق سے خریدتے ہیں۔

زار روس کے زمانے میں بدخشانی لوگ روس میں بھی تجارت کی غرض سے جاتے تھے لیکن بالشویک حکومت کے بعد ہر قسم کی آمد و رفت ممنوع ہو گئی ہے۔

آبادی کے قابل زمینیں

(۱) موضع بہارک میں دشت فراخ نامی ایک قطعۂ زمین خالی پڑا ہے جو ۴ کروہ لانبا اور ۲ کروہ چوڑا ہے۔ جنرل تاج محمد خاں نے چاہا تھا کہ یہ حصہ آباد ہو جائے اور اس مقصد کیلئے انہوں نے دریائے وردوج سے ایک نہر

بھی نکالی تھی جو بعد میں بے توجہی کے سبب خراب ہوگئی۔

(۲) مقام جرم میں شاہ ناصر کے قریب ایک میدان ہے جو نیوسیج کے نام سے مشہور ہے۔ یہ میدان بالکل ہموار ہے اور یہاں کی مٹی بہت عمدہ ہے۔ یہاں نہایت آسانی سے پانی لایا جا سکتا ہے اور ایک بڑی آبادی کی باآسانی جگہ نکل سکتی ہے۔

(۳) اشکاشم زیباک میں ایک میدان ہے جہاں پانی بھی کافی موجود ہے، اور ذرا سی کوشش سے پانی کو جگہ جگہ پھیلایا جا سکتا ہے۔ یہاں بھی آبادی کے لئے بہت گنجائش ہے۔

(۴) مشہد کشم میں کئی بڑے بڑے میدان خالی پڑے ہیں جس میں بہت کافی پانی بھی ہے۔ اور اس میں آبادی کیلئے بہت زیادہ گنجائش ہے۔

ان مقامات پر اگر آبادیاں ہوجائیں تو اچھے خاصے شہر آباد ہوسکتے ہیں۔

بدخشان کے پُل

بدخشاں کے دریاؤں پر حسب ذیل پُل ہیں:-

پُل کے نام	تفصیل
پُل خشتی	فیض آباد کے علاقہ میں
" رباطک	بہارک کے راستہ میں
" تنگ	پایان شہر میں
" علی مغل	جرم اور بہارک کی آمد ورفت کیلئے ہے
" سوعچ	جرم اور یمگن کی آمد ورفت کیلئے ہے
پُل تنگی کران	کانِ لاجورد کے قریب ہے۔
" اسکازرگران	منجان اور اکار کے درمیان
" یردار	دریائے وردوج پر ہے۔
" سرشہر	دریائے زردیو پر ہے۔
" گاؤخانہ زیباک	چترار اور سینگلچ کے درمیان ہے۔
" اسکول	" " "
" دریائے دراہم	ان پُلوں پر خان آباد سے فیض آباد اور کشم سے خان آباد آتے جاتے ہیں۔
" " تشگان	
" " مشہد	
" ظفر	دریائے کوکچہ پر ہے۔
" بیگم	کشم کے راستہ میں پڑتا ہے۔
" شیمہ	
" پال خر	

مزارات بدخشاں

فیض آباد شہر میں خرقہ شریف کی ایک زیارت گاہ ہے۔ کہتے ہیں احمد شاہ غازی اس کو قندھار سے لایا تھا اور یہاں اس نے ایک زیارت گاہ بنوائی ہے۔ یہ فیض آباد کا متبرک مقام ہے۔ یہاں لوگ آتے ہیں اور خرقہ شریف کی زیارت کرتے اور اس کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ اور جوق در جوق آکر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔

(۲) زیارت میر غیاث الدین ولیؒ۔

(۳) حضرت خواجہؒ کی ایک درگاہ ہے جو بیرونِ شہر واقع ہے اور وہاں ایک چشمہ اور چنار کے درخت بھی ہیں۔

(۴) درۂ زردیو میں حضرت شیخ حمید الدینؒ کا مزار ہے جو بہت بڑے عالم اور مجتہد اور تبع تابعین میں سے ہوئے ہیں اور جو ۱۲۸ھ میں بدخشاں تشریف لائے تھے اور جہاں مزار واقع ہے وہیں سکونت رکھتے تھے۔

(۵) زیباک میں حضرت دیوانہ شاہؓ کا مزار ہے، جو سادات میں سے تھے اور بڑے بزرگ گزرے ہیں۔

(۶) جرم میں حضرت شاہ ناصرؓ کا مزار ہے جن کے نام پر اس موضع کا نام ہی شاہ ناصر پڑ گیا ہے۔

(۷) رستاق کے علاقہ میں ایک زیارت "سرِ غار" مشہور ہے جو بہت ہی پُر پیچ اور خطرناک غاروں اور پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اور آثارِ قدیمہ میں سے ہے۔ اِس زیارت تک پہنچنا بہت ہی دشوار معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں نے کیلیں اور تختے لگا کر راستہ بنایا تھا۔ مگر اب وہ راستہ قائم نہیں رہا۔

(۸) تورغہ تیپہ میں حضرت بہاء الدینؒ ولی کی زیارت گاہ ہے۔

تاریخ بدخشان

بدخشاں زمانۂ قدیم میں بخارا کی سلطنت میں شامل تھا۔ اور یہاں کا حاکم "میر بدخشاں" کہلاتا تھا۔ لیکن کچھ مُدت گزرنے کے بعد اُن کے آپس کے اختلافات نے بدخشاں کی سیاست کو تاریک کر دیا تھا اور وہ خانہ جنگیوں کا مرکز بن گیا تھا۔

۱۰۶۸ھ میں قطغن کے اوزبک لوگوں نے بدخشان کو پریشان کر دیا تھا اور وہ انتہائی ظلم و ستم کے ساتھ پیش آتے تھے اور بدخشان کی حکومت کا یہ حال تھا کہ کوئی حاکم نہ تھا اور شاہی خاندان میں بادشاہی کرنے والا کوئی نہ تھا اور ملک میں ہر طرف فساد اور طوائف الملوکی کا دور تھا۔ اِن حالات کو دیکھ کر بدخشان کے سرداروں نے بالاتفاق یار بیگ کو جو سمرقند کے سادات اور خاندانی لوگوں میں تھا میر اور حاکم بدخشان بنا لیا۔ اور سب لوگوں نے اس کی سیادت منظور کر لی۔ میر یار بیگ خاں نے اطمینان سے ابھی دو سال ہی حکمرانی کی تھی کہ نقیل کے باشندوں نے شاہ عماد نامی ایک شخص کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اور اس کے لئے نقیل میں ایک جنگی قلعہ بھی تیار کر دیا گیا میر یار بیگ چونکہ بہت امن پسند آدمی تھا اس لئے وہ اس فتنہ انگیزی سے بہت آزردہ خاطر ہوا اور حکمرانی چھوڑ کر ہندوستان چلا آیا۔

میر یار بیگ ہندوستان میں آیا ہی تھا کہ محمود بے نے قطغن سے آکر بدخشان پر قبضہ کر لیا۔ بدخشان کے لوگ میر یار بیگ کے ہندوستان چلے جانے سے بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے دس سمجھدار آدمی ہندوستان میں میر یار بیگ کو واپس لانے کے لئے بھیجے۔ اِن لوگوں نے بڑی منت سماجت کے بعد

میر یار بیگ کو بدخشان آنے پر راضی کیا جب میر یار بیگ بدخشان آیا تو محمود بے اور شاہ عماد بدخشان کی حکومت چھوڑ کر چلے گئے اور از سر نو میر یار بیگ بدخشان کا میر اور حاکم ہو گیا۔ اس نے فیض آباد کے قریب اپنا قلعہ بنوایا۔ اور اطمینان سے حکومت کرنے لگا۔ اسی اثناء میں سمرقند کے چند اشخاص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خرقہ مبارک لئے ہوئے ہندوستان جا رہے تھے اور وہ ابھی چترار تک ہی پہنچے تھے کہ میر یار بیگ خان کو اس کی خبر ہوئی۔ اس نے ان سب کو اپنے پاس بلوایا اور ان کو بہت سی زمین اور روپیہ دیکر راضی کر لیا کہ وہ باہر نہ جائیں اسی ملک میں رہیں، اور اس خرقہ شریف کے لئے اس نے ایک زیارت گاہ تعمیر کرائی جو ایک مضبوط قلعہ کی طرح تھی اور اس زیارت گاہ کا ان لوگوں کو مجاور بنا دیا اور اس کے بعد سے اس مقام کا نام فیض آباد ہو گیا۔

میر یار بیگ خان نے پچاس سال حکومت کی اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بڑا لڑکا سلیمان شاہ اسکی جگہ بیٹھا، اور اس کے سب بھائی اس کے ساتھ تھے۔

محمود بے جو اب تک میر یار بیگ کی طاقت کی وجہ سے خاموش بیٹھا ہوا تھا فوراً بدخشان پر حملہ آور ہوا لیکن شکست کھا کر بھاگ گیا سلیمان شاہ نے سات سال حکومت کی اور بابا فقیر الدین نامی ایک شخص کے ہاتھوں جو نقیلی قوم کا تھا مارا گیا۔ اس کے بعد یوسف علی اس کے چھوٹے بھائی نے حکومت کی باگ سنبھالی اور پانچ سال تک حکومت کی لیکن اس کی حکومت میں خلفشار رہا اور وہ چین سے حکومت نہ کر سکا۔ سنہ ۱۱۳۰ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد سب سے چھوٹا بھائی ضیاء الدین تخت حکومت پر بیٹھا لیکن اسکو بھی سنہ ۱۱۴۹ھ میں قاضی اللہ خان نامی ایک شخص نے قتل کر دیا۔

اس کے قتل کے بعد ملک میں بہت خلفشار رہا اور ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سلیمان بیگ نے بدخشان پر قبضہ کر لیا۔ اور کچھ عرصہ تک اس کی اولاد میں بدخشان کی میری کا سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ میر یار بیگ خان کی اولاد نے پھر بدخشان پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد میر سلطان شاہ نے، اسکے بعد میر برہان الدین خان نے بدخشان کی میری کی ان کے بعد میرزا کلان نے، پھر احمد شاہ خان، پھر میرزائے کلان ثالث نے، پھر شاہ زمان الدین خان نے بدخشان کی میری کی۔ شاہ زمان الدین خان کے تین لڑکے تھے۔ میر شاہ۔ میر یوسف علی خان اور میر نصر اللہ خان لیکن ان میں سے کوئی بھی باپ کی گدی پر نہ بیٹھ سکا کیونکہ قطغن کے میر مراد بیگ نے جس کو امیر بخارا نے اتالیق کا لقب دیا تھا بدخشان پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ اتالیق نے میر بدخشان ہوتے ہی ان تینوں شاہزادوں کو قید کر دیا جو مدت تک قید میں پڑے رہے۔ لیکن جو شخص قید میں ان کی نگرانی پر مقرر تھا وہ چرس پینے کا عادی تھا اور میر نصر اللہ خان بھی چرس پیتے تھے۔ اس لئے میر نصر اللہ چرس بازی کی دوستی سے فائدہ اٹھا کر اپنے بھائیوں سمیت قید سے فرار ہو گئے۔ میر مراد بیگ کو

جب ان شاہزادوں کی فراری کی خبر ملی تو وہ بہت گھبرایا اور اس نے فوراً ان کی گرفتاری کے لئے فوج روانہ کی جو تالقان تک آئی لیکن مفرورین تالقان سے رستاق پہنچ چکے تھے۔ اور رستاق کے باشندوں کی پناہ میں آ گئے۔ تھے۔ شاہی سوار رستاق پہنچے لیکن وہاں کے باشندوں نے میرزادوں کو حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ میر مراد بیگ نے اپنے لڑکے کی ماتحتی میں ایک زبردست فوج رستاق بھیجی لیکن اس پر بھی اہل رستاق نے میرزادوں کو حوالہ نہ کیا۔ نتیجہ ایک جنگ کی صورت میں نکلا جس میں مراد بیگ کے لڑکے کو صلح کا دامن پھیلا کر جان بچانی پڑی۔ اس کے بعد میر شاہ نے یوسف علی خان کو رستاق کا اور نصر اللہ خان کو کشم کا حاکم مقرر کیا اور خود بدخشان چلا آیا اور اپنے باپ کی کھوئی ہوئی گدی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے فیض آباد میں اقامت کی اور اسی کو اپنی حکومت کا صدر مقام بنایا۔

اس کے تین بیٹے تھے۔ میر جہاندار شاہ۔ میر شجاعت علی اور میر شاہزادہ حسن۔ یہ تینوں جوان ہو گئے تھے اور چاروں طرف لشکر کشی اور ملک گیری میں مصروف تھے۔ کہتے ہیں کہ بدخشان کی حکومت میر شاہ کے عہد میں خان آباد۔ درسج۔ کلفگان، تالقان اور دوسری جانب شغنان، واخان، چترار، سرقول اور پامیر تک پہنچ گئی تھی۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی علاقے بدخشان کے ماتحت اور باج گزار ہو گئے تھے۔ میر شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا جہاندار شاہ بدخشان کا میر ہوا۔ میر شاہ نے اپنی زندگی میں ہی جہاندار شاہ کو شغنان کا حاکم بنا دیا تھا۔ اگرچہ یہ بہادر تھا لیکن اس کے دماغ میں کچھ جنون بھی تھا۔ اس لئے کہ اس نے اپنے چچا میر یوسف علی کو معمولی شبہ پر قتل کر ڈالا تھا۔ یہ ابھی دو سال بھی حکومت نہ کرنے پایا تھا کہ امیر شیر علی خان والیِ افغانستان نے محمد علم خان کو بدخشان کی تسخیر کیلئے روانہ فرمایا۔ میر جہاندار شاہ محمد علم خان کی طاقت سے واقف تھا اس لئے وہ مقابلہ پر نہ آیا اور ملک محمد علم خان کے سپرد کر کے سمرقند چلا گیا۔ اور اعلیٰ حضرت ضیاء الملۃ والدین کی خدمت میں رہنے لگا اور اپنی لڑکی بھی ضیاء الملۃ کی خدمت میں پیش کی اور نکاح کر دیا لیکن اسی دوران میں وہ اپنے لڑکے شیر دل خان کے ہاتھوں مارا گیا۔ محمد علم خان نے بدخشان کی تسخیر کے بعد تمام شاہزادوں اور معزول شدہ میرزادوں کو نظر بند کر کے مزار شریف بھیج دیا۔ اور شہزادہ حسن کو بدخشان کا میر بنا دیا۔ شاہزادہ حسن۔ امیر شیر علی خان کے عہد سلطنت میں بدخشان پر حکومت کرتا رہا۔ لیکن جب انگریزوں نے کابل پر قبضہ کر لیا تو بدخشان میں بھی شورش مچ گئی اور وہاں ایک انقلاب کے بعد میر سلطان شاہ برسرِ اقتدار آیا لیکن امیر محمد یعقوب خان نے قطغن اور بدخشان میں امن قائم کرنے کے لئے جرنیل گل احمد خان کو بھیجا۔ جن کو بالاتفاق بدخشان کے لوگوں نے میر تسلیم کر لیا اور کوئی جنگ وغیرہ نہیں ہوئی۔ مگر جب انگریزوں نے دوبارہ

نقشہ فیض آباد
مقیاس
یک انچ مساوی ۴ میل
کہ معادل ½ کروہ کابل
راہ خاموش
باغ مبارک
شورانک
خانقاہ
دریائے جرم
کوتل ارگو
شیوب درہ
چھاؤنی
نظامی
راہ شیوہ و شغنان
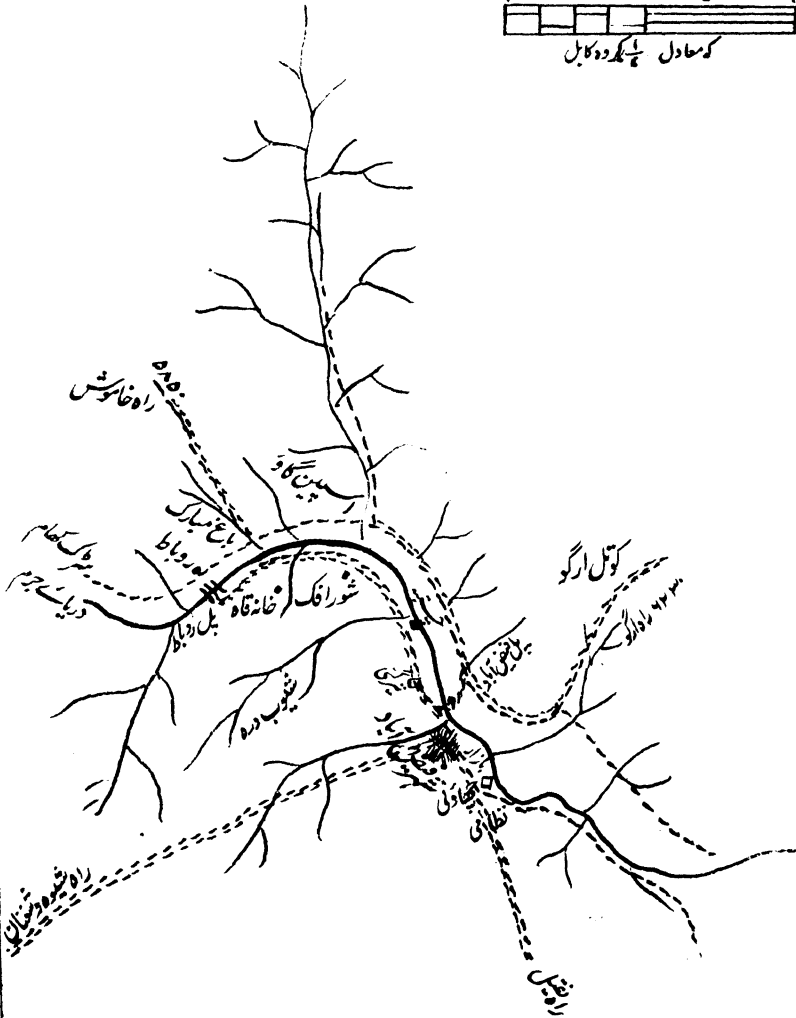
کابل پر قبضہ کیا اور امیر محمد یعقوب خان کو ہندوستان لے گئے تو اس علاقہ میں پھر گڑبڑ پیدا ہوئی اور بدخشان کی امیری کے بہت سے دعویدار بن گئے لیکن سب سے زیادہ طاقت میر محمد عمر خان نے حاصل کی۔

اس نے سب حریفوں کو دبا دیا اور اتنی قوت پکڑی کہ لوگ اس کو میرِ بدخشان تسلیم کرنے لگے۔ یہاں تک کہ میر سلطان مراد خان اس کے سب سے بڑے حریف نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی اور جب یہ بدخشان پہنچا تو شہزادہ حسن ڈر کر چترار بھاگ گیا۔ حاکم کشم میر بابا خان محض اس کی سلامی اور اظہار اطاعت کے لئے بدخشان آیا۔ میر محمد عمر خان میر بابا خان سے بہت خوش ہوا اور اس نے بدخشان کی میری اس کے سپرد کر دی لیکن حضرت ضیاء الملت نے اسکو گرفتار کر لیا اور میر محمد عمر خان کو بدخشان کی میری سپرد فرمائی، اور جہاندار کے بیٹے جہانگیر کو کشم کا حاکم مقرر کیا۔

آخر حضرت ضیاء الملت والدین (امیر عبدالرحمن خان) کی حکومت کے زمانے میں بدخشان کا صوبہ باضابطہ سلطنت کابل کا ایک حصہ ہو گیا اور میروں کی حکومت ختم ہو گئی۔

حضرت ضیاء الملت والدین کے زمانے سے قطغن و بدخشان میں ایک حاکم کلاں (گورنر) ہوتا ہے جس کے ماتحت یہ پورا صوبہ ہے۔ اور رعایا کے آرام و آسائش کا بندوبست کرتا ہے حاکم کلاں اور تمام حاکموں کو کابل کے مرکزی خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ جب سے بدخشان سلطنت افغانستان کا ایک صوبہ ہوا ہے ہر طرف اطمینان اور آسائش اور خوشحالی اور بے فکری کا منظر نظر آتا ہے۔ لوگ روز روز کے جھگڑوں سے نجات پا چکے ہیں اور ایک اسلامی مرکز کے سایہ میں ہنسی خوشی سے دن گزار رہے ہیں

فیض آباد | بدخشان کے علاقہ کا مرکزی مقام ہے اس کے ماتحت (۱) جرم (۲) رستاق (۳) زیباک (۴) شغنان (۵) واخان (۶) راغ (۷) شہر بزرگ (۸) تنگیل (۹) اشکم (۱۰) اور درہ ابراہیم واقع ہیں۔

سطح سمندر سے ۴۵۰۰ فیٹ بلند ہے۔ موسم گرما میں درجہ حرارت ۱۰۰ ہوتا ہے۔ یہ شہر بدخشان کا سب سے بڑا شہر ہے یہاں حاکمِ کلاں رہتا ہے۔

شہر اور قرب و جوار میں مختلف اقوام کے لوگ رہتے ہیں خاص بدخشانی لوگوں کے مکانات فیض آباد میں ۴۰۰ ہیں اور دوسری قوموں کے مکانات ۶۰۰ کے قریب ہیں۔

بدخشانی لوگ فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں لیکن ترک اور افغان لوگ ترکی اور پشتو بولتے ہیں۔

فیض آباد کی وجہ تسمیہ بتلائی جا چکی ہے کہ خرقہ شریف کے فیض کی وجہ سے فیض آباد نام ہے ورنہ اس کا قدیمی نام جوزون تھا فیض آباد دارگو سے ۶ کروہ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور نشیب میں ہے۔ چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ زمین کاشت کے قابل ہے لیکن کمی ہے میوہ کے درخت بھی ہیں۔ گرمیوں میں بہت گرم ہوتا ہے لیکن چونکہ

دریائے کوکچہ لب شہر ہے اس لئے گرمی میں ایک بہار رہتی ہے جس سے طبیعت میں ایک سرور پیدا ہوتا ہے۔

راستے، تجارت، خوراک، پوشاک

مغربی اور جنوبی طرف ایک سڑک ارگو گئی ہے۔ اور مشرقی جانب کئی سڑکیں ہیں جو جہتہ، بہارک، خاش اور شور آبک وغیرہ جاتی ہیں اور شمالی جانب ایک سڑک ہے جو راغ تک گئی ہے۔

فیض آباد میں اہل حرفہ بھی ہیں اور تجارت پیشہ بھی ہیں فیض آباد کے لوگ پشاور چترار۔ یارقند اور کاشغر کے درمیان تجارت کرتے ہیں فیض آباد بہت بڑا تجارتی شہر ہے۔ یہاں تقریباً ۲۰۰ دکانیں ہیں۔ خوبصورت بازار ہیں۔ ۳ جامع مسجدیں ہیں۔ ۳ سرائیں ہیں۔ ایک رباط سرکاری ہے اور پانچ مدرسے ہیں۔ اور ایک بہت پُرفضا سرکاری باغ ہے۔

گزشتہ دنوں میں روس سے تجارتی مال بہت آتا تھا۔ اور بدخشاں کے لوگ بھی روس میں تجارت کرنے جاتے تھے۔ اور اس تجارت کا مرکز فیض آباد تھا لیکن دس سال سے یہ تجارتی سلسلہ بند ہوگیا ہے۔

فیض آباد شہر میں کوئی حصہ زمین زراعت کے قابل نہیں ہے۔ اور نہ شہری لوگ زراعت کرتے ہیں۔ جو کچھ زمین شہر میں ہے اس پر باغ ہیں اور میووں کے درخت ہیں اور اس پر ترکاریوں کی کاشت بھی کی جاتی ہے مگر غلہ اور خوردونوش کا سامان سب مضافات اور اطراف سے آتا ہے۔

خوراک اور پوشاک کے معاملہ میں بھی فیض آبادی تمام بدخشاں میں مشہور ہیں۔ باشندے بہت خوش لباس اور خوش غذا ہیں۔ فیض آباد کے اصل باشندے اسلحہ رکھنے کے شوقین نہیں ہیں لیکن باجوری اور افغانی قبائل جو فیض آباد میں مقیم ہوگئے ہیں وہ مختلف قسم کی انگریزی، روسی اور افغانی بندوقیں رکھتے ہیں، اور لکڑی کے اسلحہ بھی رکھتے ہیں جو "براق" کے نام سے مشہور ہیں۔

ارگو

۳۰۹۵ فیٹ اونچا ہے۔ درآیم سے ۷ کوس دور ہے۔ فیض آباد کی نسبت بہت بلند ہے۔ آب و ہوا بہت اچھی ہے سرد مقام ہے اور بہت زرخیز خطہ ہے۔

ترک، مغل، تاجک اور اطرچی قبائل کے لوگ آباد ہیں دریائے کوکچہ کے کنارے اس کے کئی دیہات ہیں جو ۳ کوس کے اندر آباد ہیں۔ ارگو میں ایک بڑا درہ بھی ہے جہاں سرکاری عمارتیں ہیں۔ درہ فیض آباد سے ۷ کوس دور ہے اور خود ارگو فیض آباد سے ۱۰ کوس دور ہے۔

زمین میں غلہ خوب پیدا ہوتا ہے لیکن زمین سب پلی ہے میووں کے باغات کثرت سے ہیں۔

زبان ترکی ہے۔ لوگ خوبصورت اور گندمی رنگ کے ہوتے ہیں بھیڑ، بکریاں، گائے، پالتے ہیں اور اونٹ بھی پالتے ہیں لیکن کم۔ موسم خریف میں ان جانوروں کو تجارت کی غرض سے کابل لاتے ہیں اور یہاں سے گرم کپڑے، چاء، چینی کے برتن خرید کر فیض آباد میں فروخت کے لئے لیجاتے ہیں۔

نقشہ ارگو
مقیاس
یک انچ مساوی ۴ میل
کہ معادل ۲½ کروہ کابل
راہ درائم
کوتل درائم
دریائے کوکچہ
دریائے کوکچہ کہ از فیض آباد میآید
ادرہی
آب باریک
پتوال
شماری
ارگو
برلاس کلاں
برلاس
کندہ چشمہ
تخت شاہ
دہ تاتخانہ
خاکسارے
بیدک
کمالستان
بوران قول
خورک
خوشدہ
کاکان
دردغندہ
دغت
بوتوزہ
حافظ مغل
باغ شاہ
تباشش
گری
قرقوضی
الفجر
ترد مغل
سبزآبہ
زرمگاد
تیمچی
شنقارچی

نقشہ لفتل
مقیاس
یک انچ مساوی ۴ میل
کہ معادل ۲½ گروہ کابل
لنگر
خرگوش
سیرماب
دہ بالا
درہ زاران
ہمندرہ
تورگان
قرجیہ
سفیدسنگ آب
راہ فیض آباد
لایادہ
حصار
نیلی گل
دامن
الکوری

زراعت گیہوں۔ جو۔ تربوز۔ خربوزہ۔ چنے وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ اور قابلِ کاشت زمین عام طور پر پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ ہوا سرد ہے اور اکثر برف پڑتی رہتی ہے جو زراعت کے لئے مفید ثابت ہوتی ہے۔

صنعت عورتیں کپڑا بُنتی ہیں اور نواڑ بھی بناتی ہیں اور مرد معماری اور بڑھئی کا کام کرتے ہیں کھیتوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک رہتی ہیں۔ اور پردہ نہیں کرتیں۔

اسلحہ، خوراک، پوشاک خوش حال لوگ اپنی حفاظت کے لئے معمولی قسم کی بندوقیں رکھتے ہیں لیکن غریب لوگوں کو اس کا زیادہ شوق نہیں ہے۔

پیسہ والے لوگ کھانے پینے میں تکلف برتتے ہیں بکری کا گوشت، گیہوں کی روٹی اور دودھ وغیرہ کھاتے ہیں لیکن غریب لوگ جو یا گیہوں کی روٹی دودھ کے ساتھ کھاتے ہیں یا سادی اور نمکین چاء کے ساتھ کھاتے ہیں۔

فیض آباد کی قربت کی وجہ سے یہاں کے مردوں اور یہاں کی عورتوں کو اچھا اور قیمتی لباس پسند ہے۔

سڑکیں یہاں سے دائیں فیض آباد۔ شرقی کوتل اور رستاق کو کئی سڑکیں گئی ہیں۔

یفتل درہ یفتل فیض آباد سے تین یا چار کوس کی مسافت پر واقع ہے۔ تین سو مکانات ہیں جس میں اندازاً دو ہزار آدمی رہتے ہیں۔

تاجک قبیلہ کے لوگ ہیں اور خود کو افغانی نسل سے کہتے ہیں خوبصورت اور گورے ہوتے ہیں۔ فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں اور بدخشانی قوم میں سب سے زیادہ بہادر ہیں یفتل کے دیہاتوں میں ترک بھی آباد ہیں جو زمیندار پیشہ ہیں۔

زراعت یفتل میں آبی زمین بہت کم ہے اور ساری زمین للمی ہے یفتل میں ضروریات سے بہت زیادہ کاشت کی جاتی ہے اور زراعت کے قابل زمین بھی بہت کافی ہے۔ یہاں کا مال فیض آباد کی منڈیوں میں فروخت ہونے کے لئے جاتا ہے میوے کم ہوتے ہیں۔ اور درخت بھی کم ہیں۔

صنعت، خوراک، پوشاک، اسلحہ یہاں کے باشندے بھیڑیں بہت زیادہ پالتے ہیں اور ان کی اُون سے نمدے بناتے ہیں اور پلاس کپڑا تیار کرتے ہیں۔ مگر اکثر لوگ کاشتکاری ہی کرتے ہیں۔ یفتل شہر کے لوگ تجارت سے کچھ کچھ دلچسپی رکھتے ہیں اور وہ مروجہ تجارتوں کو اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ یہ جوری لوگ پشاور اور یارقند سے مختلف قسم کے کپڑے، قالین، اور چینی کے برتن لاتے ہیں اور ان کی تجارت کرتے ہیں۔

گیہوں اور جو کی روٹی اور اس کا دلیہ کھاتے ہیں اور چاء لازمی طور سے پیتے ہیں گوشت کم کھاتے ہیں لیکن مہمان کے لئے مرغ یا بکرا ذبح کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی چونکہ فیض آباد سے قریب ہیں اس لئے لباس شائستہ پہنتے ہیں اور فیض آباد کے فیشن کی پیروی کرتے ہیں۔

یفتل میں علمائے کرام موجود ہیں اور یہ لوگ مذہبی معاملات

میں بہت حصہ لیتے ہیں۔

یفتل کے لوگ اسلحہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ہاں جو لوگ شکار کے شوقین ہیں ان کے پاس "شکاری بندوقیں" ہیں اور وہ بھی زیادہ نہیں ہیں یفتل کی فوجداری اور دیوانی عدالتیں فیض آباد میں ہیں اور ان کو اپنے مقدمات کی پیروی کے لئے فیض آباد جانا پڑتا ہے۔

کشم۔ درائیم اور تشگان یہ مقامات درجہ دوم کے حاکم کی نگرانی میں ہیں۔ کشم کنفگان سے مشرقی جانب ۱۱ کوس دور ہے اور اس کی بلندی ۴۲۸۰ فیٹ ہے۔ ہوا بہت اچھی ہے اور میوے بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور بہت لذیذ ہوتے ہیں۔ یہاں کا توت اور زردآلو افغانستان میں سب سے بہتر مانا گیا ہے۔ کشم میں تاجک قبائل کی آبادی ہے۔ جو، گیہوں وغیرہ عام پیداوار ہے۔ یہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر ایک مقام مشہد ہے جس کی زمین زراعت کے لئے بہترین ہے۔ اور یہاں سابقہ زمانے میں کاشت کا اعلیٰ انتظام تھا لیکن اب یہ مقام لوگوں کی بے توجہی کی وجہ سے ویران ہوگیا ہے۔ اور جہاں کل باغات اور عمدہ عمدہ کھیت تھے آج وہاں لق و دق جنگل کھڑے ہیں۔ حالانکہ وہاں اب تک ایک سرکاری سرائے موجود ہے، اور تھوڑی سی آبادی بھی ہے۔

تشگان ایک پہاڑی درہ پر واقع ہے جس کے درمیان سے ہوکر دریا بہتا ہے۔ اور دریا کے دونوں جانب آبادی ہے اور خوبصورت میووں سے لدے ہوئے درختوں کی قطاریں ہیں ہوا بہت اچھی ہے لیکن کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔ تشگان کی ہی حد میں درائیم واقع ہے جس کے ماتحت بہت سے گاؤں ہیں ان میں چند یہ ہیں۔ دہ ملایان چشمہ قلندر۔ دہ بازار۔ کولابی اور خاک پہلوان۔ خاک پہلوان پرانی بستی ہے۔ یہاں علاقہ کا حاکم رہا کرتا تھا اور اس کے لئے سابقہ حکومتوں نے ایک قلعہ بھی بنوا دیا تھا جو اب اجاڑ پڑا ہوا ہے اور جس میں اب درائیم کے گھوڑوں کا اصطبل ہے۔ یہاں کی آب و ہوا کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے لیکن کھیتی باڑی کے لئے زمین بہت مناسب ہے

تاجک، بلوچ، ہزارہ، ترک لوگ آباد ہیں، اور فارسی اور ترکی زبان بولی جاتی ہے۔ رنگ سب کا گندمی ہے۔ مذہب اہل سنت والجماعت ہے۔ ان کے مکانات دور دور فاصلہ پر ہیں تشگان اور درائیم کی مشترکہ آبادی ۱۵۰۰۰ ہزار ہے۔

زراعت صنعت، میوے خوراک، پوشاک، وغیرہ للمی زمینوں پر جو اور گیہوں کی اور آبی زمینوں پر جوار، دال، چنا، ماش، شلغم اور دوسری ترکاریوں کی کاشت کی جاتی ہے اور درائیم کے پہاڑوں میں پیاز وغیرہ بھی پیدا ہوتی ہے۔ تشگان میں زراعت کے قابل زمین کم ہے کیونکہ یہ بالکل پہاڑی علاقہ ہے۔ البتہ درائیم میں زراعت بہت ہوتی ہے، اور وہاں سے فیض آباد کی منڈی میں بھی غلہ جاتا ہے۔

تشگان اور درائیم کے لوگ لوہاری کا کام بہت اچھا جانتے

ہیں۔ چاقو، قینچی، تلوار، خنجر اور جنگی آلات بہت مضبوط، خوبصورت اور تیز بناتے ہیں۔ ازبک اور ہزارہ قبائل کے لوگ کرباس، پلاس، چکمن وغیرہ کے کپڑے بُنتے ہیں۔

توت، زرد آلو، آلوچہ، آلو بخارا، آلو بالو، سیب، ناک، بہی، انار، انگور، گیلاس، خربوزہ اور تربوز دراَیم میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں جو فیض آباد کی منڈی میں فروخت ہوتے ہیں۔ اور ہندوستان بھی جاتے ہیں۔

گیہوں کی روٹی۔ جو کی روٹی۔ دودھ۔ مکھن عام خوراک ہے لیکن مالدار لوگ کبھی کبھی گوشت اور ترکاری بھی کھاتے ہیں اور غریب لوگ نمکین چائے کے ساتھ سوکھی روٹی شوق سے کھاتے ہیں۔

تاجک قبیلہ کے مرد و عورت سب کرباس اور چکمن کے کپڑوں کا لباس پسند کرتے ہیں لیکن ہزارہ اور ازبک لوگ سادہ چکمن کا لباس بناتے ہیں اور ان کی عورتیں سادہ کپڑے بھی پہنتی ہیں اور طرح طرح کے رنگین اور بوٹے دار اور چمک دار کپڑے بھی استعمال کرتی ہیں۔

دراَیم کے بڑے لوگوں اور مالداروں کی عورتوں میں ملکا پردہ ہے لیکن عام طبقہ میں پردہ بالکل نہیں ہے۔ اور وہ سب اپنے مردوں کے کاموں میں مدد دیتی ہیں اور کھیتوں میں ساتھ ساتھ کام کرتی ہیں۔ ہزارہ اور ازبک قبیلہ کے بعض لوگ زمیندار بھی ہیں۔

اِس علاقہ میں مختلف اقسام کی ۲۰۰ بندوقیں لوگوں کے پاس ہیں حفاظت اور شکار کے لئے عام طور سے بندوقیں رکھتے ہیں ہتھیاروں کے کچھ زیادہ شوقین نہیں ہیں۔ اور یہاں کے لوگ جو چاقو، تلوار اور خنجر وغیرہ بناتے ہیں وہ فیض آباد میں جا کر بیچ ڈالتے ہیں یا اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بطور تحفہ دیتے ہیں اور خود بھی عام ضرورتوں میں اسی کو استعمال کرتے ہیں۔

سڑکیں دراَیم میں تالقان اور خان آباد سے ایک سڑک آتی ہے جو بدخشان اور فیض آباد جاتی ہے۔ اور ایک سڑک ہے جو رستاق کی طرف گئی ہے۔ اور دراَیم کے قریب ایک درہ جیم ہے جہاں سے ایک راستہ فرخار اور درسج کو گیا ہے لیکن جاڑوں کے موسم میں کثرتِ برف باری سے یہ راستہ آمد و رفت کے قابل نہیں رہتا۔ اور یہاں سے کئی راستے جرم اور مختلف دروں کی طرف گئے ہیں۔ ان میں اکثر راستے محفوظ اور آرام دہ ہیں اس لئے دولتمند لوگ ہمیشہ انہی راستوں سے سفر کرتے ہیں۔

راغ یہ درجۂ دوم کی علاقہ داری ہے۔ تاجک لوگ آباد ہیں۔ عام مذہب اہلِ سُنت ہے۔ لوگ خوبصورت اور گورے ہیں زبان فارسی ہے۔ علماءِ کرام بھی یہاں ہیں جو زمیندار اور خوشحال ہیں۔

راغ بہت زرخیز ہے۔ یہاں غلہ بہت پیدا ہوتا ہے۔ زمین ٹیلی ہے۔ آبادی بے ڈھنگی ہے۔ محلے اور مکانات منتشر ہیں اور پوری بستی ۱۲ یا ۱۳ کوس میں پھیلی ہوئی ہے۔

راغ کے ماتحت ۵ کے قریب چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں جن کی مجموعی آبادی بشمول راغ ۱۵۰۰۰ ہے۔

میں بہت حصہ لیتے ہیں۔

یفتل کے لوگ اسلحہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ہاں جو لوگ شکار کے شوقین ہیں ان کے پاس "شکاری بندوقیں" ہیں اور وہ بھی زیادہ نہیں ہیں یفتل کی فوجداری اور دیوانی عدالتیں فیض آباد میں ہیں اور ان کو اپنے مقدمات کی پیروی کے لئے فیض آباد جانا پڑتا ہے۔

کشم۔ درائیم اور تشکان یہ مقامات درجۂ دوم کے حاکم کی نگرانی میں ہیں۔ کشم کنفگان سے مشرقی جانب ۱۱ کوس دور ہے اور اس کی بلندی ۴۲۸۰ فیٹ ہے۔ ہوا بہت اچھی ہے اور میوے بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور بہت لذیذ ہوتے ہیں۔ یہاں کا توت اور زرد آلو افغانستان میں سب سے بہتر مانا گیا ہے۔ کشم میں تاجک قبائل کی آبادی ہے۔ جو، گیہوں وغیرہ عام پیداوار ہے۔ یہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر ایک مقام مشہد ہے جس کی زمین زراعت کے لئے بہترین ہے۔ اور یہاں سابقہ زمانے میں کاشت کا اعلیٰ انتظام تھا لیکن اب یہ مقام لوگوں کی بے توجہی کی وجہ سے ویران ہوگیا ہے۔ اور جہاں کل باغات اور عمدہ عمدہ کھیت تھے آج وہاں لق و دق جنگل کھڑے ہیں۔ حالانکہ وہاں اب تک ایک سرکاری سرائے موجود ہے، اور تھوڑی سی آبادی بھی ہے۔

تشکان ایک پہاڑی درہ پر واقع ہے جس کے درمیان سے ہوکر دریا بہتا ہے۔ اور دریا کے دونوں جانب آبادی ہے اور خوبصورت میووں سے لدے ہوئے درختوں کی قطاریں ہیں ہوا بہت اچھی ہے لیکن کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔ تشکان کی ہی حدود میں درائیم واقع ہے جس کے ماتحت بہت سے گاؤں ہیں ان میں چند یہ ہیں۔ دہ ملایان چشمۂ قلندر۔ دہ بازار۔ کولابی اور خاک پہلوان۔ خاک پہلوان پرانی بستی ہے۔ یہاں علاقہ کا حاکم رہا کرتا تھا اور اس کے لئے سابقہ حکومتوں نے ایک قلعہ بھی بنوا دیا تھا جو اب اجاڑ پڑا ہوا ہے اور جس میں اب درائیم کے گھوڑوں کا اصطبل ہے۔ یہاں کی آب و ہوا کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے لیکن کھیتی باڑی کے لئے زمین بہت مناسب ہے

تاجک، بلوچ، ہزارہ، ترک لوگ آباد ہیں، اور فارسی اور ترکی زبان بولی جاتی ہے۔ رنگ سب کا گندمی ہے۔ مذہب اہل سنت والجماعت ہے۔ ان کے مکانات دور دور فاصلہ پر ہیں تشکان اور درائیم کی مشترکہ آبادی ۱۵۰۰۰ ہزار ہے۔

زراعت صنعت، میوے خوراک، پوشاک، وغیرہ للمی زمینوں پر جو اور گیہوں کی اور آبی زمینوں پر جوار، روئی، چنا، ماش، شلغم اور دوسری ترکاریوں کی کاشت کی جاتی ہے اور درائیم کے پہاڑوں میں پیاز وغیرہ بھی پیدا ہوتی ہے۔ تشکان میں زراعت کے قابل زمین کم ہے کیونکہ یہ بالکل پہاڑی علاقہ ہے۔ البتہ درائیم میں زراعت بہت ہوتی ہے، اور وہاں سے فیض آباد کی منڈی میں بھی غلہ جاتا ہے۔

تشکان اور درائیم کے لوگ لوہاری کا کام بہت اچھا جانتے

ہیں۔ چاقو۔ قینچی۔ تلوار۔ خنجر اور جنگی آلات بہت مضبوط۔ خوبصورت اور تیز بناتے ہیں۔ ازبک اور ہزارہ قبائل کے لوگ کرباس، پلاس، چکمن وغیرہ کے کپڑے بُنتے ہیں۔

توت، زرد آلو، آلوچہ، آلو بخارا، آلو بالو، سیب، ناک بہی، انار، انگور، گیلاس، خربوزہ اور تربوز درائیم میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں جو فیض آباد کی منڈی میں فروخت ہوتے ہیں۔ اور ہندوستان بھی جاتے ہیں۔

گیہوں کی روٹی۔ جو کی روٹی۔ دودھ۔ مکھن عام خوراک ہے لیکن مالدار لوگ کبھی کبھی گوشت اور ترکاری بھی کھاتے ہیں اور غریب لوگ نمکین چائے کے ساتھ سوکھی روٹی شوق سے کھاتے ہیں۔

تاجک قبیلہ کے مرد و عورت سب کرباس او صحن کے کپڑوں کا لباس پسند کرتے ہیں لیکن ہزارہ اور اوزبک لوگ سادہ چکمن کا لباس بناتے ہیں اور ان کی عورتیں سادہ کپڑے بھی پہنتی ہیں اور طرح طرح کے رنگین اور بوٹے دار اور چمک دار کپڑے بھی استعمال کرتی ہیں۔

درائیم کے بڑے لوگوں اور مالداروں کی عورتوں میں ملکا پردہ ہے لیکن عام طبقہ میں پردہ بالکل نہیں ہے۔ اور وہ سب اپنے مردوں کے کاموں میں مدد دیتی ہیں اور کھیتوں میں ساتھ ساتھ کام کرتی ہیں۔ ہزارہ اور اوزبک قبیلہ کے بعض لوگ زمیندار بھی ہیں۔

اِس علاقہ میں مختلف اقسام کی ۲۰۰ بندوقیں لوگوں کے پاس ہیں حفاظت اور شکار کے لئے عام طور سے بندوقیں رکھتے ہیں ہتھیاروں کے کچھ زیادہ شوقین نہیں ہیں۔ اور یہاں کے لوگ جو چاقو، تلوار اور خنجر وغیرہ بناتے ہیں وہ فیض آباد میں جا کر بیچ ڈالتے ہیں یا اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بطور تحفہ دیتے ہیں اور خود بھی عام ضرورتوں میں اسی کو استعمال کرتے ہیں۔

سڑکیں درائیم میں تالقان اور خان آباد سے ایک سڑک آتی ہے جو بدخشان اور فیض آباد جاتی ہے۔ اور ایک سڑک ہے جو رستاق کی طرف گئی ہے۔ اور درائیم کے قریب ایک درہ جیم ہے جہاں سے ایک راستہ فرخار اور ورسج کو گیا ہے لیکن جاڑوں کے موسم میں کثرت برف باری سے یہ راستہ آمد و رفت کے قابل نہیں رہتا۔ اور یہاں سے کئی راستے جُرم اور مختلف دروں کی طرف گئے ہیں۔ ان میں اکثر راستے محفوظ اور آرام دہ ہیں اسلئے دولتمند لوگ ہمیشہ انہی راستوں سے سفر کرتے ہیں۔

راغ یہ درجۂ دوم کی علاقہ داری ہے۔ تاجک لوگ آباد ہیں۔ عام مذہب اہلِ سُنّت ہے۔ لوگ خوبصورت اور گورے ہیں زبان فارسی ہے۔ علماء کرام بھی یہاں ہیں جو زمیندار اور خوشحال ہیں۔

راغ بہت زرخیز ہے یہاں غلہ بہت پیدا ہوتا ہے۔ زمین للمی ہے۔ آبادی بے ڈھنگی ہے۔ محلے اور مکانات منتشر ہیں اور پوری بستی ۱۲ یا ۱۲ کوس میں پھیلی ہوئی ہے۔

راغ کے ماتحت ۵۰ کے قریب چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں جن کی مجموعی آبادی بشمول راغ ۱۵۰۰۰ ہے۔

زراعت، صنعت، میوے خوراک، پوشاک، اسلحہ وغیرہ

جو، گیہوں، گنجد، ارزن عام پیداوار ہے۔ یہاں کی زمین میں بہت بڑے بڑے شلغم پیدا ہوتے ہیں۔

یہاں کے مالدار لوگ پارچہ بافی کی صنعت سے دلچسپی رکھتے ہیں بعض لوگ ساہوکاری بھی کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ دلالی بھی۔ اور یہاں کے لوگ گھی اور مختلف قسم کے تیلوں کو بھی فیض آباد میں فروخت کرتے ہیں۔ اور سوداگر لوگ فیض آباد سے تیل وغلہ وغیرہ خرید کر دوسری جگہ لیجاتے ہیں اور خوب نفع کماتے ہیں۔

یہاں کے لوگ کمہاری بھی کرتے ہیں اور غریب لوگوں کے گھروں میں عورتیں اور بچے مٹی کے برتن بناتے ہیں اور اس کے عوض اخروٹ وغیرہ میووں کا تبادلہ کرلیتے ہیں کیونکہ راغ میں میوے بہت کم ہوتے ہیں لیکن راغ کے ماتحت کے تین چار دیہاتوں میں توت، زردآلو، شفتالو، خربوزہ اور تربوز بہت پیدا ہوتا ہے۔ ان دو چار دیہاتوں کے علاوہ جہاں جہاں للمی زمین ہے میوے بہت ہی کم ہیں۔ البتہ بید اور عرعر کے درختوں کی قطاریں ہری ہری سامنے نظر آتی ہیں۔

چونکہ یہاں غلہ بہت پیدا ہوتا ہے اور لوگ بھی خوشحال ہیں اس لئے امیر و غریب سب اچھا کھانا کھاتے ہیں گیہوں اور جو کی روٹی۔ دودھ اور مکھن اور کبھی کبھی گوشت اور گھی عام خوراک ہے۔ مالدار لوگ غریبوں سے زیادہ گوشت کھاتے ہیں۔

راغ کے لوگ اپنے مہمانوں کی عزت اور خاطر وتواضع اچھی جان سے زیادہ کرتے ہیں۔

مرد کرباس اور چکن کے کپڑے کا لباس پہنتے ہیں۔ ململ کے صافے اور پشاوری لنگیاں باندھتے ہیں۔ اور عورتیں چیت اور کرباس کے کپڑوں کا لباس بنواتی ہیں اور نہایت احتیاط اور ضابطہ کے ساتھ پورا پردہ کرتی ہیں۔

چونکہ یہاں کے لوگ شکار کے شوقین ہیں اس لئے ان کے پاس فلیتہ قسم کی اندازاً تین سو بندوقیں موجود ہیں۔

جرم

درجہ دوم کی حکومت ہے اور فیض آباد سے جنوب کی طرف ۱۵ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ۵۰۶۰ فیٹ بلندی کشادہ زمین ہے۔ ہوا نہایت خوشگوار اور ٹھنڈی ہے۔ پانی بہت اچھا ہے معمولی بیماریاں اور موسمی امراض بھی ہیں۔ اور کبھی کبھی موسمی تبدیلیوں کا اثر باشندوں پر خراب بھی پڑتا ہے لیکن مجموعی حیثیت سے آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ اور بدخشان کے دوسرے حصوں کی بہ نسبت یہاں کے لوگ زیادہ تندرست ہیں۔ یہاں پر عام آبادی بدخشانیوں اور تاجک لوگوں کی ہے زراعت اچھی ہے۔ اور دریائے کوکچہ کے کنارے کا میدان سرسبز اور شاداب ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ دریائے کوکچہ سے زراعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہاں تک اسکے کنارے کنارے جو سرسبز کھیت ہیں وہ بھی کوکچہ سے سیراب نہیں ہوتے بلکہ چونکہ وہ نشیب میں واقع ہیں اس لئے انکو پہاڑی درے سے آنے والا پانی سیراب کرتا ہے۔ وہ پانی

پہاڑی دروں سے بہتا ہوا دریا میں جاتا ہے۔ اور چونکہ بیچ
میں یہ کھیت واقع ہیں اس لئے ان کو بھی سیراب کرتا جاتا ہے۔
پھر دریائے کوکچہ سے پانی حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی
اس زمین میں بے شمار درخت اور باغات ہیں۔ اور ہر طرف
میووں کے خوبصورت درخت ہیں۔ اس خطہ میں توت
سیب، زرد آلو، آلو بالو، شفتالو، اخروٹ، آلوچہ، ناک
گیلاس وغیرہ کے لاتعداد باغات ہیں جن میں مذکورہ میوے
بہت پیدا ہوتے ہیں اور بہت لذیذ اور خوش ذائقہ و شیریں!
لیکن انگور، خربوزہ اور تربوز اس خطہ میں کم پیدا ہوتا ہے۔ یہاں
کی زمین منتخب اور اعلیٰ ہے اور سونا اُگلتی ہے۔ یہاں کا منظر
بھی بہت دل افروز ہے۔ کیونکہ ہر طرف خوبصورت آبشاریں
ہیں، اور پہاڑی چشمے ہیں۔ پرانے بادشاہوں کے لگائے
ہوئے باغات بھی ہیں۔ اور حاکم موضع کے لئے ایک سرکاری
قلعہ بھی ہے۔ دریائے کوکچہ وسط شہر میں بہتا ہے۔

جرم کی تاریخ

پرانے زمانے میں جرم بھی بدخشان کے
امیروں کے زیر حکومت تھا لیکن ان کے آپس کے اختلافات
اور اندرونی خانہ جنگیوں اور فساد کی وجہ سے جرم کی رعایا
ہر وقت تباہ حال اور پریشان رہتی تھی۔ میروں کی باہمی
جنگ میں جو غالب آتا تھا وہ جرم کے لوگوں پر بہت زیادتی
کرتا تھا اور ان سے زبردستی روپیہ پیسہ اور مال و اسباب
وصول کرتا تھا۔ اس خلفشار نے جرم کے باشندوں کو بالکل
مفلس اور تنگ دست بنا دیا تھا لیکن جب اعلیٰحضرت ضیاء
الملت والدین مرحوم نے قطغن اور بدخشان کے صوبہ کو کابل
کی مرکزی حکومت کے ماتحت کر دیا تو جرم بھی کابل کی مرکزی
حکومت کے تحت میں آ گیا۔ اُس وقت سے اب تک وہاں
امن و امان کا دور ہے، اور رعایا آسودہ حال اور فارغ البال ہے

شہر جرم میں ایک بازار ہے جس میں ۸۰ دکانیں ہیں
اور دو مدرسے ہیں، اور ایک پبلک سرائے ہے۔ اور اندازاً
۳۰۰ مکانات ہیں۔ گرمیوں میں پارۂ حرارت ۹۵ درجہ ہوتا ہے
لوگ خوش پوشاک اور گورے ہیں۔ زبان فارسی ہے اور علماء
و طلباء بھی کافی ہیں۔ سب کا مذہب اہل سنت وجماعت ہے
جرم شہر میں عورتیں پردہ کرتی ہیں لیکن دروں اور دیہاتوں کی
عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔

صنعت، خوراک، پوشاک، اسلحہ وغیرہ

جرم کی پیداوار
اور میووں کو باہر لیجا کر فروخت کرتے ہیں اور کچھ لوگ یارقند اور چین
کے خطوں میں جا کر تجارت کرتے ہیں۔ جرم کی عورتیں ابریشم کی
اور زردوزی کی ٹوپیاں بناتی ہیں اور مرد بھیڑوں کی اون کے
گرم لباس بناتے ہیں اور ان کی عورتیں بھی کپڑا بُننے میں مدد
دیتی ہیں۔ جرم اور گرد و نواحِ جرم کے لوگ خوش لباس اور
خوش خوراک ہیں۔ اور فیض آباد کے لوگوں سے فیشن میں مقابلہ
کرتے ہیں لیکن دیہاتوں کے رہنے والے لباس و خوراک کے
اس مقابلہ میں حصہ نہیں لیتے۔ وہ بہت معمولی قسم کا کھانا کھاتے

اور لباس پہنتے ہیں۔ یہاں کے لوگ ہتھیار جنگی اغراض کے لئے نہیں رکھتے بلکہ شکار کے شوقین ہیں اور اسی لئے بندوق کے سوا ان کے پاس تلوار، یراق، خنجر وغیرہ حربی آلات نہیں ہیں اندازاً جرم میں ۲۰۰ بندوقیں ہیں۔ جاڑوں میں مرغابیاں، ہرن، اور جنگلی مرغ ان اطراف میں بہت ہوتے ہیں جن کا یہ لوگ شوق سے شکار کرتے ہیں اور یہاں بلبل ہزار داستان بھی بہت ہے جو گرمیوں کے موسم میں باغات، پہاڑوں اور آبشاروں پر راگ الاپتا رہتا ہے اور جرم کے باشندے بلبل ہزار داستان سے بہت محبت کرتے ہیں۔

سڑکیں شمال کی طرف ایک سڑک ہے جو بہارک گئی ہے اور مغرب کی طرف ایک سڑک ہے جو "سوچ واسکان" "حضرت سعید اور کانِ لاجورد گئی ہے اور ایک بڑی سڑک ہے جو تنگی کران گئی ہے اور ایک راستہ یہاں سے دریائے وردوج کو عبور کرتا ہوا جاکران گیا ہے۔ بہارک سے جرم ۴ کوس دور ہے۔

خاش جرم کے ماتحت ایک علاقہ ہے۔ اور اندازاً ۸ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ پہاڑی مقام ہے سطح سمندر سے ۱۰۱۴ فیٹ بلند ہے۔ آب و ہوا سرد ہے۔ میوہ دار درخت بھی ہیں۔ اور بید کے درخت بے شمار ہیں۔ اور زیادہ تر کلتہ تائے قبیلہ کے لوگ آباد ہیں۔ اور بعض حصوں میں تاجک لوگ بھی رہتے ہیں جو فارسی زبان بولتے ہیں لیکن کلتہ تائے لوگ ترکی زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتے گیہوں اور جو کی کاشت ہوتی ہے۔ چمن اور چراگاہیں اور مرغزار بہت ہیں لیکن یہ مقام فیض آباد سے دور ہے۔ یہاں سخت سردی پڑتی ہے۔ بلا آگ سلگائے جاڑے کا موسم کاٹنا مشکل ہے۔ زمین للمی ہے۔

خاش کے ماتحت ۱۱ گاؤں بھی ہیں جن کی مجموعی آبادی بشمولیت خاش ۲۰۰۰ ہزار ہے اور مکانات ۵۰۰ ہیں۔

صنعت، خوراک، لباس اور سڑکیں یہاں کے لوگ بھیڑ بکریاں زیادہ نہیں پالتے۔ اور جو پالتے ہیں وہ اون سے کپڑے بناتے ہیں۔ یہاں کے لوگ روٹی اور باقلی کھاتے ہیں اور عورت مرد سب کرباس کے کپڑے پہنتے ہیں لیکن مال دار لوگ اعلیٰ قسم کا صحن کا کپڑا استعمال کرتے ہیں۔

عورتیں پردہ نہیں کرتیں اور مردوں کے دوش بدوش کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔

خاش کی شمالی جانب ایک راستہ فیض آباد کو گیا ہے اور جنوبی اور مشرقی جانب سے کئی راستے جرم گئے ہیں اور مغربی جانب ایک سڑک ارگو اور درائیم گئی ہے۔

تگاب یمکان جرم کے ماتحت ایک علاقہ ہے جسکے ماتحت بھی بہت سے گاؤں ہیں اور جن کی تعداد ۲۵ سے زیادہ ہے درۂ یمکان کے قریب ایک درہ ہے جو "تنگی" کہلاتا ہے یہاں لاجورد اور سیسہ کی کان ہے اور یہاں دریا بھی بہتا ہے۔

پُل بہارک کے راستہ میں ایک پُل ہے اور دوسرا پُل سنچ براثیکہ میں ہے اور ایک پُل تنگی کران میں ہے۔ "انجمن" مقام سے ایک دریا آتا ہے۔ جو منگا نرکران میں پہنچ کر دریائے منجان

سے مل جاتا ہے۔ یہاں بھی ایک پُل ہے اور یہ سب مقامات تگاب یمکان سے قریب ہیں یہ سب پُل لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔

تگاب وردوج یہ بھی جرم کی حکومت کے ماتحت ہے۔ یہ ایک لانبا پہاڑی درہ ہے جس کی لمبائی ۲۸ کوس تک چلی گئی ہے اور جس کی چوڑائی بعض جگہوں پر آدھ کروہ تک ہے۔ اس کا ایک حصہ ۱۱۰۰۶ فیٹ بلند ہے اور دوسرا ۷۷۰۰ فیٹ ہے۔

یہاں کے لوگوں کا رنگ گورا ہے۔ اور ترک، تاجک اور آغا خانی شیعوں کی آبادی ہے لیکن سب کی زبان فارسی ہے تگاب وردوج کے ماتحت ۳۲ گاؤں ہیں۔ اس موضع کی حد "جہل تن" دیہات تک ہے اس کے بعد زیباک کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ حدِ فاصل بیچ میں ایک پتھر کا برج ہے جہاں زیباک اور تگاب وردوج کی چراگاہوں کی حد قائم ہوگئی ہے۔

صنعت، خوراک، پوشاک، اسلحہ وغیرہ جو، گیہوں باقلی اور دوسرے اجناس یہاں کی عام پیداوار ہیں اور یہاں کی زمین آبی بھی ہے اور للمی بھی۔

ترک قبیلہ کے لوگ بھیڑ کی اُون سے پلاس اور حکمین کپڑا بناتے ہیں اور جرابیں بھی تیار کرتے ہیں لیکن تاجک لوگ دہقانی اور کاشتکاری کے علاوہ کسی صنعت و حرفت سے آگاہ نہیں ہیں۔ عورتیں کسی کسی مقام کی پردہ کرتی ہیں لیکن اکثر حصوں میں پردہ کا رواج نہیں ہے۔

کھانے پینے میں متوسط ہیں کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی کھاتے ہیں لیکن لباس جرم اور بہارک کے لوگوں کی طرح ہے۔

یہاں کے لوگ ہرن کے شکار کے شوقین ہیں اس لئے بندوقیں رکھتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کے پاس نہایت اعلیٰ قسم کی بندوقیں ہیں۔

آبادی ... ہم کے قریب ہے۔

یہاں سے دوسرے شہروں میں جانے کے لئے تمام راستے خراب حالت میں ہیں۔ کیونکہ یہ مقام پہاڑ کی چوٹی پر لب دریا واقع ہے۔ اور اکثر راستے پانی کی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں۔

یہ علاقہ بھی قدیم زمانہ میں بدخشان کے میروں کے زیر حکومت تھا۔ اور بہت خراب حالت میں تھا، اور یہاں کے لوگ انتہائی بے چینی اور بے اطمینانی میں تھے۔ لیکن جب سے حضرت ضیاء الملّت والدین مرحوم نے اس کو افغانستان کی مرکزی حکومت میں شامل فرمالیا۔ اس وقت سے اب تک یہاں امن وامان اور عام خوشحالی ہے۔ یہاں کے لوگوں پر ایک صاحب "شعبان صوفیان" بہت اثر رکھتے ہیں۔

بہارک اور درہ زردیو یہ بھی جرم کے ماتحت ایک علاقہ ہے۔ یہ دو حصوں میں منقسم ہے ایک بہارک کہلاتا ہے اور دوسرا زردیو شمالی اور جنوبی جانب کی آبادی زردیو میں واقع ہے یہاں سرغلان اور غاران کی طرف سے پانی آتا ہے جو یہاں کی زمینوں کو سیراب کرتا ہے۔

بہارک، زردیو اور سرغلان میں تاجک قبیلہ کے لوگ آباد

ہیں۔ مذہب اہل سنت ہے اور زبان فارسی ہے۔ لوگوں کا رنگ گورا ہے۔ بہارک ۵۵۰۰ فیٹ بلند ہے لیکن زردیو اتنا بلند نہیں ہے۔ وہ وسیع اور اونچے مقام پر ایک بہت ہی خوشنما آبادی ہے جس کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ جرنیل تاج محمد خان مرحوم نے یہاں ایک کوٹھی اور ایک باغ تعمیر کرایا تھا جس میں میوہ کے ہزارہا درخت ہیں۔ زردیو کے وسط میں دریا بھی بہتا ہے جو "دریائے زردیو" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے قریب ہی ایک جنگل ہے جس میں جنگلی درندے اور جنگلی جانور بھی بہت ہیں۔ بہارک سے ۸ کوس دور درہ پل تنگ واقع ہے جہاں سے فیض آباد تک ۷ کوس تک چڑھائی چلی گئی ہے۔ بہارک، زردیو اور سرغلان سب قریب قریب ہیں اور ایک ہی شمار ہوتے ہیں۔ ان کے ماتحت ۵۲ گاؤں ہیں جن کی آبادی ۴۰۰۰ کے قریب ہے۔ یہاں کے لوگوں کے مکانات ایک بڑی سرائے کی طرح ہوتے ہیں کیونکہ ایک مکان میں پورا خاندان ساتھ رہتا ہے۔ ان کی عادات جرم کے لوگوں کی طرح ہیں۔

میوے بہارک اور زردیو میں توت، زردآلو، شفتالو آلوبالو، بہی، سیب، انگور کے باغات ہیں۔ اور ناک یہاں کا بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔ گیلاس اور اخروٹ بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن سرغلان میں اخروٹ کے سوا کوئی میوہ نہیں ہوتا۔

راستے موضع بہارک بدخشاں میں بہترین فوجی قیام گاہ ہے اور بہت ہی محفوظ جگہ ہے اور داخلی اور خارجی ممالک کے بالکل وسط میں واقع ہے۔ اسی لئے یہاں سے بہت سے راستے مختلف شہروں کو گئے ہیں۔ یہاں سے براہ انجمن کابل کو جو راستہ جاتا ہے وہ سات دن میں کابل پہنچا دیتا ہے۔ یہاں سے شغنان، واخان، منوال اور پامیر کو بھی کئی راستے گئے ہیں۔

آب و ہوا یہاں کے تمام راستوں میں پانی کثرت سے ملتا ہے۔ اور خود بہارک وغیرہ میں پانی وافر ہے اور یہاں بڑے بڑے میدان خالی پڑے ہیں جنہیں جاری پانی کی کمی نہیں ہے۔ ان میدانوں میں بڑی بڑی آبادیوں کے لئے بہت گنجائش ہے۔

یہاں کی ہوا معتدل ہے اور جرم کی طرح ہے۔

زراعت، خوراک، پوشاک، اسلحہ وغیرہ بہارک میں جو، گیہوں وغیرہ کم پیدا ہوتا ہے۔ سرغلان میں چونکہ بہت زیادہ سردی پڑتی ہے اس لئے وہاں کی آب و ہوا جو اور گیہوں کے لئے مناسب ہے۔ اسی لئے یہاں کثرت سے غلہ پیدا ہوتا ہے۔

بہارک کے لوگ گدھے پالتے ہیں اور اس کے بالوں سے بہت سی ضرورت کی چیزیں تیار کرتے ہیں اور سرغلان کے لوگ چکمن کا کپڑا بہت اچھا بناتے ہیں۔ اور بکریوں کے بال سے پلاس کپڑا تیار کرتے ہیں اور جرابیں بناتے ہیں۔ اور

"گڈی بکری" کی کھال سے پوستین بناتے ہیں۔ یہاں کے مالدار لوگ گیہوں کی روٹی، جو اور گیہوں کا دلیہ کھاتے ہیں۔ اور عوام کبھی کبھی گیہوں کی روٹی اور ہمیشہ باقلی کھاتے ہیں۔ لیکن امیر و غریب سب اپنے مہمانوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ اور اچھا سے اچھا کھانا کھلاتے ہیں اور خاطر و مدارات میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے۔

مالدار لوگ شائستہ اور اچھے کپڑے پہنتے ہیں، اور قیمتی لباس استعمال کرتے ہیں۔ لیکن عوام جو دہقان اور کم حیثیت ہیں وہ کرباس، چکمن، برزو، پوستین چہ، پوستین وطنی، اور جرمپ کو استعمال کرتے ہیں (یہ گرم کپڑے ہیں جو افغانستان کے متوسط لوگ پہنتے ہیں ورنہ مالدار لوگ تو نہایت اعلیٰ قسم کی لومڑی اور قرہ قلی بھیڑ کی کھالیں نواکران کی پوستین اور ٹوپیاں پہنتے ہیں اور بہترین قسم کا اونی کپڑا استعمال کرتے ہیں۔ کرباس اور چکمن بھیڑوں کے اون اور بکریوں کے بالوں سے بیچارے غریب دہقانی خود ہی تیار کرتے ہیں اور خود ہی پہنتے ہیں اور اگر ضرورت سے زیادہ ہوا تو اپنے ہی جیسے کسی غریب دہقان کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ یہ تمام افغانستان کے امیروں اور غریبوں کا دستور ہے) بہارک، زردیو اور سر غیلان کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ اور اپنے مردوں کے ساتھ کھیتوں میں کام کرتی ہیں لیکن علما، اور ذی رسوخ حضرات کی عورتیں پردہ کرتی ہیں۔ اور علما اعلیٰ قسم کے کپڑے پہنتے ہیں اور نفاست و پاکیزگی سے رہتے ہیں۔

یہاں کے لوگ اسلحہ کے شوقین نہیں ہیں۔ البتہ جن کو شکار سے دلچسپی ہے ان کے پاس بندوقیں ہیں لیکن تینوں مقامات پر ۵۰ بندوقوں سے زائد نہیں ہیں۔

صفراوی مریض کم ہیں البتہ بخار ان اطراف میں کبھی کبھی پھیل جاتا ہے جس کی دوا یہاں کے لوگوں کے نزدیک خاکسیر، زرد آلو، کاسنی ہے۔ جب کسی کو بخار آتا ہے تو عزیز و اقارب گیہوں کا دلیہ کھلاتے ہیں۔ کسی حال میں کوئی بھی مسہل لینے پر راضی نہیں ہوتا۔ اس علاقہ میں کوئی طبیب نہیں ہے، ہر شخص خود اپنا علاج کرتا ہے۔

مختصر تاریخ قدیم زمانے میں یہ علاقے بھی میر بدخشاں کی ماتحتی میں تھے۔ لیکن امیر شیر علی خان نے ان پر قبضہ کر کے سلطنتِ افغانستان کا جز و بنا دیا تھا۔ اور سات سال تک یہ مقامات کابل کی حکومت کے ماتحت رہے کہ اتنے میں انگریزوں نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ اور بدخشاں کے میروں نے پھر سر اُٹھایا اور ان علاقوں کو واپس لے لیا۔ لیکن جب افغانستان میں سکون ہوا تو ضیاء الملت امیر عبدالرحمٰن خان مرحوم نے بدخشاں کے علاقہ پر تاخت کی اور میروں سے تمام علاقے واپس لے کر قطعی امن و امان قائم کر دیا اور اب بادشاہانِ افغانستان کے ظلِ عاطفت میں رہ کر یہ سب علاقے آہستہ آہستہ ترقی کر رہے ہیں۔

سڑکیں بہارک سے فیض آباد، جرم، زیباک، زردیو

اور مختلف سمتوں کو سڑکیں جاتی ہیں۔ اور زرد یوسے شنغان اور شیوہ کو راستے گئے ہیں۔ اور سر غیلان سے غاران اور دشت شیوہ کو ایک راستہ گیا ہے۔

سر غیلان سے ایک راستہ غاران گیا ہے جس کے درمیان میں ایک مقام کوتلی پڑتا ہے جو "گلستان" کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ یہاں باغات اور میوے دار درخت اور چمن بہت ہیں۔

کران انجمن جرم سے لیکر دہان تنگی تک کی درمیانی آبادی کران کہلاتی ہے جہاں بہت تھوڑی آبادی ہے۔ کران سے انجمن تک بہت تھوڑا فاصلہ ہے۔ صرف ایک دریا بیچ میں حائل ہے۔ انجمن سے ایک راستہ کابل کو گیا ہے۔ جو پانچ روز میں طے ہوتا ہے لیکن جاڑوں میں کثرت برف باری سے آمد و رفت کے قابل نہیں رہتا۔

کران میں بید کا ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جو ۳ کوس تک وسیع ہے۔

کران اور انجمن کے ماتحت ۶ گاؤں بھی ہیں جن کی کل آبادی بشمولیت کران و انجمن ۔۔۔ اہے۔ یہاں تاجک قبیلہ کے لوگ رہتے ہیں۔

زبان فارسی ہے۔ لوگوں کا رنگ گورا ہے۔ مذہب اہلسنت ہے لیکن دو گاؤں کے لوگ شیعہ ہیں۔

کران اور انجمن ایک درہ پر واقع ہیں جس کی لمبائی ۶ کوس ہے۔

صنعت، خوراک، پوشاک عورتیں اون کی جرابیں بناتی ہیں اور مرد برک اور پلاس کے کپڑے بنتے ہیں۔

یہاں کے لوگوں کی خوراک آش باقلی، جو کی روٹی اور کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی ہے۔ مرد کرباس چکین صحن کے کپڑے پہنتے ہیں۔ اور عورتیں ریشمی اور رنگین کپڑا پہنتی ہیں۔

یہاں کے لوگ اسلحہ رکھنے کے شوقین ہیں۔ ان کے پاس کثیر تعداد میں بندوقیں، یراق اور تلواریں ہیں۔

یہاں میوہ دار درخت نہیں پائے جاتے صرف چند درخت زرد آلو کے ہیں اور وہ بھی کڑوے۔

منجان درہ منجان شمال اور جنوب کی طرف ۵ کوس کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ آغا خانی حضرات کی کثرت ہے۔ آب و ہوا سرد ہے۔ لوگ گورے رنگ کے ہیں ان لوگوں میں علماء بالکل نہیں ہیں۔ اور یہ بالکل جاہل ہیں۔ آغا خاں کے نائب کی کسی بات سے انحراف نہیں کرتے۔ اور تعظیم کے طور پر ان کو "شاہ" کہتے ہیں۔ اور ہر چھوٹا بڑا ان کو خدا کا نائب سمجھتا ہے۔ جب نائب صاحب ایک دیہات سے دوسرے دیہات تشریف لے جاتے ہیں تو دیہات کے سب عورت مرد بچے بوڑھے الوداع کہنے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیتے ہیں اور دعائے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں اور دوسرے دیہات والے جہاں نائب صاحب جاتا

چاہتے ہیں نائب صاحب کا استقبال بہت شان اور اہتمام سے کرتے ہیں۔ اور نقد وجنس بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ نائب صاحب کے تمام مرید اپنی آمدنی کا دسواں حصہ سال کے آخر میں نائب صاحب کی خدمت میں پیش کرنا نجات اُخروی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ نائب صاحب کے ماتحت، تمام دیہاتوں سے ان نذرانوں کو وصول کر کے نائب صاحب تک پہنچا دیتے ہیں لیکن نائب صاحب اس مال واسباب کو خود خرچ نہیں کرتے بلکہ سال کی تمام آمدنی آغاخان پیشوائے اعظم کی خدمت میں بمبئی بھیج دیتے ہیں اور ان کا اس پر پورا اعتقاد ہے کہ مال واسباب کا فدیہ جو نائب صاحب کی خدمت میں نذر کیا گیا ہے وہ ان کی نماز اور ان کے روزہ کو بخشوا دے گا۔ اس لئے یہ لوگ نماز و روزہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور نہ دین کے اور کسی رُکن پر عامل ہیں لیکن جب کسی کے ہاں مہمان جاتے ہیں تو شرما حضوری کے طور پر نماز پڑھ لیتے ہیں اور جب کوئی ان کے ہاں مہمان آتا ہے تو جب بھی دکھاوے کے لئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ورنہ ان کے دیہاتوں میں نماز، روزہ، اور اذان کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ (چونکہ یہ سفرنامہ بہت پُرانا ہے اس لئے امید ہے کہ اب اصلاح ہوگئی ہوگی کیونکہ آغاخان نے حکم دیدیا ہے۔ حسن نظامی)

منجان کے ماتحت ۱۲ گاؤں ہیں۔

سڑکیں ایک سڑک نورستان اور اسمار کی طرف گئی ہے ایک راستہ کامدیش اور برگکوت گیا ہے لیکن یہ ایسا تنگ اور پرخطر راستہ ہے جس پر پیدل آدمی تو جا سکتا ہے لیکن سوار نہیں جا سکتا۔

صنعت، خوراک، پوشاک منجان کی عورتیں مردوں کی بہ نسبت زیادہ کام کرتی ہیں۔ وہی کپڑا بُنتی ہیں اور وہی بکریوں کے بالوں اور بھیڑوں کے اون کو دھنتی اور بٹتی ہیں مرد صرف ان کے شریک کار رہتے ہیں۔

بعض لوگ نمک کی کان سے نمک لاتے ہیں اور نورستان کے علاقہ میں لیجا کر اس کے بدلے میں اون، تیل، پنیر وغیرہ لاتے ہیں۔ اور ان کا یہی پیشہ ہے اور وہ اپنی ساری ضرورتیں نمک کے تبادلہ سے پوری کر لیتے ہیں۔ اور خوش و خرم رہتے ہیں۔

یہاں کی زمین بہت ناکارہ ہے۔ اس کو درست کرنے کے لئے اور اس میں مناسب کھاد ڈالنے کے لئے دہقان بہت محنت و مشقت کرتے ہیں اور بڑی بڑی دور سے کھاد فراہم کر کے لاتے ہیں۔ تب جا کر وہاں کی زمین کچھ پیداوار کے قابل بنتی ہے۔ جَو، گیہوں پیدا ہوتا ہے۔ مگر میوہ بالکل نہیں ہوتا۔ غریب لوگ آش منتگ، گیہوں کی روٹی اور جَو کھاتے ہیں اور جو استعداد رکھتے ہیں وہ کبھی کبھی گوشت بھی کھاتے ہیں یہاں گوشت اور تیل بہت ہی کم ملتا ہے۔

مرد صحن کے کپڑے کا لباس بناتے ہیں جو اسمار اور چترال سے آتا ہے۔ عورتیں چھیت کے کپڑے کا لباس پہنتی

ہیں۔ یہاں کے لوگ عید کی نماز کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔ حتےّ المقدور اچھا کپڑا پہنتے ہیں اور تین چار دیہاتوں کے لوگ کسی بڑے دیہات میں جمع ہو کر عید کی نماز ملکر پڑھتے ہیں لیکن تعجب کی بات ہے کہ نوروز کا احترام عید سے بھی بڑھکر کرتے ہیں۔ گھروں کو صاف اور پاک کرتے ہیں۔ انکو رنگتے ہیں اور قلعی کراتے ہیں۔ دیواروں، چھتوں، دروازوں اور اندر و باہر سب جگہ نقش و نگار بناتے ہیں۔ اور نیا جوڑا ضرور پہنتے ہیں حالانکہ عید میں دُھلا ہوا بھی پہن لیتے ہیں۔ پھر دیہات کے سب لوگ مل جل کر خوشیاں مناتے ہیں۔ اور یار دوستوں کو اچھا اور عمدہ کھانا کھلاتے ہیں۔

اسلحہ یہاں کے لوگ اسلحہ کے شوقین نہیں ہیں۔ ہزار دیڑھ ہزار کی آبادی میں مشکل سے ۵۰ — ۶۰ بندوقیں ملیں گی۔ اور وہ بھی ان لوگوں کے پاس جو شکاری ہیں اور اسی طرح پوری آبادی میں شاید ہی ۵ یا ۶ تلواریں یا دوسرے ہتھیار نکل آئیں۔

قدیم حکومتوں کا ایک ظلم پُرانے زمانے میں جبکہ منجان بدخشان کے میروں کے قبضہ میں تھا۔ یہاں کے لوگ بہت غریب اور مفلس تھے اور ان پر جو ٹیکس لگایا گیا تھا۔ وہ اس کو ادا نہیں کرسکتے تھے۔ اس لئے وہ ہر سال اس سالانہ ٹیکس کے عوض دو خوبصورت کنواری لڑکیاں بدخشان کے میروں کی حرم میں بھیج دیتے تھے لیکن جب سے بدخشان حکومت افغانستان کا ایک ماتحت صوبہ قرار پایا ہے یہ ظالمانہ ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ امیر عبدالرحمٰن خان نے مصلحت کی بناپر چند سال اس رسم کو باقی رکھا لیکن بعد کو دو کنیزوں کے عوض میں تین سو روپیہ سالانہ مالیہ کا قانون بنا دیا گیا۔ اب وہ لوگ اتنے خوش حال ہوگئے ہیں کہ تین سو سے زائد مالیہ ادا کرسکتے ہیں۔

پُرانے زمانے میں منجان، زیباک، کے ماتحت تھا لیکن اب منجان، کران اور انجمن کی مل کر ایک مستقل علاقہ داری ہوگئی ہے۔

زیباک زیباک ایک درہ ہے جو شمال اور جنوب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ سطح سمندر ۹۲۵۰ فیٹ بلند ہے۔ اور تیرگراں سے ۱۱ کوس دور ہے۔ پارہ حرارت گرمیوں میں ۹۰ درجہ ہوتا ہے۔

عام مذہب آغاخانی ہے۔ لوگوں کی ظاہری حالت بہت خستہ اور پریشان ہے۔ زمین بہت وسیع ہے۔ سرسبز اور شاداب جگہ ہے۔ اور چمن زار کثرت سے ہیں۔ زیباک کے زیرین حصہ میں "قشلاق گادُخانہ" کے قریب دو دریا آکر ملتے ہیں۔ اور زیباک سے ہوتے ہوئے وردوج چلے جاتے ہیں۔ عام زبان فارسی ہے لیکن بعض بعض دیہاتوں میں دوسری زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔

زیباک میں اعلیٰ قسم کے سرمہ کی ایک کان بھی ہے۔ جس کو زیباک کے لوگ آنکھوں میں لگاتے ہیں۔ اور جس کا اصطلاحی نام انہوں نے "عجال" رکھا ہے کبھی کبھی طوفان بھی زیباک کے اطراف میں آجاتا ہے۔

علاقۂ زیباک کے لوگ گورے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس میووں کے باغات نہیں ہیں۔ عرعر، بید، سیاہ خار کے درختوں کے علاوہ وہ کسی درخت کے مالک نہیں ہیں۔ کیونکہ ان جنگلی درختوں کے علاوہ یہاں میوے وغیرہ کا درخت ہوتا ہی نہیں۔

زراعت، صنعت، خوراک پوشاک، اسلحہ وغیرہ

یہاں سردی بہت پڑتی ہے۔ اس لئے اکثر زراعت خراب ہو جاتی ہے۔ نیز یہاں کی زمین بھی ریتلی اور پتھریلی ہے۔ جس کی وجہ سے غلہ کم پیدا ہوتا ہے۔

"گدی بکری" کے بالوں کو عورتیں چرخے پر کاتتی ہیں اور مرد ان کو بُنکر کپڑا تیار کرتے ہیں۔ اور گائے بکریوں کے چمڑے بھی بناتے ہیں اور اس کی پوستین تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں کے لوگ اور کسی صنعت سے دلچسپی نہیں رکھتے۔

یہاں کے لوگ چونکہ غریب ہیں اس لئے آشِ باقلی کھاتے ہیں۔ اور "کُلخان" مکانوں میں رہتے ہیں جو ایک بڑی سرائے کی طرح ہوتا ہے۔ سب خاندان والے ایک ساتھ رہتے اور ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ صبح و شام بڑی بڑی دیگوں یا کڑاہیوں میں کھانا پکتا ہے۔ اور جب تیار ہو جاتا ہے تو یا اس دیگ کے چاروں طرف بیٹھ کر کھانا شروع کر دیتے ہیں اور یا بڑے بڑے برتنوں میں دو تین جگہ کھانا نکال لیتے ہیں اور پھر عورتیں مرد، بوڑھے، جوان، بچے، سب ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ اگر کسی جگہ کا کوئی آدمی ان کے ہاں مہمان ہو تو اس کو بھی اسی کھانے میں شریک کر لیتے ہیں۔ اور اگر بیرونِ شہر سے کوئی آیا ہو تو اس کے لئے روٹی، گوشت، دودھ اور چائے اور میوے وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اور اس کی حتی الامکان خاطر کرتے ہیں۔

زیباک کے لوگوں کے تعلقات چترال اور فیض آباد کے لوگوں سے زیادہ ہیں اور ان کی آمد و رفت بھی ان مقامات پر بہت ہے۔ اس لئے ان کے لباس میں فیض آبادی شان پائی جاتی ہے۔ اپنی حیثیت سے زیادہ کا لباس پہنتے ہیں۔ ململ کا صافہ اور خوبصورت لُنگیاں (عمامے) باندھتے ہیں۔ عورتیں چھینٹ کا کپڑا پسند کرتی ہیں۔ لیکن جو لوگ بہت زیادہ غریب ہیں وہ چکمن، کرباس، اور معمولی پوستین سے کام چلا لیتے ہیں۔

یہاں سردی بہت ہی سخت ہوتی ہے۔ تمام باشندوں اور خصوصاً غریبوں کو رات گزارنی مشکل ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کے پاس لحاف نہیں ہوتا وہ کپڑوں کے اندر اور دو تین آدمی ایک ساتھ سو کر رات بسر کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کپڑے کم ہوئے تو سب عورت و مرد ننگے ہو جاتے ہیں۔ اور زائد کپڑوں کو اوپر سے ڈال لیتے ہیں۔

رات کی روشنی

زیباک میں جلانے اور کھانے کا تیل نہیں ہوتا۔ رات کو روشنی کرنے کے لئے لوگ کئی ترکیبیں کرتے ہیں۔ اکثر لوگ بید کے درختوں پر خاکسیر، شترشم اور کئی چیزیں مل لیتے ہیں۔ اور پھر رات کو بید جلاتے ہیں تھوڑی دیر کے لئے دھیمی سی روشنی ہو جاتی ہے۔

عادات اور رسوم زیباک کے لوگ بہت ہی نیک اور سادہ اور دنیا کے فریبوں سے ناآشنا ہیں۔ ہر حاکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور کبھی آپس میں نہیں لڑتے۔ شہوت پرستی کی مذموم عادتیں ان میں مطلق نہیں ہیں۔ مکر، فریب، جھوٹ، دوسروں کے مال پر قابض ہونے کی کوشش کرنا، یہ لوگ کچھ بھی نہیں جانتے۔ نہایت معصوم اور پاک لوگ ہیں۔ اپنے مال و اسباب میں سے "بڑے پیر" کا حصہ سالانہ ضرور نکالتے ہیں۔ نماز، روزہ، اذان، جماعت سے آشنا نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا پیر ان کو بخشوا دے گا۔

لیکن جو لوگ ان میں پڑھے لکھے ہیں اور مسئلہ مسائل کی کتابیں دیکھ لیتے ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں بعض دیہاتوں میں اہلسنت کی مسجدیں اور شیعہ حضرات کی مسجدیں الگ الگ ہیں۔ کہنے کو یہ آغا خانی اور سخت قسم کے شیعہ ہیں لیکن محرم میں کوئی بھی ماتم نہیں کرتا۔ البتہ نوروز کے دن مارے خوشی کے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ اور محرم میں ماتم نہ کرنے کی یہ وجہ ہے کہ جہالت کی وجہ سے ان کو اپنے دین اور مشرب کی خبر ہی نہیں ہے۔ اور نہ ان کو اپنے مذہب کی تعلیمات معلوم ہیں۔ (ان کو دانستہ مذہب اسلام سے ناواقف رکھا جاتا تھا۔ مگر اب تعلیم کی اجازت ہوگئی ہے۔ حسن نظامی)

زیباک کے لوگوں کی تعداد بشمولیت تمام متعلقہ دیہات کے ۵۰۰۰ ہے۔

جن لوگوں کو شکار سے دلچسپی ہے ان کے پاس بندوقیں ہیں۔ ورنہ عام طور سے کسی قسم کے ہتھیار ان کے پاس نہیں ہیں۔

راستے زیباک سے قطغن و بدخشان کے مختلف حصوں کو راستے گئے ہیں اور برابر مسافران راستوں سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن ان میں اکثر راستے برف باری اور سردیوں کی وجہ سے موسم سرما میں بند ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر برف اور یخ کی وجہ سے ان پر آمد و رفت جاری رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے صرف گرمیوں اور بہار کے موسم میں ان سڑکوں پر گزرا جا سکتا ہے۔

زیباک کی سردی بدخشان کی سردی افغانستان میں مشہور ہے۔ زیباک بدخشان میں سب سے سرد مقام ہے۔ یہاں موسم بہار کے علاوہ گرمیوں اور جاڑوں میں بارہ بجے دن سے لیکر بارہ بجے رات تک سخت تند و تیز اور سرد اور برف سے نکلی ہوئی ہوائیں برابر چلتی رہتی ہیں۔

بتلایا جا چکا ہے کہ یہاں کا پارۂ حرارت سخت سے سخت گرمی میں بھی ۹۰ سے آگے نہیں بڑھتا۔ جاڑے کے موسم میں برف باری کی وجہ سے تمام زمین، مکانات، درخت سفید نظر آتے ہیں۔ دریاؤں، آبشاروں، اور گھروں میں رکھے ہوئے برتنوں کا پانی جم کر برف کا تختہ ہو جاتا ہے۔ پینے کے لئے بیچاری عورتوں کو بہت دور جا کر بہتے ہوئے اور ابلتے ہوئے چشموں سے پانی لانا پڑتا ہے یہ سردی میں ایک دوسری مصیبت ہے۔

زیباک، واخان، غاران، اور پامیرات کی سردی کا ہو بہو نقشہ کھینچتے ہوئے جلال آباد کے باکمال شاعر علامہ آغائے

میرزا شیر احمد خان مستی خیلی نے چند اشعار کہے ہیں جو قارئین کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔ اشعار

در زمستاں کانِ برف و بادِ چوں زیباک نیست
اینچنیں سرما دگر جا در تہِ افلاک نیست

خرمنِ پنبہ، ہمہ روئے زمیں را کردہ فرش
کوہ و صحرا خالی از یخ قدرِ برگِ تاک نیست

بہرِ استنجا میسّر کے شود کس را کلوخ
از وفورِ برف و یخ ہرگز نشانِ خاک نیست

شدّتِ سرما فگندہ، لرزہ در اندامہا،
نیست شخصے کز غمِ سرما دلِ او چاک نیست

از ہوائے زمہریری بہرہ دارد ایں وطن
فکر را در برف و بادش راہِ استدراک نیست

در دگر اوطاں زمستان است، سہ ماہ یا چہار
ہشت مہ طولِ زمستاں غیر ایں املاک نیست

باوجود اینچنیں، سرما و برف و باد و یخ
بہرِ آتش کردن اینجا ہیزم و خاشاک نیست

خارِ تریا بیدرا در دیگداں سوزند و بس
کو کسے کز دودِ چشمش کور یا نمناک نیست

مردمِ ایں ملک را، روز و شب از بیچارگی
غیرِ نانِ خشک و آشِ باقلی خوراک نیست

از لباسِ گرم بہرِ دفعِ سرما خستہ اند
جز بلاس و چکمن ایشاں را دگر پوشاک نیست

گرچہ دریا دارد و ہم جویہا، اما ز یخ
قدرتِ کس بہرِ استعمالِ آبِ پاک نیست

میرود زنہائے شاں یک میل راہ دنبالِ آب
غم بریں عورت کہ در رفتارِ خود چالاک نیست

گر کسے بیمار گردد نے دوا و نے طبیب
سر اگر کس می تراشد، بہر او دلاک نیست

یک بلائے دیگرے ہم گشتہ بر ایشاں نزول
کاں بلا شیطانی است و از خدائے پاک نیست

از نماز و روزہ ایں مردم نہ دارند آگہی،
یکزن و یک مرد شاں بے غمزہ[۵۷] و تریاک نیست

زیباک میں بخار کے امراض کم ہیں لیکن ذات الجنب کے مریض بہت جس کا علاج یہ لوگ باقلی سے کرتے ہیں۔ گویا وہی دوا اور وہی غذا۔

گزشتہ حکومتوں میں منجان، کران، اور انجمن زیباک کے ماتحت تھے لیکن اب الگ علاقہ داری ہے۔ اور زیباک اشکاشم اور غاران کو مل کر درجۂ اول کی علاقہ داری ہے (ناصر خسرو مشہور آغا خانی داعی نے ان کو آغا خانی بنایا تھا۔ حسن نظامی)

اشکاشم | اشکاشم زیباک سے ۷ کوس دور ہے۔ ۔ ۵۴۰۰ فیٹ بلند ہے۔ گرمیوں میں پارۂ حرارت ۹۲ درجہ تک ہوجاتا ہے۔

[۵۷] غمزہ اور تریاک ایک خاص منشی چیز ہے۔

دریائے پنج (آمو یہ) کے کنارے واقع ہے۔

اشکاشم کے دائیں جانب درۂ واخان اور بائیں جانب درۂ غاران اور شغنان ہے۔ اور یہاں ایک سرکاری چھاؤنی اور کئی سرکاری عمارتیں بھی ہیں۔

یہاں کے لوگ کھانے پینے اور پہننے میں زیباک کی طرح پریشان اور ذلیل ہیں۔ مذہب بھی آغاخانی ہے۔ فارسی بھی بولتے ہیں لیکن اپنی مخصوص زبان ترک نہیں کرتے۔ یہ لوگ اپنے عادات واخلاق اور طرز رہائش اور عام حالات میں بالکل زیباک کے لوگوں کی طرح ہیں۔ اشکاشم کے نواح میں تنگلاق تربت کے قریب ایک بہت بڑا میدان خالی پڑا ہے جس میں زراعت اور پیداوار بہت اچھی ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں نے اس میدان میں کئی ہزار بیگہ زمین پر کاشت شروع کردی ہے۔ زیباک اور اس میدان کے راستہ میں حضرت بایزید بسطامیؒ کی مشہور زیارت گاہ ملتی ہے جو اس علاقہ کی مشہور ترین زیارت گاہ ہے۔

یہاں سے ایک سڑک کئی مشہور شہروں سے ہوتی ہوئی مزار شریف گئی ہے۔ اور یہاں سے دریائے پنج (آمو یہ) گزرتا ہے جو مزار شریف کے علاقہ میں پہنچکر روسی اور افغانی سرحدوں میں حدِ فاصل قائم کردیتا ہے۔ اس طرف کا دریا افغانستان کے تصرف میں ہے اور اس کے کنارے سرحد کی حفاظت کے لئے بہت سی چھاؤنیاں ہیں۔ اور دریا کے اُس پار روس کا قبضہ ہے۔ چنانچہ روسی چھاؤنیاں اور روسی گورنمنٹ کی عمارتیں اِس پار سے نظر آتی ہیں۔ اشکاشم کے دریا کے مقابل بھی اُس پار روسی چھاؤنیاں نظر آتی ہیں۔

اشکاشم کے بائیں جانب درۂ غاران ہے جہاں بدخشان کے قیمتی لاجوردوں کی سب سے بڑی کان ہے۔ حکومت نے اس کان کی کھدائی کے انتظامات کئے تھے لیکن اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے کھدائی بند کردینی پڑی۔

واخان اور پامیرات

واخان اور پامیرات کے علاقہ جات درجۂ دوم کی حکومت میں شامل ہیں۔

واخان ایک بہت ہی طویل درے کا نام ہے۔ اس درے میں سات منزلیں ہیں۔ اور ہر منزل آباد ہے۔ گویا واخان ایک وسیع اور پھیلے ہوئے شہر کی طرح ہے جس کے محلّے دور دور واقع ہیں۔ ذیل میں ساتوں منزلوں کے حالات لکھے جاتے ہیں:۔

(۱) **ورگ**:۔ اشکاشم سے ورگ ۹ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اور ۹۳۰۰ فیٹ بلند ہے۔ اس جگہ دریائے آمو یہ بہتا ہے۔ جو سرحد افغانستان اور روس میں حدِ فاصل ہے۔

یہاں کے لوگ آغاخانی ہیں اور اپنی الگ زبان جو نہ فارسی ہے نہ ترکی ہے اور نہ پشتو ہے بولتے ہیں۔ یہاں کی زراعت، خوراک، پوشاک سب زیباک کی طرح ہے لیکن یہاں کی زمین زرخیز ہے۔ سردی کافی پڑتی ہے۔ اور کبھی کبھی

طوفانِ باد بھی آجایا کرتا ہے۔

یہاں سے شغنان اور زیباک کو راستے گئے ہیں۔

(۲) **اورگند**:۔ ورک سے اورگند ۹ کردہ (کوس) کے فاصلہ پر ہے۔ اور ۹۶۸۰ فیٹ بلند ہے۔ بہت ٹھنڈی جگہ ہے۔ جو، گیہوں، اور باقلہ عام پیداوار ہے۔ یہاں میوے کے درخت اور باغات بہت ہیں لیکن شدتِ سرما کی وجہ سے پھل زیادہ نہیں آتے۔ یہ مقام سرتا سر بالو اور سنگریزوں سے پٹا ہوا ہے۔ زمین بالکل پتھریلی ہے۔ اور ہمیشہ صحرائی طوفان یہاں کے باشندوں کو تنگ کرتا رہتا ہے۔

(۳) **خندود**:۔ یہ مقام بھی ریگستانی ہے۔ ۹۰۰۵ فیٹ بلند ہے۔ اور اورگند سے ۱۰ کوس کے فاصلہ پر ہے۔

(۴) **قلعۂ پنجہ**:۔ خندود سے ۸ کوس کے فاصلہ پر ہے اور ۹۸۵۰ فیٹ بلند ہے۔ اکثر حصہ ریگستانی ہے۔ یہاں ایک بڑا قدرتی حوض بھی ہے جس کے کنارے مُرغابیاں اور دریائی پرندے آکر بیٹھتے ہیں۔ جو، گیہوں، باقلہ، مٹر عام پیداوار ہے۔ بید اور طوس کے درخت بہت ہیں۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر دریائے آمو بہتا ہے جس کی دوسری جانب روس کا علاقہ ہے۔ جہاں اس کی چھاونی بھی ہے۔

(۵) **باباتنگی**:۔ قلعہ پنجہ سے ۱۴ کوس آگے باباتنگی ہے۔ جو ۱۰۰۶۰ فیٹ بلند ہے۔ یہاں کے لوگ خوشحال ہیں۔ جو، گیہوں، باقلہ وغیرہ کی اچھی زراعت ہوتی ہے۔

(۶) **نرس وشلک**:۔ باباتنگی سے ۱۴ کوس پر نرس وشلک مقام ہے جو ۱۲۸۰۰ فیٹ بلند ہے۔ یہاں کے راستے انتہائی خراب ہیں جن پر گزرنا بھی مشکل ہے۔ یہاں کے لوگ سواری کے بہت شوقین ہیں۔ حالانکہ ان کی سواری بہت تکلیف دہ ہے۔ مذہب آغاخانی ہے۔ لباس اور خوراک سے مفلسی ٹپکتی ہے۔

یہاں سے پیادہ مسافروں کے لئے ایک بہت قریب کا راستہ چترال گیا ہے۔

(۷) **سرحد**:۔ نرس وشلک سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے اور ۸۴۱۱ فیٹ بلند ہے۔ زمین بہت وسیع ہے اور زراعت اچھی ہوتی ہے۔ گیہوں، جو اور باقلہ عام پیداوار ہے۔ سرحد کے مغربی جانب دولت افغانیہ کی ایک بڑی چھاونی ہے۔

یہاں سے کچھ فاصلہ پر مشرقی جانب ایک درہ ہے جو بہت ہی خوبصورت مقام ہے۔ سرسبز چراگاہیں، باغات، کثرت سے ہیں۔ دریا بھی بہتا ہے۔ اور اس دریا کے کنارے کنارے بہت سے قبائل آباد ہیں۔

سڑکیں سرحد سے چترال ایک راستہ گیا ہے جو نو منزل کا ہے۔ ایک سڑک دارکوت سے ہوتی ہوئی عشقمن، یاسین، گلگت جاتی ہے۔ اور وہاں سے کشمیر تک چلی گئی ہے۔ یہ سڑک بعض مقامات پر ہموار اور بعض مقامات پر انتہائی پر پیچ ہوگئی ہے۔ درے، غار، پہاڑ، خطرناک چڑھائیاں دریا سب ہی اس راستہ میں

پڑتے ہیں۔

زرس وشلک سے بروغیل تک جو درۂ واخان کا آخری حصہ ہے اور جو سرحد سے قریب ہے صرف ڈیڑھ کوس کا فاصلہ ہے بروغیل سطح سمندر سے ۱۲۰۰۴ فیٹ بلند ہے۔

عجیب وغریب عادت واخان کے تمام حصّوں میں اور ورک سے لیکر سرحد تک ہر جگہ کے لوگوں میں یہ انتہائی عجیب وغریب عادت ہے کہ یہ لوگ کسی سے قطعاً لڑتے ہی نہیں۔ جنگ، فتنہ، فساد، اور جھگڑے کے نام سے واقف ہی نہیں ہیں۔ یہاں تک پرامن اور خاموش ہیں کہ اگر ان پر کوئی ماتحت حاکم انتہائی ظلم وستم کرے اور مسلسل کرتا ہی رہے تب بھی یہاں کے لوگ حاکم اعلیٰ کے پاس فریاد لیکر نہیں جاتے اور ظلم برداشت کرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں اکثر آغاخانی مذہب کے ہیں نماز، روزہ اور کسی قسم کی عبادت سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہے۔

درۂ واخان کا جو حصّہ افغانستان میں شامل ہے اس کے ماتحت ۴۶ گاؤں ہیں جن کی مجموعی آبادی چار ہزار کے قریب ہے۔ اور جو حصّہ روس کے علاقہ میں شامل ہے اسکے ماتحت ۲۷ گاؤں ہیں جن کی آبادی ہزار آدمیوں سے زیادہ ہے اور سب لوگ مسلمان اور آغاخانی ہیں۔

درۂ واخان افغانستان کا ایک اہم حصّہ ہے کیونکہ یہ روس اور افغانستان کی سرحد ہے۔ یہاں سے کئی دریا روس کے علاقہ میں گئے ہیں۔ اور پہاڑوں کا سلسلہ بھی روس کی سرحدوں کے پار تک چلا گیا ہے۔ دریا کے آرپار اور پہاڑوں پر روسی اور افغانی چھاؤنیاں ہیں۔ اور دونوں حکومتیں اپنی اپنی سرحد کی نگرانی رکھتی ہیں۔ پہلے افغانستان کے راستہ سے روس میں آمدورفت تھی لیکن انقلاب روس کے بعد سے بند ہوگئی ہے۔

واخان پر اجمالی نظر واخان کی وسعت اور اہمیت کو دیکھتے ہوئے وہاں کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنی غیر مناسب نہ ہوگی۔

واخان کے لوگوں کا رنگ گندمی ہے اور بتلایا جا چکا ہے کہ سب کا مذہب آغاخانی ہے۔ ہر سال یہاں کے باشندے اپنی آمدنی اور کمائی کا دسواں حصّہ نائب کی معرفت سرآغاخان کی خدمت میں ارسال کرتے ہیں۔ نہایت پرامن ہیں اور بادشاہِ وقت کی اطاعت کرنا فرض سمجھتے ہیں۔ ان کی ایک مخصوص زبان ہے لیکن فارسی بھی بولتے ہیں۔ ان میں کوئی عالم ہے اور نہ کوئی طالب علم۔ اذان، نماز، روزہ اور کسی بھی اسلامی عبادت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ لیکن جو ان میں خاص اور سربرآوردہ ہیں وہ شاذ ونادر حضوری کے طور پر کبھی کبھی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ چوری، نفاق، فتنہ وفساد، اغلام بازی اور زناکاری کی مذموم عادتیں ان میں قطعاً نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عورتیں ہمیشہ بے پردہ اور آزاد رہتی ہیں۔ اور کھیتوں اور جنگلوں اور صحراؤں میں مردوں کے دوش بدوش کام کرتی

ہیں لیکن یہ لوگ نُلاس (نسوار) استعمال کرتے ہیں اور چلم بھی بڑے شوق سے پیتے ہیں۔ اور کچھ دنوں سے تریاک اور غمزہ (مُنشّی چیزیں) کھاتے پینے کے عادی ہوگئے ہیں۔ عورتیں اور مرد سب اس لت میں پڑتے جارہے ہیں۔ مذہبی بے پروائی اور مذکورہ عیبوں کے علاوہ ان کے عام اخلاق بہت اچھے ہیں۔

زراعت چونکہ یہاں کی ہوا بہت سرد ہے اور برفباری بھی بہت ہوتی ہے اس لئے یہاں کے دہقان ماہ ثور اور ماہ جوزا میں گیہوں، جو، لوبیا، باقلہ، اور کلول کی کاشت شروع کرتے ہیں اور ماہ سنبلہ اور ماہ میزان میں کھیتوں کو کاٹتے ہیں یہ بیچارے اپنی فصلوں کی بہت نگرانی کرتے ہیں لیکن اکثر اوقات ان کی کھیتیاں سردی اور شدید برف باری سے تباہ ہوجاتی ہیں جب ان کے پاس غلہ نہیں ہوتا تو یہ تیک کھاتے ہیں جس کی ایک خاص قسم کی بھجیا پکاتے ہیں۔ یہ بہت ہی بدمزہ اور مُضر صحت غذا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ مجبور ہو کر اس کا استعمال زیادہ کرتے ہیں وہ لنگڑے ہوجاتے ہیں۔ واخان کے علاقوں میں اکثر لوگ اسی بنا پر لنگڑے ہوگئے ہیں لیکن مفلسی اور بُھوک کا کیا کیا جائے مجبوراً یہی کھانی پڑتی ہے۔

جو، گیہوں، باقلہ، اور تیک کے علاوہ کسی اور چیز کی کاشت نہیں ہوتی۔ اور نہ کوئی میوہ دار درخت اس علاقہ میں ہے۔ ہاں کہیں کہیں زرد آلو کا ایک آدھ درخت نظر آجاتا ہے لیکن اس کا پھل اکثر غیر مناسب آب و ہوا کی وجہ سے بیکار جاتا ہے۔ عرعر اور بید کے درخت ان اطراف میں بہت ہیں۔

بعض لوگ گدّی بکری، اونٹ، گائے، بھیڑ، اور خچر وغیرہ بھی پال لیتے ہیں۔ اور ان کی گلہ بانی کرتے ہیں۔

صنعت گدّی بکری اور دوسری بھیڑ بکریوں کے بالوں سے پلاس اور برک کپڑے تیار کرتے ہیں۔ اور جُرابیں بھی بناتے ہیں۔ مویشیوں کی کھالوں سے پوستین او رجمیں بناتے ہیں اور کھالوں کو خود ہی دباغت دیتے ہیں۔ عورتیں اون اور بالوں کو کاتتی اور ان کے ڈورے بناتی ہیں اور مرد کپڑا بُنتے ہیں۔

پوشاک عورتیں اور مرد سب کرباس کا لباس تیار کرتے ہیں۔ اور مختلف قسم کی پوستین، پوستینچہ، چکمن جو رنگین ہوتے ہیں پہنتے ہیں۔ عورتیں چادروں کے عوض سروں پر گرم رومال باندھ لیتی ہیں۔ اور پیروں میں سب لوگ چمڑے کے گرم موزے استعمال کرتے ہیں۔ شدتِ سرما کی وجہ سے ان کا سارا لباس گرم ہوتا ہے۔ لیکن جاڑے کو دور کرنے کے قابل ان کے پاس زیادہ کپڑے نہیں ہوتے اس لیے گھر کے سب عورت مرد، بچے، بوڑھے، جوان بالکل ننگے ایک ساتھ سوتے ہیں۔ اور اوڑھنے کے لئے ان کے پاس پلاس کے کپڑے کی ایک چادر سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اور جن غریب لوگوں کے پاس پلاس کی ایک بھی چادر نہیں ہوتی وہ اپنی رات یا تو آگ تاپ کر گزارتے ہیں۔ اور یا دن کے چکمن اور پوستین کے لباس اوڑھ کر اور سکڑ کر سو جاتے ہیں۔

خوراک یہاں کے لوگ چونکہ بہت مفلس ہیں اس لئے باقلہ مشنگ اور پتک کی کچا عام غذا ہے۔ جو لوگ مالدار ہیں وہ روٹی اور نمکین چائے یا دودھ یا شوربا کھاتے ہیں لیکن اس غربت پر بھی ہر شخص اپنے مہمان کی بیحد عزت کرتا ہے۔ اور اس کو اچھے سے اچھا کھانا کھلاتا ہے۔

رات کے وقت ان لوگوں کے پاس روشنی کرنے کے لئے تیل نہیں ہوتا کیوں کہ واخان میں کھانے اور جلانے دونوں قسم کا تیل نہیں پایا جاتا۔ اس لئے یہ لوگ عرعر اور بید کی لکڑیوں میں خاکسیر اور معلوم نہیں کیا کیا لگا کر اس کو پتھر پر گھستے ہیں اور پھر اس کو جلاتے ہیں۔ اس طرح جھلملاتے ہوئے دیے کی سی ہلکی روشنی تھوڑی دیر کے لئے ہو جاتی ہے۔

ان لوگوں کے ایک ساتھ سونے کا طریقہ یہ ہے کہ بچے ایک ساتھ الگ کوٹھری میں سوتے ہیں۔ میاں بیوی ایک ساتھ سوتے ہیں۔ عورتیں الگ سوتی ہیں۔ مرد الگ سوتے ہیں اور سب ننگ دھڑنگ اور سب ایک ایک چادر میں سکڑے اور چمٹے ہوئے۔

پامیر خورد یہ وادی علاقہ روس سے شروع ہوتی ہے۔ اور افغانی حدود میں بھی چلی آتی ہے۔ موجودہ حالت میں پامیر خورد کا افغانی حصہ ۴۰ کوس لانبا اور ۴ کوس چوڑا ہے۔ یہ ایک میدان ہے جو بالکل ہموار ہے۔ اس میں چراگاہیں تو بہت ہیں لیکن میوے دار درخت اور زراعت کے قابل زمین بالکل نہیں ہے۔ اگر زمین پر غلہ بویا جائے تو دانے پختہ نہیں ہونگے۔ اور کثرت سرما اور شدت برف باری سے کھیتی بالکل تباہ ہو جائیگی۔ اسی لئے کوئی ان زمینوں پر کاشت کر کے اپنی محنت برباد نہیں کرتا۔

یہاں کی آبادی ترک اور ہزارہ قبائل پر مشتمل ہے جو قوی ہیکل، توانا، تندرست اور مضبوط ہیں اور سب کے سب خانہ بدوش ہیں کبھی یہ لوگ چینی ترکستان کے شہر کاشغر چلے جاتے ہیں اور کبھی پامیر خورد میں آجاتے ہیں۔

ان خانہ بدوش قبائل میں بعض چین اور افغانستان کے درمیان تجارت کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو خود مختلف کپڑے تیار کر کے ان کی تجارت کرتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دو کوہان کے اونٹ، بکریاں، بھیڑ اور دنبے پالتے ہیں اور ان کی گلہ بانی کرتے ہیں۔ انکے پاس گھوڑے بھی ہیں جنکو سواری کے کام میں لاتے ہیں۔ پامیر خورد میں انکے مکانات سوکے قریب ہیں۔

پامیر کلاں (جس کا ذکر ہو چکا ہے) اور پامیر خورد کے درمیان صرف ایک پہاڑ حائل ہے۔ ان دونوں پامیرات کے لوگ ایک ہی قماش و وضع کے ہیں۔ دونوں پامیرات کی آبادی دو ہزار تک ہے۔ انکا خانہ بدوش حصہ ہمیشہ خانہ بدوشی میں مصروف رہتا ہے۔ جہاں پانی اور سرسبز زمین نظر آئی اور ان کے مویشیوں کے لئے چراگاہیں ملیں وہیں یہ غیر معین مدت کے لئے قیام پذیر ہو گئے۔ اور اپنے سفری مکانوں کے ساتھ ایک بستی بنا ڈالی۔ جب یہ مقام سکونت کے قابل نہ رہا دوسری جگہ کی تلاش

میں نکل پڑے۔

ان کا یہ دور برابر قائم رہتا ہے۔ خانہ بدوش قبائل بکریوں کی گلہ بانی اور ان کی پرورش میں بڑا کمال رکھتے ہیں۔

مذہب خانہ بدوش قبائل اور پامیرات خورد کے لوگوں کا مذہب اہل سنت وجماعت ہے۔ روزہ نماز کے سختی سے پابند ہیں۔ اور اپنے سفری مکانوں اور اپنی سفری بستیوں میں اذان وجماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ان میں طالب علم بھی ہیں اور علماء بھی ہیں۔ اور یہ فقہ وحدیث شریف کی کتابیں بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور شریعت کے قوانین کی پابندی کرتے ہیں علماء اور مشایخ اور سادات کا بہت احترام کرتے ہیں۔ اور اپنے مہمان کی عزت اپنی جان سے زیادہ کرتے ہیں۔

زراعت زراعت کے لئے پامیرات خورد کی زمین بالکل بنجر واقع ہوئی ہے۔ اس لئے زراعت کسی قسم کی نہیں ہوتی۔

خوراک گرمیوں میں پامیرات خورد کے لوگ گوشت، دودھ دہی اور قیماق کھاتے ہیں۔ اور جاڑوں میں یہ لوگ گیہوں، جو اور دوسرے اجناس کھاتے ہیں۔ جو کپڑا اور جو سامان تیار کرتے ہیں وہ واخان، اشکاشم اور زیباک کے علاقوں میں اجناس کے عوض فروخت کرتے ہیں۔ اور گرمیوں کا سارا موسم واخان، اشکاشم اور زیباک میں ہی گزار دیتے ہیں۔ اور یہ کہا کرتے ہیں کہ "اگر ہم لوگ پامیرات خورد میں رہکر اپنے مکانوں میں گرمیاں گزاریں گے تو مرجائیں گے" اور اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے کہ یہ لوگ گرمیوں میں پامیرات خورد میں رہ کر مر جاتے ہیں۔ پامیرات خورد گرم مقام ہے لیکن زیادہ نہیں۔

پوشاک چونکہ یہاں کے لوگوں کا تجارتی سلسلہ چین سے قائم ہے اس لئے یہ لوگ یارقند اور چین کے بنے ہوئے کپڑے استعمال کرتے ہیں۔ مرد پوستین، چکمن، تلپاق، موزہ، چمس وغیرہ پہنتے ہیں۔ اور **عورتیں سروں پر سفید ململ کا صافہ باندھتی ہیں** چمس اور موزہ پیروں میں پہنتی ہیں چینی ریشمی کپڑے اور کرباس کا کرتہ پاجامہ بناتی ہیں اور پوستین اوپر سے اوڑھتی ہیں۔ یارقند سے سوداگر قالین، کرباس اور ریشمی کپڑے لاتے ہیں اور یہاں کے لوگوں کے ہاتھ بکریوں کے عوض فروخت کر دیتے ہیں۔ غیر شادی شدہ جوان اور نابالغ لڑکیاں خوبصورت زردوزی کا کڑھا ہوا ریشمی بدخشانی کلاہ پہنتی ہیں۔

صنعت مرد صرف بھیڑوں کی پوستین بنانا جانتے ہیں۔ اور عورتیں بھیڑوں کے اون سے پلاس، جل، نواڑ، جوال، جراب، عجری بناتی ہیں اور اونٹوں کے بال سے قائمہ اور رسیاں بناتی ہیں۔ اور خانہ بدوش قبائل کی عورتیں سفری مکانات کے لئے مختلف سامان تیار کرتی ہیں۔ اور خود ہی جنگلوں میں خیمہ لگاتی ہیں اور خود ہی اکھاڑتی ہیں۔ عورتیں پردہ نہیں کرتیں اور بالکل مردانہ وضع سے رہتی ہیں۔

اسلحہ یہاں کے لوگ اسلحہ کے شوقین ہیں لیکن زیادہ نہیں۔ البتہ پامیر خورد کا ایک شخص جبار قلی منگباشی جو دولت مند

آدمی ہے۔ اس کے پاس انگریزی، روسی اور جرمنی ساخت کی ۱۲ اور دیسی ساخت کی پانچ بندوقیں ہیں۔ باقی عام لوگوں کے پاس ۴۰ سے زائد بندوقیں نہیں ہیں۔ اور وہ بھی دیسی ساخت کی۔

سڑکیں | پامیر خورد سے کچھ دور ایک درہ ہے جہاں سے کشمیر کو ایک سڑک گئی ہے۔ اس سڑک سے چار دن میں گلگت (کشمیر) میں مسافر پہنچ جاتے ہیں۔

بزائے گنبد مقام سے قریب ایک درہ ہے جو ۲۲ کوس طویل ہے۔ یہاں سے ایک راستہ سرقول اور تاشقرغان گیا ہے۔ اور یہی راستہ یارقند اور کاشغر اور چینی ترکستان کی انتہائی حدود تک چلا گیا ہے۔

بزائے گنبد سے تاشقرغان چار دن میں اور تاشقرغان سے کاشغر دسویں دن مسافر پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے راستے روس، چین، چینی ترکستان، کابل وغیرہ مقامات پر گئے ہیں۔

شور خورد | پامیرات کی پہلی منزل ہے۔ اور ۱۲۶۵۰ فیٹ بلند ہے۔ یہاں ترک قبائل کی بہت ہی مختصر بستی ہے۔ پیچ در پیچ اور سنگلاخ پہاڑی پر واقع ہے۔ یہاں طوس اور بید کے درختوں کا دو طرفہ سلسلہ چلا گیا ہے۔

لنگر | یہ پامیرات کی دوسری منزل ہے۔ لنگر تک پہنچنے کے لئے رود بار دریا کے لکڑی کے جھولتے ہوئے پل کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ انتہائی پرپیچ اور خطرناک پہاڑی راستوں اور خوب گھنے ہوئے بید اور طوس کے جنگلوں کو پار کرکے مسافر لنگر میں آتا ہے۔ ۱۲۹۲۰ فیٹ بلند ہے۔ اور شور خورد سے ۱۱ کوس دور ہے۔

یہ بہت وسیع مقام ہے اور اس کے چاروں طرف چمن زار بہت ہیں۔ یہاں قبیلہ قرغز کے لوگوں کے چند مکانات ہیں۔ جو بکریوں، بھیڑوں کو پالتے ہیں۔ انہی لوگوں میں ایک شخص عبداللہ خاں بھی رہتا ہے جو چترال کے سابق میروں کی اولاد میں ہے اور جس کو چترال کی خانہ جنگیوں کے سلسلہ میں مخالفوں نے یہاں کے لوگوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا لیکن لنگر کے لوگوں نے اس کو آزاد کر دیا ہے۔ اور اس کے رہنے کے واسطے مکان بنوایا ہے۔ اور اس کی شادی بھی کر دی ہے۔ اور اسکی ہر طرح مہمانی کرتے ہیں اور کسی قسم کی اعانت سے ہاتھ نہیں روکتے۔

بزائے گنبد | لنگر سے ۱۸ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ ۱۳۴۰۰ فیٹ بلند ہے۔ بزائے گنبد ایک شخص کا نام تھا جس کو گنجودی لوگوں نے شہید کر دیا تھا۔ اس کی قبر یہیں ہے۔ اور اس پر ایک گنبد بھی ہے اسی وقت اس قریہ کا نام بزائے گنبد پڑ گیا۔

یہاں چھوٹے بڑے سات گنبد ہیں۔ اور چوکور شکل کی ایک حویلی ہے جس کے نیچے قبریں ہیں۔ یہ مقام وسیع ہے اور یہاں بڑے بڑے کئی باغات ہیں۔ باشندے ترکی زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتے۔

راستے یہاں سے ایک منزل کے بعد ایک علاقہ خطائی آتا ہے۔ وہاں بھی انہی قرغز لوگوں کی آبادی ہے خطائی سے یارقند ۸ منزل ہے یعنی آٹھ دن کا راستہ ہے۔ یہاں سے ایک راستہ کنجوت گیا ہے۔ جہاں کے پہاڑ ہمیشہ اور ہر موسم میں یخ اور برف میں چھپے رہتے ہیں۔ خطائی سے کنجوت ۲۰۰ کوس ہے۔

اندمین بزائے گنبد سے ۱۱ کوس ہے اور ۱۳۸۰۰ فیٹ بلند ہے۔ قرغز قبیلہ کے لوگوں کی آبادی ہے۔ بزائے گنبد اور اندمین کے درمیان تمام میدان ہے اور بہت وسیع اور ہموار جگہ ہے۔ اور چمن زار ہر طرف ہیں۔ اس حصہ میں پہاڑوں سے چشمے نکل کر آتے ہیں۔ اور ان سب چشموں کا پانی ایک نہایت ہی گہرے حصہ میں چلا جاتا ہے۔ جو ایک خوبصورت جھیل کی مانند ہوگیا ہے۔ جو ایک میل لمبا اور اس سے کچھ ہی کم چوڑا ہے۔ لنگر بزائے گنبد واخان وغیرہ میں بھی یہاں سے اس قسم کے چشمے گئے ہیں جو آگے چلکر دریائے پامیر کلاں میں گرتے ہیں، اور کئی چشمے شغنان اور درہ بارتنگ ہوتے ہوئے روس چلے جاتے ہیں جہاں دریائے آمو یہ میں گرتے ہیں چشموں کے تالاب کو یہاں کے لوگ "چلاپ" کہتے ہیں۔ چلاپ کے قریب اور اس کے ارد گرد بہت سرسبز اور خطرناک جنگل ہے۔ اس میں بہت سے موذی اور خطرناک درندے اور عظیم الجثہ جانور ہیں۔

اور خود اندمین ایک وسیع میدان ہے۔ جو سرسبز ہے اور جس میں چمن زار بہت ہیں۔ یہاں کے قرغز لوگوں کی عورتیں اپنے سروں پر ململ کا صافہ باندھتی ہیں۔ ایک تھان سے زائد کپڑے کا صافہ ان کے سروں پر گٹھری سا نظر آتا ہے مگر وہ بالکل مردوں کی طرح باندھتی ہیں اور ایک ناواقف آدمی کیلئے عورت نہیں بلکہ مرد ہیں۔ وہ چمڑے کے موزے بھی پہنتی ہیں اور اپنے مردوں سے زائد ہمت و جرأت کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ اندمین میں تنفس کا عارضہ بہت ہے۔ گھوڑے اور انسان اس مرض میں زیادہ مبتلا رہتے ہیں اور اکثر ہلاک بھی ہو جاتے ہیں۔ اندمین میں اس مرض کا نام "توتک" ہے۔

یمان، چلق، بخمیر یمان چلق اندمین سے نو کوس دور ہے، اور ۱۴۰۲۰۰ فیٹ بلند ہے۔ راستہ میں افغانستان اور روسیہ کے درمیان حد بندی کے طور پر مینارے ہیں۔ یہاں بھی ایک بڑا تالاب ہے جس میں مرغابی اور قاز وغیرہ جانور ہمیشہ چکر کاٹتے رہتے ہیں۔ یمان چلق کے قریب ایک درہ ہے جہاں ایک بڑے پتھر پر حسب ذیل عبارت کندہ ہے۔

> یوم سہ شنبہ ۲۴ سنبلہ ۱۳۱۰ محمد نادر خان غازی
> وزیر حربیہ افغانستان

اس پتھر کے قریب ہی بہت سے مینارے ہیں جس کے بالمقابل روسی چھاؤنیاں ہیں۔ یہ موضع معمولی قسم کا سرسبز ہے

یہاں نہ چمن ہے نہ درخت۔ اس لئے اس کو یہان جلق یعنی "بے رونق جگہ" کہتے ہیں۔ یہاں کھیتی وغیرہ کچھ نہیں ہوتی، اور نہ جانوروں کے چارہ کیلیے باقاعدہ چراگاہیں ہیں۔ اس کے قریب ہی ایک پہاڑ ہے جس کا ایک رُخ روس میں ہے، اور دوسرا افغانستان میں ہے۔ افغانی لوگ اس پہاڑ کو "بامِ دُنیا" کہتے ہیں۔ یہاں پر آہو کے درخت بہت ہیں، اور بہت بڑے بڑے ہیں۔ یہان جلق کے آہو کے درخت تمام بدخشان میں مشہور ہیں۔

آب و ہوا بہت مُضر صحت اور انتہائی مرطوب ہے۔ کمزور آدمی اور گائے اور مُرغ یہاں زندہ نہیں رہتے۔ یہاں کے لوگوں کی ضروریات بھیڑوں اور گھوڑوں سے پوری ہوتی ہیں۔ مویشیوں کی غلاظت آگ جلانے کا کام لیا جاتا ہے کیونکہ لکڑیاں اس قدر سیلی ہوتی ہیں کہ وہ جلتی ہی نہیں ہیں۔

دُودھ گوشت عام خوراک ہے۔ روٹی ان اطراف میں بہت کم میسّر آتی ہے۔ کیونکہ سخت سردی اور برفباری کی وجہ سے تنور میں آگ نہیں جلتی اور روٹی نیم پختہ اور خراب ہوکر رہجاتی ہے۔ سخت سردی کی وجہ سے ہی زراعت کامیاب نہیں ہوتی۔ اس علاقہ میں بارش نہیں ہوتی۔ بلکہ مسلسل اور متواتر برفباری ہوتی رہتی ہے۔ قرغز لوگوں کی آبادی ہے جو بھیڑوں اور اونٹوں کی گلہ بانی اور ان کے تبادلۂ اجناس سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

چند عجیب و غریب چشمے

ان اطراف میں عجیب و غریب نوعیت کے چشمے پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

(۱) نرس و شلک کے نواح میں (اس مقام کا ذکر ہو چکا ہے) ایک چشمہ ہے جس کا پانی ایک دیگ کے پانی کے مانند ہے جس کے نیچے خوب آگ جل رہی ہو اور پانی جوش کھا رہا ہو۔ اسی طرح اس چشمہ کا پانی گو کہ سرد ہے لیکن فوارہ سے زیادہ زور کے ساتھ نکلتا ہے اور ہوا میں چکراتا اور جوش مارتا ہے زمین سے نکلتے وقت پانی میں بہت قوت ہوتی ہے اور وہ اپنے سامنے کی ہر چیز کو پھینک دیتا ہے۔ اس کو چکھنے سے معلوم ہوا کہ اس میں گندھک کا جزو ہے۔ اور اس کی بُو سے بھی گندھک کا پتہ چلتا ہے۔ گلاس میں لینے کے بعد بھی پانی میں جوش آتا رہتا ہے اور چاروں طرف سُرخ سُرخ جھاگ نظر آتے ہیں۔ اس چشمہ کا پانی جہاں جہاں گیا ہے۔ زمین اور اس کے کنارے سُرخ ہو گئے ہیں۔

(۲) نرس و شلک ہی میں ایک چشمہ اور بھی ہے جس کا پانی گرم ہے۔

(۳) اور گند اور نگیش کے درمیان بھی ایک چشمہ ہے جو ماہ سنبلہ اور ماہ میزان میں ریگ سے نکلتا ہے اور اس کا پانی اس قدر گرم ہوتا ہے۔ کہ کوئی نہ تو پانچ منٹ تک پانی میں ہاتھ ڈال سکتا ہے اور نہ چشمہ کی مٹی یا ریگ کو ہاتھ میں

رکھ سکتا ہے لیکن ان دو مہینوں کے علاوہ نہ اس چشمہ میں پانی ہوتا ہے اور نہ ریت میں یہ گرمی ہوتی ہے۔

(۴) بابا تنگی مقام میں دریا کو عبور کرنے کے بعد ایک چشمہ ہے جس کا پانی بہت ہی گرم ہے۔ انتہا سے زائد کھولتا ہوا۔ یہانتک کہ مرغی کا انڈا تین منٹ میں اُبل جاتا ہے۔

(۵) بزائے گنبد کے اطراف میں گرم پانی کا ایک چشمہ ہے جو ایک مکان کے اندر سے نکلتا ہے۔

(۶) یمان چلق کے مینارہائے حد بندی سے دو میل دور ایک چشمہ نکلتا ہے جس کا پانی بھیگے چونے کی طرح جوش مارتا ہے لیکن پانی بہت ہی ٹھنڈا ہے۔ اس مقام پر شدتِ سرما کا یہ عالم ہے کہ چشمہ سے پانی نکلتے ہی چند قدم پر پتھر کی طرح سخت ہوجاتا ہے۔

(۷) چھٹے چشمہ کے قریب ایک سبزہ زار کو عبور کرنے کے بعد کھولتے ہوئے گرم پانی کا ایک اور چشمہ ہے۔ ان دونوں چشموں کو یمچیر کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ گرم و سرد کھولتے ہوئے پانی کے اور بھی کئی چشمے ہیں جو ان اطراف میں پائے جاتے ہیں۔ گرم پانی کے چشمے سخت سردی میں لوگوں کیلئے رحمت ہیں۔

پامیر کلان

پامیر خورد کی طرح پامیر کلاں بھی ایک وسیع درہ ہے۔ لیکن پامیر خورد سے زیادہ طویل ہے۔

کھیتوں اور درختوں کا یہاں بھی وجود نہیں ہے صرف چراگاہیں پائی جاتی ہیں۔ دونوں پامیروں کی آب و ہوا یکساں ہے ایک ہی قبیلہ اور خاندان کے لوگ دونوں جگہ آباد ہیں۔ باپ پامیر خورد میں ہے تو بیٹا پامیر کلاں میں۔ ایک بھائی پامیر کلاں میں ہے تو دوسرا پامیر خورد میں۔ درۂ پامیر کلاں میں ایک بہت بڑا تالاب ہے جس کی لمبائی دس کوس اور چوڑائی دو کوس ہے۔ اس تالاب میں مختلف پہاڑوں سے آکر پانی جمع ہوتا ہے جب تالاب میں پانی بڑھتا ہے تو یہ دونوں طرف سے بہتا ہے۔ اس تالاب کے وسط سے روس اور افغانستان کی حد بندی ہوتی ہے۔ مغربی سمت کا آدھا تالاب روس کے قبضہ میں ہے۔

روسی۔ انگریزی۔ چینی اور افغانی سرحدوں کا سنگم

افغانستان کا وہ حصہ جس کو سرحدوں کا سنگم کہنا چاہئے پامیر خورد اور پامیر کلاں اور اس کے اطراف کا علاقہ ہے کیونکہ روس، چینی ترکستان، افغانستان اور انگریزی علاقوں میں حد فاصل انہی مقامات سے قائم ہوتی ہے خصوصیت سے روس اور افغانستان کی سرحدیں تو پامیرات ہی میں ملتی ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ دریا کے اُس پار روس اِس پار افغانستان پہاڑ کا ایک گوشہ اور ایک رُخ روس میں اور دوسرا رُخ افغانستان میں تالاب کا آدھا حصہ روس میں اور آدھا افغانستان میں۔

پامیر کلاں کے تالاب اعظم سے جس کو انگریز "لیک وکٹوریہ" کہتے ہیں ایک سرحدی خط کھنچا ہے جو کوتل سے برگذ آتا ہے اور کوہ اندمین کے شمالی جانب پامیر خورد تک پہنچتا ہے۔ اور نو میل تک دشت فرہ میں سے گزرتا ہے جس میں جگہ جگہ پر بطور نشان مختلف

مینارے کھڑے ہوئے ہیں۔ اس میدان سے گزر قلعہ جزارہ پر ختم ہوتا ہے۔ تالاب پامیر کلاں سے قلعہ مذکورہ تک بارہ مینارے سرحدی خط فاصل کے طور پر بنائے گئے تھے جو روسیہ اور افغانستان کی سرحدوں کی علامت ہیں۔ پامیر خورد کے جنوبی جانب ایک پہاڑی سلسلہ چلا گیا ہے جو افغانستان کے قبضہ میں ہے۔ لیکن وہ حصہ جو سرقول، تاشقرغان اور یارقند کی طرف چلا گیا ہے۔ وہ انگریزی اور افغانی سرحدوں کا نشان ہے۔

افغانیوں اور انگریزوں نے مفصل اور باقاعدہ طور پر اپنے اپنے علاقوں کی حدبندی اور سرحدی مقامات کا تعین کر لیا ہے۔ انگریزوں کے قبضہ میں ترکستان کا کوئی حصہ نہیں ہے لیکن وہ سرحدی ترکستان تک قابض ہیں۔ پامیرات کا علاقہ، افغانی ترکستان، چینی ترکستان اور روسی ترکستان کے علاقوں کو ملا دیتا ہے اور سب سے قریب واقع ہے۔

ان سرحدی مقامات اور خطوں کے علاوہ کئی دریا اور سڑکیں بھی ہیں۔ جو سرحدی حد فاصل کا کام دیتی ہیں۔

پامیرات اور واخان کی تاریخ کا ایک حصہ

پرانے لوگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ پامیرات قدیم زمانہ میں خطائی حکومت کے ماتحت سلطنت چین میں شامل تھا۔ اسی زمانہ میں فرغانہ سے ایک شخص خدایار خاں اٹھا۔ اور پامیرات اور اس کے گردو نواح پر قابض ہو گیا۔ اس کے علاوہ اس نے چین کے بھی مختلف حدود فتح کئے تھے۔ خطائی بادشاہ نے مخالف ہو کر پامیرات کا علاقہ اس کو دے دیا۔ خدایار خان نے اپنی حکومت میں اپنا لقب "قوش بیگی" مشہور کیا تھا۔ اس نے پامیرات وغیرہ پر ۳۰ سال حکومت کی اور اپنے خسر کے ہاتھوں زہر سے ہلاک کر دیا گیا۔

قوش بیگی خدایار خاں کی وفات کے بعد پامیرات کے علاقہ پر پھر خطائی بادشاہ نے قبضہ کر لیا۔ اور استحکام حکومت کے لئے پامیر خورد کے قریب کوہ اختاش پر ایک مضبوط چھاؤنی قائم کی جس میں فوج کا ایک دستہ رہتا تھا۔ اور اس چھاؤنی کا افسر اعلیٰ چینی باشندہ "چنگ ونگ" تھا۔ ایک زمانہ تک خطائی بادشاہ اطمینان سے پامیرات وغیرہ پر حکومت کرتا رہا لیکن حکومت روس نے قوت پکڑی تو پامیرات کے لئے خطائی بادشاہ چین اور روس میں جنگ ہوئی جس میں چینیوں کو شکست ہوئی اور روس فرغانہ، مرغاب اور پامیرات کے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ روسیوں نے اختاش کی چھاؤنی برباد کر دی اور وہاں کی تمام فوج کو مار ڈالا۔ اور خود کوہ اختاش سے کچھ فاصلہ پر موضع "قزل رباط" میں ایک مستحکم چھاؤنی قائم کی چنانچہ ایک عرصہ دراز گزرا جب کہ زار بادشاہ روس کا زمانہ تھا تو افغان انگریزی اور روسی سرحدوں کے معاملات کو طے کرنے کے لئے اسی مقام پر ایک کانفرنس ہوئی تھی جس میں روسی، انگریزی اور افغانی نمائندے شریک ہوئے تھے اور سرحدوں کی حدبندی کے معاملات کو طے کرنے کے لئے

یہاں بہت دنوں تک ٹھہرے تھے اور مختلف نقشے وغیرہ بنائے گئے تھے۔ اور پھر ہر ملک کی حد پر بطور نشان مختلف مینار تعمیر کئے گئے تھے۔

لیکن حد بندی کے چند دنوں کے بعد ہی مرغاب کے لوگوں نے روس کے خلاف بغاوت کی اور "قزل رباط" چھاؤنی کو برباد کر دیا، اور روسی لوگوں نے بھاگ کر انگریزی علاقہ میں پناہ لی۔

"منزل پنجہ" میں ایک شخص محمد عمر رہتا ہے۔ جس کی عمر کہتے ہیں ایک سو بیس سال ہے۔ وہ اب تک لاٹھی ٹیک کر چلتا ہے۔ اُس کی بینائی کم ہے اور حواس بھی معطل ہو چلے ہیں اور کثرتِ عمر کی وجہ سے اُس کے کان سے سُنائی بھی کم دیتا ہے۔ یہ شخص ان اطراف میں سب سے زیادہ معمر ہے۔ اس سے سوال کیا گیا کہ کیوں جناب! آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں اتنا معمر ہوں کہ حساب لگا کر بھی اپنی عمر کا تخمینہ نہیں بتا سکتا۔ ہاں اتنا مجھے یاد ہے کہ میر کوہکن بیگ قطغن کے علاقہ سے فوج لیکر بڑھا تھا اور واخان پر قابض ہو گیا تھا۔ واخان کا بادشاہ بھاگ کر چترال چلا گیا تھا لیکن میر کوہکن بیگ نے چترال تک اُس کا پیچھا کیا تھا۔ لیکن جب بڑے میاں سے میر کوہکن بیگ کے متعلق تفصیلات پوچھی گئیں تو بڑے میاں نے انکار کر دیا۔ لیکن ایک دوسرے شخص میر سربلند خان کا جس کی عمر ۶۰ سال کی ہے، بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سُنا تھا کہ میرا بڑا بھائی (سربلند خان کا چچا) محمد رحیم خان واخان کا میر اور حاکم کلاں تھا۔ اور کوہکن بیگ کا بھائی محمد علی بیگ قطغن سے آکر بدخشان کے تمام علاقہ پر قابض ہو گیا۔ لیکن جب وہ واخان کی طرف بڑھا تو محمد رحیم خان نے قلعہ بند کر لیا اور اس ترکیب سے لڑا کہ محمد علی بیگ کو شکست ہوئی۔ اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور وہ جان سے مارا گیا۔

کوہکن بیگ کو جب بھائی کی موت اور شکست کی خبر ملی تو وہ انتقام لینے کے لئے بڑھا اور ایک جرار فوج لے کر واخان پر حملہ آور ہوا۔ محمد ابراہیم خان چترال کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن کوہکن تعاقب کرتا ہوا چترال پہنچا۔ اُس زمانہ میں مہتر چترال امان الملک کے والد تھے۔ انہوں نے کوہکن کی خوب خاطر و تواضع کی لیکن محمد رحیم خان کو دوسری طرف سے نکال دیا، اور کوہکن بیگ سے کہا کہ وہ یہاں آیا ہی نہیں ورنہ ضرور حوالہ کر دیا جاتا۔ دوسری طرف مہتر چترال نے یہ حکمت کی کہ کوہکن بیگ کے ایک معتمد کو روپیہ اور جواہرات کا لالچ دیکر کوہکن کے قتل پر آمادہ کر لیا۔

ایک دن جب کوہکن بیگ پہاڑ کی چوٹی سے دریا کا منظر دیکھ رہا تھا تو اُس معتمد نے موقع کو غنیمت سمجھ کر زور سے دھکا دے دیا۔ نیچے دریا تھا۔ کوہکن بیگ پہاڑ سے لڑھکتا ہوا دریا میں گرا اور مر گیا۔ اس کی فوج کو جو چترال

میں پڑی ہوئی تھی جب اس کے مرنے کی خبر پہنچی تو وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ میر محمد رحیم بیگ کے لئے میدان صاف تھا فوراً واخان کے میر بن گئے۔ لیکن جب کوہکن بیگ کے بھائی کو اس سازش اور بھائی کی موت کی خبر پہنچی تو وہ بہت بگڑا اور پہلے بدخشان کا میر بنا اور سب حریفوں کو زیر کرنے کے بعد پھر محمد رحیم بیگ کو بھی مطیع کرنا چاہا لیکن رحیم بیگ نے اس کی اطاعت قبول نہ کی۔ اسی اثناء میں کوہکن کے بیٹے نے میر رحیم بیگ کو قتل کر دیا۔ رحیم بیگ کے بعد میرا (سربلند خاں کا) والد فتح علی خان واخان کی میری کی گدی پر بیٹھا کیونکہ وہ محمد رحیم بیگ کا چھوٹا بھائی تھا"

خلاصہ یہ کہ زمانۂ سابق میں پامیرات وغیرہ کے لوگ واخان کے میروں کے ماتحت تھے۔ چنانچہ اب تک ان علاقوں میں میر جان خان اور میر فتح علی خان کی یاد تازہ ہے کیونکہ یہ لوگ ظالم نہ تھے اور بجائے نقد روپیہ وصول کرنے کے روغن، بھیڑ، بکری، گھوڑا، باز، یابو، کنیزیں اور غلام مالیہ کے عوض وصول کرتے تھے لیکن یہ بھی بہت برا دور تھا بلکہ جوان اور منتخب لڑکیاں اور خوبصورت لڑکے مالیہ میں دیے جاتے تھے اور پھر اس کے بعد ایک دور ایسا بھی آیا جبکہ چترال اور یاغستان کے لوگوں نے پامیرات اور واخان کے لوگوں کو شبخون مار مار کر پریشان کر رکھا تھا۔ اور ان کی ساری پونجی ان ڈاکوؤں نے لوٹ لی تھی۔ یہ ڈاکو مسلسل ایسا کرتے رہے کہ اس علاقہ کے لوگوں کے مویشی چرا لے گئے۔ لڑکیاں اور لڑکے اور جوان جوان عورتیں جبراً چھین لیں اور لے گئے۔ ان تمام مصیبتوں اور میروں کی خانہ جنگیوں اور ڈاکوؤں کی شورشوں کی وجہ سے یہاں کے لوگ سخت پریشان تھے۔ کہ حضرت ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمن مرحوم نے بدخشان اور قطغن پر قبضہ کر لیا۔ اور ہر طرح کا امن ہر طرف قائم کر دیا۔ جب سے بدخشان اور قطغن کا علاقہ افغانستان کا ایک صوبہ قرار پایا ہے اُس وقت سے امن وامان اور آسودہ حالی ہر طرف نظر آتی ہے۔ اور ہر شخص چین سے زندگی بسر کرتا ہے۔

قلعہ سنگی خندوز سے قریب ہے اور روسی علاقہ کے متصل ہی پہاڑ پر ہے۔ یہاں پتھر کا ایک بہت ہی پرانا قلعہ ہے جس کے نام پر یہ مقام مشہور ہو گیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ قلعہ کب تعمیر کیا گیا تھا۔

بوڑھے لوگوں سے بھی جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو وہ بھی کچھ نہ بتا سکے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ کو بھی اس کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔

بہرحال اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ قلعہ بہت پرانا ہے اور کافروں کے وقت کا ہے۔ مشہور ہے کہ اس پہاڑ کے کسی حصہ میں لعل کی کان بھی ہے لیکن ابھی اس کی تحقیق نہیں ہوئی ہے۔

واخانی زبان واخان اور پامیرات کے ان سب

علاقوں میں ایک خاص زبان بولی جاتی ہے۔ جو فارسی، ترکی وغیرہ سے مرکب معلوم ہوتی ہے۔ یہاں کے باشندے اس زبان میں شاعری بھی کرتے ہیں اور اکثر لکڑی کے "رباب نما" باجہ پر افغانی اشعار اور نغمات کو چلتے پھرتے یا کسی تقریب میں جھوم جھوم کر گاتے ہیں۔

شغنان | دوسرے درجہ کی علاقہ داری ہے۔ اور قراخان و پامیرات سے ملحق ہے۔ آبادی دامنِ کوہ میں واقع ہے۔ شغنان کے بعض دیہات انتہائی پستی میں ہیں۔ اور بعض بلندی پر واقع ہیں۔

شغنان ایک درہ ہے جس کی لمبائی ۲۰ کوس ہے۔ شمال وجنوب کی طرف دریائے آمو یہ بہتا ہے۔ ہوا بہت سرد ہے اور برف باری بے انتہا ہوتی ہے۔ کھیتی باڑی بھی بہت کم ہے۔ لوگوں کا رنگ گورا ہے۔ فارسی سے ملی جلی ایک خاص زبان بولتے ہیں۔ عام مذہب آغاخانی ہے۔ نماز کی پابندی مطلق نہیں ہے۔ زیباک اور واخان کے آغاخانیوں کی طرح شیعہ ہیں۔ اور اپنے نائب اور اپنے رہبر اعظم آغاخان کی جان و دل سے عزت کرتے ہیں۔ اور اپنی آمدنی کا دسواں حصہ ہر سال آغاخان کو بھیجتے ہیں۔

شغنان قدیم زمانہ میں بہت وسیع مقام تھا، اور آبادی بھی بہت زیادہ تھی، اور دریائے آمو یہ شغنان کے تمام حصوں میں بہتا تھا۔ شاخ درہ، درہ غند، اور یارتنگ

مقامات سب شغنان میں شامل تھے، اور حکومت افغانستان کے قبضہ میں تھے لیکن جب افغانستان اور روس کی سرحدوں کی حد بندی ہوئی تو تصفیہ میں وہ تینوں درے جو دریائے آمو یہ کے اس پار ہیں روس کے حصہ میں چلے گئے۔ گویا شغنان افغانی اور روسی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ چنانچہ اب افغانی شغنان کی آبادی ۹۰۰۰ ہے، اور اس سے زیادہ آبادی روسی شغنان کی ہے۔

زراعت | گیہوں، جو، باقلا، مشنگ، اور کلول عام پیداوار ہے۔ زمین سے بہت کم غلہ پیدا ہوتا ہے، اور یہ پورے سال کی خوراک کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

میوے | میوے البتہ کافی پائے جاتے ہیں۔ توت، زردآلو سیب، ناک، شفتالو، چہار مغز وغیرہ بہت ہیں۔

صنعت | جُراب، دستانے، اور برک گڈی بکری کے بالوں سے بنائے جاتے ہیں۔ اور پلاس و گلیم وغیرہ بھیڑ کے اُون اور کبھی بکریوں کے بال سے بناتے ہیں۔ یہ سامان خود استعمال کرنے کے لئے تیار کرتے ہیں لیکن جب ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے تو فروخت کر دیتے ہیں۔

خوراک | یہاں کے لوگوں کی خوراک انتہائی خراب ہے۔ عام طور پر لوبیہ کے دانے پکا کر کھاتے ہیں۔ لوبیہ کی بھجیا بے نمک و تیل و مرچ کے محض پانی میں اُبلی ہوئی اور یا نمک ڈال کر یہاں کی عام خوراک ہے۔ جو، جوار یا گیہوں کی روٹی

کبھی کبھی انتہائی لذیذ اور قیمتی کھانے کی طرح مل جاتی ہے۔ سال کا زیادہ حصہ لوبیہ کے دانوں، (باقلہ) کو کھاتے ہوئے بسر کرتے ہیں۔

ابتدائے موسم بہار میں جبکہ غلہ بالکل نہیں رہتا تو ان لوگوں کی خوراک اور بھی قابلِ رحم ہو جاتی ہے۔ بہار کے دنوں میں جنگلی پتوں اور میووں پر ہی یہاں کے لوگ گزارہ کرتے ہیں۔

پوشاک مالدار لوگ ململ کے صافے اور لنگیاں سروں پر باندھتے ہیں اور موزہ پہنتے ہیں۔ اور غریب لوگ لکڑی کی کھڑاؤں پہنتے ہیں۔ اور کھڑاؤں پہنے پہنے ہی بڑی لمبی لمبی مسافتیں طے کرتے ہیں۔ اور جو کپڑا پہنتے ہیں وہی پہنے رہتے ہیں

رسوم و عادات شغنان کے لوگوں میں ایک خاص رسم پائی جاتی ہے جو افغانستان کے کسی حصہ میں نہیں ہے اور وہ یہ کہ جب ان کے دیہات یا ان کے موضع میں کوئی پیر خلیفہ، حاکم آتا ہے تو یہ لوگ اس کا استقبال بہت شان سے کرتے ہیں۔ اور اس دیہات کی حسین اور خوبصورت عورتیں اور لڑکیاں خوب آراستہ پیراستہ ہو کر جوق درجوق گلیوں میں اور اپنے مکانوں میں اور مکانوں کی چھتوں پر دف بجاتی ہیں۔ ناچتی کودتی ہیں۔ اور آنے والے مہمان کی خدمت میں اپنی خوشی کا نذرانہ پیش کرتی ہیں۔

یہاں کے لوگ غزلیں گانے اور اشعار پڑھنے، محفلیں رچانے اور رباب و چنگ اور طنبورہ و دف بجانے کے بیحد شوقین ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو غمزہ پینے اور تریاک کھانے (منشی چیزیں ہیں) کی لت ہے۔ تیس فی صدی عورت و مرد اس میں مبتلا ہیں۔ اسی وجہ سے ان لوگوں میں بہت سی بداخلاقیاں ہو گئی ہیں۔ جب عورتوں کے پاس غمزہ یا تریاک نہیں ہوتا تو وہ عصمت فروشی تک پر آمادہ ہو جاتی ہیں اور مرد اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو تریاک اور غمزہ کے عوض میں فروخت کر دیتے ہیں۔

یہاں اگر کوئی بیمار پڑے تو طبیب ملنا مشکل ہے۔ بڑھیا عورتیں ہی جو کچھ کہدیں وہی علاج ہے۔

اسلحہ شغنان کے لوگوں کے پاس میروں کے زمانے میں کثرت سے بندوقیں تھیں۔ لیکن حکومت افغانستان کے ابتدائی دور میں یہاں کے باشندوں نے بغاوت کی تھی جس کی تعزیر کے طور پر ان لوگوں سے ساری بندوقیں تلواریں، اور یراق ضبط کر لی گئی تھیں چنانچہ اب تک ان لوگوں کے پاس ۳۰ - ۴۰ شکاری بندوقوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں ہے۔

نہر اور آبادی کے نشانات شغنان کے قریب دشت اُوبر میں آبادی اور شہر اور نہر کے نشان ملتے ہیں۔ یہ نہر شغنان کے دریا سے نکالی گئی تھی جو کہ تھوڑے فاصلہ پر بہتا ہے۔ نہر کے کنارے ایک بڑے پتھر پر اس آبادی اور اس نہر کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ یہ نہر ۱۳۰۲ھ میں میر محمود شاہ نے بنوائی تھی لیکن اب اس مقام پر کوئی آبادی نہیں ہے اور نہر بھی ویران

ہوگئی ہے۔

مویشی شغنان کے لوگ مویشی بہت پالتے ہیں۔ کیونکہ یہی ان کی سب سے بڑی زمینداری ہے۔ مویشیوں کے لئے چارہ فراہم کرنے اور اس کو محفوظ رکھنے میں بڑی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ کیونکہ سردی اور برفباری بہت ہوتی ہے۔ اور اگر چارہ ختم یا خراب ہوجائے تو مویشیوں کی زندگی کی صورت کوئی نہ رہے۔ اس لئے یہ لوگ گرمیوں میں جانوروں کے لئے زیادہ سے زیادہ چارہ فراہم کرتے ہیں اور پھر اس کو انتہائی احتیاط سے محفوظ رکھتے ہیں۔ میدانوں میں کھلیان کی قسم کے مکانات بناتے ہیں۔ وہ اتنے مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں کہ ان کو برفباری اور شدید سردی سے نقصان نہیں پہنچتا۔

شغنان کی منزلیں شغنان سے اوبر تک ۳ کوس کی مسافت ہے اور شغنان ۱۸۰۰ فیٹ بلند ہے اور اوبر سے رباطلک تک دو منزلیں ہیں، اور رباطلک سے تاتاج تک ۳ منزلیں ہیں۔ اور تاتاج سے مرود علاقہ درواز تک ۵ منزلیں ہیں۔ روسی شغنان میں ۱۴۱ دیہات ہیں اور افغانی شغنان میں اکیس دیہات ہیں۔

غند، شاخدرہ، یارتنگ یہ مقامات درے ہیں اور قریب واقع ہیں۔ شاخدرہ اور غند سے پامیر خورد کا راستہ ۷ منزلوں کا ہے۔ درۂ شاخ کے راستے میں موسم سرما میں برف کم پڑتی ہے اور غند کا راستہ گرمیوں کے سفر کے لئے مناسب ہے۔ ان دونوں مقامات پر پہاڑوں سے جو پانی بہتا ہوا آتا ہے وہ آگے جاکر موضع خارق میں (روسی چھاؤنی کا مقام ہے اور روسی حد میں ہے) دریائے آمویہ سے ملتا ہے۔ درۂ یارتنگ کے مقام پر حوض اعظم کا پانی بہتا ہوا آتا ہے اور دریائے آمویہ میں ملتا ہے۔

"حوض اعظم" کے متعلق اس طرف یہ روایت مشہور ہے کہ آج سے چھ سال پہلے اس حصہ میں ایک مہلک زلزلہ آیا تھا اور اس بستی کے کنارے پہاڑ کے دامن میں دریا بہتا تھا۔ زلزلہ سے پہاڑ کا ایک حصہ دریا میں گر گیا۔ اور اس کی شکل ایک عظیم الشان حوض کی ہوگئی

یہاں کے لوگ زلزلہ کے بعد بھاگ گئے کیونکہ انکے مکانات تہہ آب ہوگئے تھے اور انکے مویشی ڈوب گئے تھے۔ یہ حوض اعظم جس کو جھیل کہنا بیجا نہ ہوگا ۳۰۔۴۰ کوس کے حلقہ میں واقع ہے۔ ایک جگہ پہ پانی نے جمع رہتے رہتے کسی حصہ میں سوراخ کرلیا ہے جہاں سے پانی بہہ بہہ کر دریائے آمویہ میں گرتا ہے اور اس تالاب میں برف اور چشموں کا پانی آکر جمع ہوجاتا ہے۔ شاخ درہ کے ماتحت ۲۰ گاؤں ہیں اور درۂ غند کے ماتحت ۱۴ گاؤں ہیں اور درہ یارتنگ کے ماتحت ۱۹ گاؤں ہیں۔

سرشخ ۸۸۵۰ فیٹ بلند ہے۔ بہت وسیع

زرخیز اور زراعت کی پیداوار کے لئے مشہور مقام ہے۔

سرشخ کے اطراف میں دو عجیب وغریب چشمے ہیں۔ایک کا پانی گرم ہے اور چشمہ سے نکلنے کے چند قدم بعد زرد و سفید پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ کچھ حصہ زرد پتھر بن جاتا ہے اور کچھ سفید پتھر۔ دوسرے چشمے کا پانی بھی گرم ہے۔ یہ بھی تھوڑی دور بہنے کے بعد فیروزہ کی طرح جم جاتا ہے۔

مزے میں دونوں چشموں کا پانی سوڈے کی طرح ہے۔ ان چشموں کے اردگرد سبز گھاس اُگی ہوتی ہے۔ اور ان چشموں کے قریب پہاڑ کی بلندی سے نہایت صاف وشفاف پانی کی ایک بہت ہی خوبصورت اور دل آویز آبشار گرتی ہے جس کا منظر بہت خوشنما ہے اور ہر دیکھنے والے کے دل کو لبھا لیتا ہے۔ اشکاشم سے شغنان آنے کے لئے پہلی منزل یہی سرشخ ہے۔

انداج ۰۵۶۸ فیٹ بلند ہے اور سرشخ سے ۹ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ زمین کاشت کے قابل ہے۔ سیاہ خار زرشک، یخمن اور بید کے بے شمار درخت ہیں اور یہ مقام اشکاشم و شغنان کی دوسری منزل ہے۔

بدار انداج سے دس کوس پر ہے اور ۰۲۰۸ فیٹ بلند ہے۔ راستہ دشوار گزار اور پتھریلا ہے۔ راستہ میں چراگاہیں بہت ہیں اور بید۔ سیاہ خار۔ شبال یخمن، اور جنگلی گلاب کے بے شمار درخت بھی ہیں۔ یہاں آبادی تاجک قبائل کی ہے۔ مشنگ اور باقلہ عام پیداوار ہے۔

حضرت شیخ بید کا مزار بدار کے ایک قریہ میں ہے جو بہت ہی خوبصورت جگہ ہے اور جہاں ہر قسم کے میوے کی افراط ہے۔ ناک، سیب، اور عرعر کے درخت خصوصیت سے بہت ہیں۔ حضرت بید کی زیارت پر ایک عظیم الشان بید کا بہت ہی پرانا درخت لگا ہوا ہے جس کی بڑی بڑی اور گھن دار شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ گاؤں والوں نے بزرگ کا نام ہی بید رکھ دیا ہے اور اس گاؤں کو مزار اور بید سے شہرت دیدی ہے۔

مزار بید گاؤں کے سامنے ایک اور گاؤں ہے جس کا نام کوہ لعل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس پہاڑی میں قیمتی لعلوں کی ایک کان ہے۔ بدار کے قریب دریا کے پار کا حصہ روسی علاقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

بدار اشکاشم و شغنان کی تیسری منزل ہے۔

درمارخت اس کا دوسرا نام درمارغ بھی ہے۔ بدان سے چار کوس پر واقع ہے اور ۲۰۷۷ فیٹ بلند ہے۔ یہاں کے لوگ بہت خراب اور گندے کپڑے پہنتے ہیں اور بہت خراب کھانا کھاتے ہیں، یہ اشکاشم و شغنان کے راستہ کی چوتھی منزل ہے۔

ادیر شغنان درمارخت سے ۱۱ کوس پر واقع ہے۔ اور ۰۰۱۸ فیٹ بلند ہے۔ راستہ بے حد پیچیدہ ہے۔

اور "مار اسپ" کا مقام جو راستہ میں پڑتا ہے جس کی بلندی ۱۱۷۸۰ ہے اور بھی دشوار گزار ہے۔ اس موضع کی دوسری جانب روسی علاقہ ہے۔ جہاں ان کی چھاؤنی بھی ہے۔
یہ مقام شغنان تک پہنچنے کے لئے پانچویں اور آخری منزل ہے کیونکہ یہاں سے تین کوس پر شغنان کی حکومت کا مرکزی مقام بارہ درہ ہے اور بارہ درہ سے تین کوس کے فاصلہ پر پیدہ مقام ہے جو ۸۰۰۰ فیٹ بلند ہے اور جس کے راستہ میں نشیب و فراز بہت ہے۔

حدا جگدرہ یہ مقام ۱۰۰۵۰ فیٹ بلند ہے اور پیدہ سے چھ کوس پر واقع ہے۔ حدا جگدرہ کے راستہ میں ایک گاؤں غار جین نام کا آتا ہے جو بہت بلند مقام ہے اس کو طے کرنے کے بعد ایک نہایت ہی وسیع و عریض اور گہرا حوض ملتا ہے جس میں پانی بے انتہا ہے، اور بہت صاف ہے، اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں پانی کہاں سے آتا ہے۔ یہ مقام بہت ہی سرد ہے۔ اور اکثر یہاں طوفان باد رہتا ہے۔

نخجیر پر اور دو آب شیوہ نخجیر اجگدرہ سے چھ کوس پر واقع ہے اور ۱۰۱۲۰ فیٹ بلند ہے۔ اس کا راستہ صاف اور اچھا ہے۔
یہاں سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر دو آب شیوہ مقام ہے جو ۹۰۲۵ فیٹ بلند ہے۔ یہاں شغنان کے لوگوں کی آبادی ہے۔ زمین وسیع ہے اور غلہ خیز ہے۔

تاریخ شغنان شغنان کی پرانی تاریخ کے متعلق کچھ صحیح حالات معلوم نہیں ہو سکے بوڑھے لوگوں سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم زمانہ میں میر شاہ بُرجی شغنان کا بادشاہ تھا جس کی حکومت کی وسعت بدخشان اور چترال تک تھی۔ جب یہ مر گیا تو اس کا بیٹا قباد خان اس کی جگہ بیٹھا جب یہ بھی مر گیا تو اس کے بعد اس کا بیٹا تخت حکومت پر بیٹھا، اور اسی طرح کئی نسلوں کے بعد شیر محمد خان شغنان کا امیر اور حاکم کلاں ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے چھوٹے بھائی یوسف علی شاہ نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اُس زمانہ میں حضرت امیر شیر علی خان تاجدار افغانستان نے بدخشان کی فتح کے لئے محمد عالم خان کو مقرر فرمایا جس نے بدخشان کو فتح کر کے یوسف علی شاہ کے پاس ایک خط لکھا کہ تم فوراً بادشاہ اسلام کی اطاعت کرو۔ یوسف علی شاہ بہت ہوشیار آدمی تھا وہ محمد عالم خان کی طاقت سے واقف تھا۔ اِس لئے وہ محمد عالم خان سے بہانہ کر کے خود تو ملنے نہ گیا لیکن اپنے لڑکے میر محمد قباد کو چند آدمیوں کے ہمراہ بھیجا اور ساتھ میں بہت سے تحفے گھوڑے، اونٹ، باز، اجناس، غلام اور کنیزیں بھی روانہ کیں۔ محمد عالم خان میر قباد کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آیا اور اُس نے سب تحفے قبول کر لئے لیکن

غلاموں اور کنیزوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا کہ اسلام میں ہر شخص جو مومن اور مسلم ہو بالکل برابر ہے نہ کوئی غلام ہے اور نہ کوئی کنیز ہے۔ اور نہ کسی کو حق حاصل ہے کہ مسلمانوں کو غلام بنائے۔

محمد عالم خان نے میر قباد اور اُس کے ساتھیوں کو خلعت بھی دیے۔ اور یوسف علی شاہ کے پاس بھی خلعت بھیجا اور شغنان کا علاقہ اُنہی کے سپرد کر دیا۔ اس طریقہ سے امیر شیر علی خان کے عہد میں یوسف علی نے سات سال حکومت کی لیکن یوسف علی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا وہ بہت ظالم اور عیاش تھا۔ لوگوں کو خواہ مخواہ قتل کرتا تھا اور زبردستی مکانوں سے خوبصورت عورتوں اور جوان لڑکیوں اور حسین لڑکوں کو اُٹھوا لیتا تھا۔ لوگ اُس کے ظلم سے بہت تنگ آ گئے تھے اور اُس کے تشدد کا یہ حال تھا کہ کسی میں یہ کہنے کی جرأت نہ تھی کہ کیوں رعیت کا مال لوٹتے ہو۔ اور کیوں رعایا کی لڑکیوں اور عورتوں کی عصمت دری کرتے ہو۔

لیکن جب امیر کبیر عبدالرحمٰن خان ضیاء الملت والدین کا عہد حکومت آیا تو انہوں نے عبداللہ خان کو بدخشان کی تنظیم و اصلاح کے لئے روانہ کیا اور یوسف علی کو عبداللہ خان کے آنے کی خبر ہوئی تو اُس نے وہی چال چلی یعنی یہ کہ اپنے بیٹے قباد خان کو عبداللہ خان کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ میں غلام اور لونڈیاں اور اجناس اور دیگر تحائف بھی روانہ کئے اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ سردار عبداللہ اس فریب میں آ گیا اور تحفے قبول کر لئے۔ اور شغنان کا علاقہ اس کو واپس کر دیا۔ اس طریقہ سے یوسف علی نے پھر تین سال تک ضیاء الملت کے دور میں حکومت کی لیکن جب شغنان کے باشندے یوسف علی کے انتہائی ظلم سے تنگ آ گئے تو اُنہوں نے فریاد بلند کی۔ داراب شاہ میر خیل جو ایک بہادر آدمی تھا وہ بھی یوسف علی کا مخالف ہو گیا۔ اس اثناء میں عبداللہ خان نے کرنل یزدل خان کو شغنان روانہ کیا اور اُس کو خط دیا کہ یوسف علی کو دیدے۔

خط میں یوسف علی کو عبداللہ خان نے فیض آباد میں بلایا تھا۔ جب کرنل یہاں آیا تو یوسف علی مجبور ہو کر فیض آباد چلنے پر راضی ہو گیا کیونکہ اُسے خوف تھا کہ داراب شاہ رعایا کی طرف سے کرنل کی خدمت میں فریاد کریگا۔ اور کرنل اس کو گرفتار کر لیگا۔

یوسف علی اپنے جرائم کی وجہ سے خوفزدہ تھا۔ اس لئے اُس نے اپنے اہل و عیال کسی بہانہ سے بارتنگ بھیجدیے جب یوسف علی فیض آباد پہنچا تو داراب شاہ مع تین چار سو فریادیوں کے عبداللہ خان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور یوسف علی کے ظلم کی فہرست سُنائی اور وہ خفیہ خط بھی دئے جو یوسف علی نے بطور سازش روسیوں کو بھیجے تھے۔ عبداللہ

نے اس کی تحقیقات کی اور شغنان کی میری سے علیحدہ کر دیا
اور یوسف علی کو اس کے اہل وعیال سمیت کابل روانہ کر دیا۔
یوسف علی کو معزول کر دینے اور جلاوطن کر دینے کے
بعد کرنیل عبداللہ خان نے گلزار خان کو شغنان کا حاکم بنایا
اس نے ہردلعزیزی کے ساتھ دو سال تک حکومت کی۔
لیکن آخر میں ارکانِ حکومت نے گلزار خان کے
خلاف ایک سازش کی اور اس کی حکومت کا تختہ اُلٹ
دیا۔ سردیوں کا زمانہ تھا۔ برف باری کی وجہ سے ہر
طرف راستہ بند تھا۔ اس لئے عبداللہ خان کو جلدی
اس بغاوت کی خبر نہیں ملی لیکن جب ملی تو اس نے
تین ماہرین جنگ کو زیباک اور غاران کے راستہ سے
شغنان روانہ کیا۔ فرخ شاہ جو باغیوں کا سردار تھا اور
حکومت پر قبضہ کئے بیٹھا تھا۔ بہت گھبرایا اور فوراً ایک
قاصد روانہ کیا جس میں عبداللہ خان سے معافی کی درخواست
تھی۔ اس نے اپنی لڑکی بھی .... بطور ہدیہ روانہ
کی۔ منظر شاہ باغیوں کا دوسرا سرغنہ تھا جو موقع پاتے ہی
درواز کی طرف چلا گیا۔ اور وہاں کے لوگوں کو اپنا مُطیع
بنالیا۔ بادشاہی فوج کی آمد سے شغنان کے لوگ دروں
میں چھپ گئے۔ گلزار خان جو ابھی تک باغیوں کے قبضہ
میں محبوس تھا رہا ہو گیا۔ شاہی فوج کے سرداروں سید
صادق شاہ، جرنیل سید آل خان، اور سید عبدالرحیم خان

تھے۔ انہوں نے لوگوں کو امان دی اور کسی کو نقصان نہ پہنچایا
ان لوگوں نے فرخ شاہ کی لڑکی بھی عبداللہ خان کے حوالہ
کر دی جس نے اس لڑکی سے عقد کر لیا۔
اسی اثناء میں ایک شخص عیسٰے خان نے طاقت
پکڑی اور شغنان پر قبضہ کر لیا لیکن وہ بھی اطمینان سے نہیں
بیٹھا تھا کہ شغنان کے لوگوں نے سید اکبر کو جو یوسف علی کا
بھائی تھا پھر تخت پر بٹھا دیا۔ سید اکبر جو بخارا میں تھا جب
بادشاہ بنا تو اس نے شاہی خزانہ کو برباد کر دیا۔ اور غلہ
کے سرکاری گودام کو جس میں کئی سومن غلہ تھا لوٹ لیا۔
اور ان لوگوں کو سخت تکلیفیں دیں جو اس کے بھائی کے
زمانے میں ناخوش تھے۔ ان کی لڑکیوں، بہنوں اور عورتوں
کو غائب کروا دیا۔ اور بہت سے لوگوں کو قتل بھی کر دیا۔
ان حالات کو دیکھ کر شاہ افغانستان نے جرنیل شاہ خان
کو بدخشاں روانہ کیا۔ اکبر شاہ کو جب جرنیل اور شاہی افواج
کے آنے کا علم ہوا تو بہت گھبرایا۔ کیونکہ اس نے بدخشان کے
لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا۔
اکبر شاہ نے جرنیل کی خدمت میں اطاعت کا اظہار
کیا لیکن جرنیل نے ایک مجلس میں بدخشان و شغنان کے
سرداروں کو جمع ہونے کا اعلان کیا۔ لیکن کوئی بھی اس
ڈر سے نہ آیا کہ سب نے فتح محمد خان کی گرفتاری میں امداد
دی تھی۔

مجبور ہو کر جرنیل شغنان آیا تو شغنان کے لوگوں نے بار تنگ مقام پر جرنیل سے جنگ کی اور شکست کھا کر بھاگے۔ اور مقتول ہوئے۔ آخر جرنیل شغنان آیا اور لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آیا اور وہاں کے انتظامات درست کرکے بدخشان چلا آیا۔ عبد اللہ خان کو شغنان کا حاکم مقرر کیا جس نے چار سال تک انتظام کے ساتھ حکومت کی۔ اس کے بعد داراب شاہ شغنان کا حاکم مقرر ہوا۔ جس نے بعد کو بحیثیت نمائندۂ افغانستان روسی افغانی سرحدی کمیٹی میں شرکت کی اور معاملات سرحدیہ افغانستان کی طرف سے دستخط کئے۔ اس تصفیہ میں شغنان، روشان وغیرہ کا کچھ حصہ روس کے قبضہ میں چلا گیا۔

غرض یہ کہ اس انتظام کے بعد سے اب تک شغنان وغیرہ تمام علاقوں میں امن و امان ہے اور لوگ بادشاہ کابل کی ماتحتی میں رہنے سے خوش ہیں۔

حکومت کابل کی طرف سے شغنان کا حاکم مقرر ہوتا ہے۔ جو رعایا کی بہبودی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے شغنان کے حاکم چند سال کے بعد بدل جاتے ہیں۔

درواز درجۂ دوم کی حکومت ہے۔ اور قدیم زمانہ میں بخارا سے تعلق تھا لیکن جب افغانی، روسی اور انگریزی سرحدوں کے معاملات طے ہوئے اور سرحدوں کی حد بندی ہوئی تو دریا کے اِس پار کا سب حصہ افغانستان میں شامل ہو گیا۔ اور دریا کے اُس پار کا سب حصہ روس میں شامل کر دیا گیا۔ درواز کے بعض دیہات لبِ دریا واقع ہیں اور بعض پہاڑوں کے دروں پر ہیں۔ اور بعض پہاڑوں کے دامن میں ہیں۔

عام زبان فارسی ہے۔ تاجک قبیلہ کے لوگ آباد ہیں۔ اور بعض دیہاتوں میں آغا خانی جماعت کے لوگ بھی ہیں۔ لوگوں کا رنگ گورا ہے۔ درواز کے کل دیہات ستائیس ۲۷ ہیں۔ جن میں سے ۷ دیہات شیعہ حضرات سے آباد ہیں۔ اور ۵ دیہات ایسے ہیں جس میں شیعہ سُنی حضرات کی ملی جلی آبادی ہے۔ کل آبادی ۲۰ ہزار ہے۔ مکانات ایک سرائے کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایک مکان پورے خاندان کی بستی ہوتا ہے اور سب اہلِ خاندان نہایت یگانگت اور محبت سے ایک ساتھ رہتے ہیں۔

زراعت عام پیداوار گیہوں، جو، ارزن، باقلہ اور شنگ ہے۔ اور بعض دیہاتوں میں روئی کی کاشت بھی کی جاتی ہے۔ درواز کے علاقہ میں للمی زمین زیادہ ہے اور آبی زمین کم ہے۔ اس طرف کی للمی زمینوں میں بجز جو اور گیہوں کے کوئی دوسری جنس پیدا نہیں ہوتی۔ پہاڑوں کے دامن کی زمینیں بھی اکثر للمی ہیں۔

میوے | توت، گیلاس، شاہ توت، زرد آلو، آلو بالو سیب، ناک، شفتالو، انگور، خربوزہ، تربوز، انجیر، انار، اور بھی درواز کے سب حصوں میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔

صنعت | پلاس اور کرباس کے کپڑے بنائے جاتے ہیں۔ برک بافی۔ اور الچہ بافی بھی یہاں کے لوگوں میں رائج ہے۔ کرباس اور الچہ عورتیں بناتی ہیں اور مرد برک بناتے ہیں۔ عورتیں کپڑے کے لئے ریشم اور اون اور سوت خود ہی کاتتی ہیں۔ عام عورتیں پردہ نہیں کرتیں لیکن سرداروں اور علماء اور سادات کے گھرانوں میں عورتوں کے پردہ کی نگہداشت کیجاتی ہے۔

خوراک | عام لوگ باقلہ اور مشنگ کی ترکاری کھاتے ہیں لیکن جمعہ کی رات کو جو یا گیہوں کی روٹی ضرور کھاتے ہیں۔ اور خواص لوگ شائستہ کھانا کھاتے ہیں۔

زمین اگرچہ للمی ہے لیکن زراعت کے لئے بہت اچھی ہے۔ مگر یہاں کے لوگ کاہل واقع ہوئے ہیں۔ محنت نہیں کرتے اور اپنی پڑی ہوئی زمینوں کی کاشت نہیں کرتے۔ دوسرے مقامات سے غلہ خریدتے ہیں، اور اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اکثر باقلہ کی ترکاری کھاکر ہی زندگی بسر کرلیتے ہیں۔

جب کوئی مہمان آتا ہے تو امیر و غریب سب اپنی ہمت سے زیادہ اس کی خاطر و مدارات پر صرف کرتے ہیں۔

پوشاک | شغنان کے باشندوں کے مقابلہ میں یہاں کے لوگوں کا لباس اچھا ہے۔ عورت و مرد سب اچھا اور خوبصورت لباس پہنتے ہیں۔ کرباس سفید، چکن، ململ کا صافہ اور لنگیاں، موزے اور لکڑی کی کھڑاؤں عام لباس ہے۔

اسلحہ | بغاوت کی وجہ سے ان سے ہتھیار ضبط کرلئے گئے تھے۔ لیکن اب ان کے پاس فتیلہ قسم کی ۳۔۴ سو بندوقیں ہیں۔ یہ لوگ بندوقیں رکھنے کے شوقین ہیں۔

عادات | تریاک کھانے کی عادت درواز والوں میں بھی پڑگئی ہے۔ لیکن ابھی غمزہ کشی اور تریاک خوری شغنان والوں کی حد تک نہیں پہنچی ہے۔

پیداوار | درواز کے تمام حصوں میں پستہ اور برنج کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اور جنگلات میں ہرن، سیاہ گوش، لومڑی، بھیڑیا، چیتا اور دوسرے جنگلی جانور کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

دریائے پنج کی ریگ بہت زرد ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں سونے کے ذرات بہت ہیں۔ لیکن باشندے ریگ سے سونا نکالنے کی کوشش نہیں کرتے ورنہ یقیناً وہ سونے کی ایک خاصی مقدار ریگ سے حاصل کرسکتے ہیں۔ چنانچہ جو آدمی دریا سوکھ جانے کے بعد سونا نکالنے کا کام کرتے ہیں وہ ہمیشہ چنے کے برابر سونے

کے دانے ریگ کھودنے اور تلاش کرنے سے حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بعض لوگ اِس کوشش میں مر بھی جاتے ہیں، کیونکہ ریگ کا گڑھا اوّل اوّل تری کی وجہ سے تو کھُد جاتا ہے لیکن جب اس میں اُتر کر سونا تلاش کیا جاتا ہے تو گڑھے کا ریت گر پڑتا ہے اور گڑھے کے اندر لوگ دب کر مر جاتے ہیں۔

کہتے ہیں درواز کے پہاڑ میں سونے کی کان بھی ہے۔ اور اسی پہاڑ کے ایک حصہ میں ایک نہایت تنگ غار ہے جو "کان نقرہ" مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں یہ چاندی کی بہت بڑی کان تھی مگر سب چاندی نکال لی گئی اور اب اس میں سے نوشادر وغیرہ نکلتا ہے۔ اس کان کے پتھر اور اس کی مٹی بالکل سُرخ ہے۔ یا بالکل سفید۔ درواز کے دوسرے علاقوں میں بھی مختلف رنگوں کی مٹی اور پتھر پائے جاتے ہیں۔ جن سے مکانات بنائے جاتے ہیں اور سبز، سیاہ، بھوری، سفید مٹیوں سے درواز کے باشندے خوبصورت برتن بناتے ہیں۔

ایک عجیب و غریب چراغ لیکن اس علاقہ میں جو سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز ہے وہ "سنگِ چراغ" ہے۔ یہ پتھر بہت لمبا ہوتا ہے اور ان اطراف میں کثرت سے ہے۔ کوہ غمی میں تو اس کو حاصل کرنے میں کوئی دقت ہی نہیں ہوتی۔ معمولی تلاش سے مل جاتا ہے۔ اس پتھر کو تیل میں ڈبو لیتے ہیں اور جب تیل اچھی طرح جذب ہو جاتا ہے تو اس کو روشن کر دیتے ہیں۔ اس میں چراغ کی روشنی ہوتی ہے اور کمال یہ ہے کہ ایک پتھر کا ٹکڑا سال بھر تک کام دیتا ہے۔ اسی لئے اس پتھر کا نام "سنگِ چراغ" ہے۔

روشان سے درواز کا راستہ اگر کوئی شخص روشان سے درواز آنا چاہے تو پہلے وہ "خضاب" میں پہنچے گا۔ پھر وہاں سے قشلاق درد جو ۶ کوس ہے وہاں سے غمی بھی ۶ کوس ہے۔ غمی سے جامرس تک ۶ کوس ہے۔ آگے بڑھکر زیبق دو کوس پر ملتا ہے۔ اور پھر چاشتک اور مائی می ۶ کوس پر ہیں۔ پھر آگے اوبغن ۵ کوس ہے۔ اور اسی طرح درواز تک تمام منزلیں ۶ - ۶ کوس پر ملتی ہیں درواز تک کُل مسافت ۸۰ کوس ہے۔ یہ راستہ درواز جانے والوں کے لئے آسان ہے۔ ایک راستہ شغنان سے بھی درواز گیا ہے جس کی مسافت بھی اتنی ہی ہے۔ لیکن بہت دشوار گزار ہے۔ ایک راستہ فیض آباد سے بھی گیا ہے لیکن بعض بعض مقامات پر وہ بھی بہت مشکل ہو گیا ہے۔

درواز سے فیض آباد کا راستہ درواز سے ایک راستہ بدخشان کے مرکزی مقام فیض آباد کو بھی گیا ہے۔ درواز سے پہلی منزل ۴ کوس کے فاصلہ پر غار جوین ہے جس کی بلندی ۸۸۰۰ فیٹ ہے۔ آگے بڑھکر "کوتل شغنان"

ملتا ہے جس کی بلندی ۱۲۹۰۰ فیٹ ہے۔ کوتل شغنان سے
۶ کوس فاصلہ پر "کول" مقام آتا ہے۔ ۱۰۰۵۰ فیٹ ہے
کول سے ۶ کوس پر نخچیر پر مقام ہے جو ۱۰۱۳۰ فیٹ بلند
ہے اور یہاں سے آٹھ کوس پر "آب شیوہ" ہے جو ۱۰۱۲۰ فیٹ
بلند ہے۔ آگے جاکر ۱۲ کوس پر "ہجوپ" ہے جو ۵۲۵۰ فیٹ
بلند ہے۔ یہاں سے بہارک ۴۵۵۰ فیٹ بلند ہے اور
بہارک سے رباطک ۸ کوس فاصلہ پر ہے۔ اور رباطک
سے فیض آباد ۷ کوس ہے۔ یہ تمام مقامات درواز اور
فیض آباد کے راستہ کے لئے منزلیں ہیں۔

تاریخ درواز قدیم زمانے میں درواز کا حکمران شاہ
محمود خان تھا جو کہ سکندر کی اولاد میں مشہور ہے جب امیر
عبدالرحمن خان ضیاء الملت والدین سمرقند تشریف لے گئے
تو آپ کے ساتھ جو ملازمین تھے۔ شاہ محمود نے ان کی بہت
عزت کی اور امیر صاحب کو تحائف بھی دیے۔ کچھ دنوں
کے بعد شاہ مظفر امیر بخارا نے درواز پر حملہ کیا اور شاہ محمود
کو سخت شکست دی اور درواز پر قابض ہوگیا۔ شاہ محمود مع
اپنے بھائی شاہ افضل کے سرغلان بھاگ آیا اور یہاں سے
امیر صاحب سے ملنے کے لئے سمرقند چلا گیا۔ اور امیر صاحب
سے اپنے تعلقات مستحکم کر لئے جب امیر عبدالرحمن خان دوبارہ
تخت کابل پر متمکن ہوئے تو شاہ محمود کو سرغلان سے بلا بھیجا
اور مصارف کے لئے ایک ہزار روپئے بھی بھیجدیے جب
شاہ محمود کابل پہنچا تو حضرت ضیاء الملت نے اس کی بہت
خاطر مدارات کی اور کہا کہ اپنے اہل وعیال کو بھی کابل میں
بلالو۔ چنانچہ حضرت ضیاء الملت نے بارہ ہزار روپے
براہ مزار شریف ایک آدمی کی معرفت روانہ کئے تاکہ شاہ محمود
کے اہل وعیال واپس آسکیں مگر مزار شریف میں سردار محمد علی
خاں نے اس رقم کو ضبط کرلیا اور حضرت ضیاء الملت کی
حکومت سے بغاوت کرنے کا اعلان کردیا اور ترکستان کی افواج
کو ساتھ ملاکر کابل پر حملہ کرنے بڑھا لیکن اسکو بری شکست ہوئی اور بھاگ گیا حضرت
ضیاء الملت نے جب ترکستان کے لوگوں کے حالات سنے تو آپ انتظام درست کرنے کیلئے ترکستان
تشریف لائے اور جب آپ کو پتہ چلا کہ سردار محمد علی خان
نے روپیہ ضبط کرلیا ہے تو آپ نے پھر بارہ ہزار روپے روانہ
کئے۔ اس طرح شاہ محمود کے اہل وعیال اور بھائی وغیرہ
کابل پہنچے جن کا وظیفہ حضرت ضیاء الملت نے مقرر کردیا
تھا لیکن چند ہی سال کے بعد شاہ محمود اور اس کے بھائی کا
انتقال ہوگیا اور شاہی وظیفہ عبداللہ خان پسر شاہ محمود کے
نام جاری کردیا جب ضیاء الملت درواز و ترکستان کے
انتظامات سے فارغ ہوئے تو سرحدی حدبندیوں کا مسئلہ
سامنے آیا، انگریزی۔ روسی اور افغانی سرحد کی حد بندیاں
ہوئیں اور تصفیہ میں درواز کے دریا کے اس طرف کا تمام
علاقہ حکومت افغانستان کو ملا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ امیر بخارا
درواز پر قبضہ جمائے ہوئے تھا جب اس نے سرحدی

تصفیہ کا حال سُنا تو اُس نے درواز کے حاکم میر صفر علی کو معطل کردیا۔ دوسری طرف جرنیل تاج محمد خاں کو حضرت ضیاء الملت کی طرف سے یہ حکم ملا کہ "تمام بدخشان پر بلا ضابطہ حکومت افغانستان کا علم لہرا دو اور درواز پر قبضہ کرلو۔" جرنیل تاج محمد خان نے اوّل اوّل درواز کے لوگوں کو حُسن خلاق اور مراحم خسروانہ اور انعام واکرام سے قابو میں کرنا چاہا لیکن آخر میں اس نے بزور شمشیر درواز پر قبضہ کرلیا۔ اور اپنی طرف سے درواز میں حاکم مقرر کردئے۔ اور ایک تھانہ بھی درواز میں تعمیر کرایا تاکہ بخارا اور روس کے لوگوں کی پیش قدمی کو روکا جاسکے۔

شاہ بخارا کی حکومت سے قبل درواز کی حکومت میر نصرت اللہ بیگ کے قبضہ میں تھی۔ اور امیر بخارا نے میر نصرت اللہ کے لئے نہایت کڑی نگرانی کر رکھی تھی میر صفر علی حاکم درواز ہمیشہ میر نصرت اللہ بیگ کی تاک میں رہتا تھا تاکہ موقع پاکر اس کو قتل کردے اور میر نصرت اللہ بھی صفر علی کے خوف کی وجہ سے درواز سے باہر ہی باہر رہتا تھا لیکن اب جب اس نے درواز پر امیر افغانستان کا قبضہ دیکھا تو وہ درواز چلا آیا۔ لوگوں میں اس کا پہلے ہی سے بہت اثر تھا اور اس نے خفیہ خفیہ لوگوں میں بغاوت کا جذبہ پیدا کیا اور اپنی حکومت کی سازش شروع کردی۔ ظاہر میں وہ باغی نہیں معلوم ہوتا تھا اور وہ ہر ایک سے امیر افغانستان کی اطاعت کے لئے کہتا تھا۔ اور درواز کے حاکموں سے بھی تعلقات اچھے رکھتا تھا لیکن درپردہ وہ اپنی حکومت کے جال بچھا رہا تھا۔ اس کی ان باغیانہ سرگرمیوں کی اطلاع جب جرنیل تاج محمد خاں کو پہنچی تو اُنہوں نے خفیہ طریقہ سے اس کی تصدیق کرائی۔ اور چند معزز لوگوں اور حاکمانِ درواز کے ذریعہ اس کو اطلاع دی کہ جرنیل صاحب تم سے فیض آباد میں ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن نصرت اللہ کسی بھی حکمت عملی سے قابو میں نہ آیا۔ اور علانیہ بغاوت شروع کردی اور فیض آباد کے راستہ میں چار پانچ سو آدمیوں کو کھڑا کردیا تاکہ وہاں تک خبر نہ جاسکے لیکن کسی طریقہ سے اس کی لوٹ مار اور بغاوت کی خبر جرنیل صاحب کو مل گئی۔ جرنیل صاحب دو توپوں اور رسالہ اور بہت سی مسلح فوج کے ساتھ درواز کی طرف روانہ ہوگئے جب جرنیل صاحب "کوف" پہنچے تو نصرت اللہ بیگ بھی ۷۰۰۰ فوج لیکر مقابلہ کے لئے آگے آیا۔ اس نے نہایت ترکیب اور چالاکی سے اپنی فوج کو مختلف حصوں میں منقسم کردیا تھا۔ چنانچہ نصرت اللہ بیگ کی فوج نے ایک جانب سے شبخون مارا اور پھر چاروں طرف سے شاہی فوج پر ٹوٹ پڑی لیکن بادشاہی فوج نے بہت اطمینان اور دلیری سے مقابلہ کیا اور ایک خونریز مقابلہ کے بعد جس میں ایک آدمی شاہی فوج کا اور بے شمار آدمی باغیوں کے کام آئے۔ نصرت اللہ بیگ کو شکست ہوئی اور اس کی ساری فوج بھاگ گئی۔ خود

نصرت اللہ بیگ بھی بخارا کی جانب بھاگ گیا۔

جرنیل تاج محمد خان جب درواز میں تشریف لائے تو درواز کے لوگ ڈرتے ہوئے دربار میں حاضر ہوئے اور امن و امان کے طالب ہوئے اور اپنے قصور کی معافی مانگنے لگے۔ جرنیل صاحب نے بغاوت کی سرغنوں کو اور نصرت اللہ بیگ کے معتمدوں کو گرفتار کر کے دار السلطنت روانہ کر دیا۔ اور ان کی ساری بندوقیں، تلواریں، اور سیراق چھین کر سرکاری میگزین میں رکھوا دیں۔ اور از سر نو درواز کا انتظام کیا اور متعدد مقامات پر بڑی بڑی چھاؤنیاں اور تھانہ قائم کئے۔ اور متعدد لوگوں کو مختلف حدود میں سردار مقرر کیا جن کے ماتحت ایک بڑی فوج رکھی گئی۔ اور علاقہ درواز کے کئی حصے کئے گئے۔ جہاں کی حکومت وانتظام کی ذمہ داری چند لوگوں کے سپرد کی گئی۔ حضرت امیر شہید نے عبداللہ خان پسر شاہ محمود خان کو درواز کا حاکم اعلیٰ مقرر فرمایا۔ اس کے علاوہ شاہ محمود خان کے تمام خاندان والوں کو اعلیٰ اعلےٰ عہدوں پر جگہ دی قطغن و بدخشان کے علاوہ کابل کی مرکزی حکومت میں بھی یہ لوگ مختلف عہدوں پر مامور ہوئے۔ کپتانی۔ وزارتِ خارجہ۔ شاہی خاندان کی نگرانی اور پیغامات شاہی کے ارسال کے متعلق اعلیٰ عہدے شاہ محمود خان سابق امیر درواز کے خاندان میں رہے۔

عبداللہ خان سات سال تک درواز کا حاکم رہا لیکن آخری وقتوں میں وہ کچھ ظالم ہو گیا تھا اس لئے درواز کے باشندوں نے مرکزی حکومت میں اپنی فریاد بھیجی، اور عبداللہ خان کو درواز کی حاکمی سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے بجائے عزیز اللہ خان محمد زئی ولد سردار حبیب اللہ خان قندھاری درواز کے حاکم مقرر ہوئے۔

قاضی عبد اللطیف خان دروازی جنہوں نے نصرت اللہ بیگ کی بغاوت کی خبریں جرنیل تاج محمد خان کو پہنچائی تھیں۔ ان کو امیر عبدالرحمن خان ضیاء الملت والدین نے اپنے پاس بلایا اور خلعت شاہی عطا فرمایا اور مستقل تنخواہ مقرر کر دی۔

اس مختصر تاریخ کے بیان سے مقصد یہ تھا کہ ناظرین درواز کی بے اطمینانی کے حالات کا اندازہ کر سکیں۔ مگر جب سے حکومت افغانستان کا قبضہ درواز پر ہوا ہے۔ سوائے ابتدائی چند بغاوتوں کے اب تک بالکل امن و امان ہے۔ اور لوگ آسودہ حالی اور اطمینان سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور خوش و خرم ہیں۔

دشت شیوہ یہ موضع پہاڑی ہے۔ یہاں کے دروں میں چراگاہیں بہت ہیں۔ قدیم زمانے میں اس موضع میں ارگو وغیرہ کے لوگ بھی رہتے تھے۔ جن کو "شیوہ چی" کہتے تھے لیکن اس موضع کے دوسرے قبائل ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیا کرتے تھے اس لئے وہ لوگ یہاں سے بھاگ کر اپنے

قدیم وطن ارگو چلے گئے۔ اب یہاں صرف بدخشانی لوگ رہتے ہیں۔ اور شغنانی لوگ قرب وجوار میں رہتے ہیں۔ اور سب لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

دشت شیوہ کے ماتحت ۱۰ گاؤں ہیں۔ اور اسی طرح بارہ گاؤں وہ ہیں جو درہ جات شیوہ پر آباد ہیں اس موضع میں چراگاہیں بہت ہیں۔ کوسوں تک سرسبز گھاس کے میدان چلے گئے ہیں۔ چنانچہ گرمیوں کے موسم میں قندھاری، کابلی، غوری لوگ اور خان آباد بغلان کے لوگ اور گاڈی، افغانی، اطرنجی اور ترک قبائل کے لوگ اپنے اپنے مویشیوں کے گلّوں کو بدخشان وغیرہ مقامات سے لاتے ہیں اور یہاں کی چراگاہوں میں پڑے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان تمام قبائل کے گھوڑوں، بکریوں، اونٹوں، بھیڑوں کی تقریباً ۱۲ لاکھ تعداد ہر سال شیوہ میں چرنے آتی ہے۔

چراگاہوں کے میدان میں کچھ لوگ زراعت بھی کرتے ہیں لیکن بے شمار زمین ایسی ہے جہاں گھاس کے علاوہ نہ کھیتی ہوسکتی ہے اور نہ درخت ہیں۔

دریائے شیوہ "شیوہ" کے ایک جانب تمام پہاڑوں اور دروں سے آکر پانی جمع ہوتا ہے۔ اور پھر وہاں سے بہکر درواز اور روشان جاتا ہے۔ جہاں دریائے آمو میں مل جاتا ہے۔ چنانچہ جو پانی ایک بڑی نہر یا ایک چھوٹے دریا کی شکل میں ہوکر بہتا ہے وہ دریائے شیوہ کہلاتا ہے۔ یہی دریائے شیوہ درواز اور روشان کی حدوں میں فاصل ہے۔ دریائے سندھ میں درۂ کلاں کی طرف سے جو پانی آتا ہے اس میں سونا کثیر مقدار میں ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو شیوہ کے دریا میں سونا تلاش کرتے رہتے ہیں اور یہی ان کا پیشہ ہوگیا ہے۔

جاڑے کے موسم میں شیوہ کے آس پاس کے میدانوں میں ہرن کا شکار کثرت سے کیا جاتا ہے۔ اور گرمیوں کے موسم میں مچھلی اور مرغ کا شکار افراط سے ہوتا ہے۔

شہر بزرگ یہ درجۂ دوم کی علاقہ داری ہے۔ اور فیض آباد سے شمالی جانب بیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ شہر میں پولیس کے لئے رہنے کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔

زبان فارسی ہے۔ تاجک قبیلہ کے لوگ آباد ہیں۔ اور سفید رنگ ہیں۔ دیہات میں ازبک، قلق اور ہزارہ قبیلہ کے لوگ ہیں۔ ہزارہ لوگ فارسی زبان میں، ازبک ازبکی زبان میں اور قلق ترکی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ اور ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی زبانیں بھی سمجھ اور بول سکتے ہیں۔ شہر بزرگ کے ماتحت ۵۶ گاؤں ہیں۔ کل آبادی دس ہزار سے زائد ہے۔

زراعت گیہوں، جو، چنا، روئی، کنجد، زغر عام پیدا ہوتا ہے۔ زمین للمی ہے۔ البتہ کہیں کہیں آبی زمین بھی پائی جاتی ہے۔ آبی زمین پھولوں کے باغات، میووں کے

درخت اور نازک ترکاریوں کے لئے وقف ہے جس سال للمی زمین پر بارش ہوجاتی ہے خوب غلہ پیدا ہوتا ہے۔ شہر بزرگ کے دیہات بہت دور دور واقع ہیں۔ اور بعض دیہاتوں میں پینے کا پانی موجود نہیں ہے۔ اس لئے گھوڑوں پر دوسرے دیہاتوں سے پانی لاتے ہیں۔

صنعت کرباس کا کپڑا تقریباً ہر گھر میں بنایا جاتا ہے جو لوگ گلہ بانی کرتے ہیں۔ وہ بھیڑوں کی اون سے نمدے جل، جوال، نواڑ، رسی اور پلاس تیار کرتے ہیں اور بعض دیہاتوں کے لوگ دریاؤں کے کنارے اور ریگ سے سونا تلاش کرتے ہیں۔ ان کا مستقل کام یہی ہے۔

خوراک جو ذی استعداد اور خوشحال لوگ ہیں وہ گیہوں کی روٹی کھاتے ہیں۔ اور عام لوگ کبھی گیہوں اور کبھی جو کی روٹی کھاتے ہیں، اور دہی بھی پیتے ہیں۔ روٹی اور دودھ اکثر کھاتے ہیں۔ اور بہت سے غریب لوگ نمکین اور سادی چائے اور روٹی کھاتے ہیں۔ اس طرف گھی کم استعمال کرتے ہیں بلکہ زغر کا تیل کھاتے ہیں۔

پوشاک چونکہ یہاں کے لوگ بکری بھیڑ کی تجارت میں مشہور ہیں۔ اور کابل وغیرہ میں اس کی تجارت کے لئے آتے جاتے رہتے ہیں اس لئے ان میں اچھے کپڑے پہننے کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ عورتیں اور مرد اچھے کپڑے پہنتے ہیں لیکن زیادہ اچھے نہیں

اسلحہ بدخشان کے دوسرے لوگوں کی طرح ان میں بھی اسلحہ کا شوق بہت کم ہے۔ یراق یہاں کسی کے بھی پاس نہیں ہے البتہ فلیتہ قسم کی بندوقیں ۵۰ اتک ہیں۔

عادات و اخلاق عام طور سے نیک اور سادے لوگ ہیں۔ یہاں کے سفید ریش لوگوں کا بیان ہے کہ "ہم شہر بزرگ کے بسنے والوں نے کبھی کسی کی اطاعت سے انکار نہیں کیا ہے۔ جو بدخشان کا میر ہوا ہم لوگ اس کے ماتحت ہوگئے اور اس کو مالیہ اور رقمیں دینے لگے"۔ بدخشان کے میروں کی باہمی جنگ میں شہر بزرگ کے لوگوں کا نقصان ہوتا تھا۔ کیونکہ جو بھی کامیاب ہوا اس نے لوٹ مار میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس طرح یہ لوگ بہت مضطرب اور بے حال تھے کہ امیر شیر علی خان نے اس پر قبضہ کرلیا اور حضرت امیر ضیاء الملت والدین نے باقاعدہ طور سے اس کو حکومت افغانستان میں شریک کرلیا۔ جب سے اب تک یہاں امن و امان ہے اور خوشحالی بڑھ رہی ہے۔

راستے شہر بزرگ سے کئی مقامات کو راستے گئے ہیں جنوب کی طرف ۱۲ کوس کا ایک راستہ رستاق گیا ہے مغربی جانب جاپاب گیا ہے۔ مشرقی جانب سے یفتل گیا ہے اور شمال کی طرف سے راغ گیا ہے۔ ان سب راستوں پر پیدل اور سوار دونوں جاسکتے ہیں۔

رستاق درجۂ اول کی حکومت ہے۔ اور یہاں محکمہ

دارالقضاۃ بھی ہے۔ ۴۷۰۰ فیٹ بلند ہے۔ پارۂ حرارت ۹۵ ہوتا ہے۔ لوگ سفید رنگ ہیں۔ تاجک، اُزبک، ہزارہ اور قرق قبائل کے لوگ آباد ہیں۔ تاجک اور ہزارہ فارسی بولتے ہیں اور قرق اور اُزبک ترکی بولتے ہیں۔ یہ تجارتی منڈی ہے۔ ۳۰۰ دُکانیں ہیں۔ اور بازار بڑا ہے ضرورت کا تمام سامان ملتا ہے۔ کچھ دن پہلے یہاں کے لوگ تجارت کے لئے بخارا جاتے تھے۔ اور ابریشم و پوستین کی تجارت کرتے تھے لیکن اب بخارا سے تجارتی تعلقات مسدود ہوگئے ہیں اور اب پشاور سے براہ چترال تجارت ہوتی ہے۔ یہاں کے تاجر پشاور میں لومڑی کی کھالیں لے جاتے ہیں۔ اور پشاور سے ابریشم لاتے ہیں۔

رستاق میں ۳ کاروان سرائیں۔ ۳ جامع مسجدیں اور ۴ مدرسے ہیں۔ اور ۸۳ گاؤں رستاق کے ماتحت ہیں۔ کل مکانات کی تعداد ۳۹۲۳ ہے اور کل آبادی دیہات اور رستاق شہر کو ملا کر ۲۰۰۰۰ ہے۔

دریا نہیں ہے۔ البتہ چند چشمے ہیں جن کا پانی بہتا ہوا شہر میں آتا ہے اور شہر کی ضرورتوں کو پورا کرتا اور باغات اور ترکاریوں کی کیاریوں کو سیراب کرتا ہے۔ رستاق کی اونچائی اگرچہ کابل سے کم ہے لیکن ہوا بہت زیادہ سرد ہے۔

زراعت یہاں کی اکثر زمین للمی ہے جس میں گیہوں، جَو، روئی، زغر، خربوزے اور تربوز کی کاشت کرتے ہیں جس سال برف باری زیادہ ہوتی ہے اُس سال کھیتی کو فائدہ رہتا ہے۔ کیونکہ کھیتوں کو پانی زیادہ ملنے کی امید ہو جاتی ہے۔

میوے توت۔ زرد آلو۔ آلو بالو۔ آلوچہ۔ انگور۔ گیلاس سیب۔ تاک۔ بہی۔ خربوزے اور تربوز افراط سے ہوتے ہیں۔

صنعت رستاق شہر کے لوگ عام طور سے پیشہ ور تاجر اور دُکاندار ہیں۔ چرم سازی۔ صابون سازی۔ کفش دوزی یہاں عام ہے اور کپڑے بھی کثرت سے تیار ہوتے ہیں۔ اور کمہاری کا کام بھی لوگ جانتے ہیں۔ اور ضرورت کے تمام پیشے لوگوں میں کوئی نہ کوئی ضرور جانتا ہے۔ لیکن دیہات کے لوگ بجز دہقانی کے کوئی دوسرا کام نہیں جانتے یا زیادہ سے زیادہ بوریے بنا لیتے ہیں۔ رستاق کا الچہ بہت مشہور ہے۔

خوراک رستاق شہر کے لوگ اچھا کھانا کھاتے ہیں۔ نہ چائے پیتے ہیں اور نہ بُھیا کھاتے ہیں۔ تندور کے نان کے ساتھ شوربا اور دہی لازمی طور سے کھاتے ہیں۔

پوشاک کپڑا اچھا پہنتے ہیں، خوش لباس اور خوش خوراک ہیں۔ مرد صاف کپڑے پہنتے ہیں۔ اور عورتیں چھینٹ کے رنگین کپڑے پہنتی ہیں اور پردہ کرتی ہیں۔

اسلحہ شہر کے لوگوں کے پاس بندوقیں ہیں۔ اور وہ اعلیٰ

نقشہ شور آب

مقیاس

یک انچ مساوی ۴ میل

معادل ۲½ کروہ کابل

قسم کی انگریزی اور روسی بندوقیں استعمال کرتے ہیں۔ اور دیہات کے لوگ فلیتہ بندوق اپنے پاس رکھتے ہیں۔ بندوقوں کا شوق لوگوں کو زائد نہیں ہے۔ کیونکہ بیس ہزار کی آبادی میں تین چار سو بھی بندوقیں نہیں ہیں۔

راستے رستاق چونکہ ہموار اور تجارتی مقام ہے اس لئے یہاں سے بے شمار جگہوں کو راستے گئے ہیں اور آئے ہیں۔ چنانچہ خان آباد، کشم، کلفگان، فیض آباد، شہر بزرگ چاہ آب، اور دریائے پنج اور دریائے امویہ کی طرف بہت سے راستے گئے ہیں۔ اور یہاں سے بہت سے راستے سرحدی مقامات کو بھی گئے ہیں۔

آب آسیا یہ مقام رستاق سے قریب ہی واقع ہے اور ۹ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اور ۴۰۰۰ فیٹ بلند ہے۔ راستہ ہموار ہے۔ البتہ بعض مقامات پر پتھریلا ہوگیا ہے۔ یہاں غوزہ کی زراعت کی جاتی ہے۔ ترک اور تاجک قبیلہ کی آبادی ہے۔

آب آسیا سے پل بگیم اور کشم اور مشہد اور رستاق کو کئی راستے گئے ہیں اور ینگی قلعہ اور درہ خیلان کو بھی راستے گئے ہیں۔

چشمہ جرغا رستاق اور آب آسیا کے بیچ میں ایک چشمہ ہے جس کا نام چشمہ خواجہ جرغا ہے۔ یہ چشمہ فوارے کی طرح بیحد تیزی اور جوش سے نکلتا ہے۔ اور پانی کی آواز بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

چاہ آب تمام زمین للمی ہے۔ آبی زمین کا کہیں پتہ نہیں کیونکہ جاری پانی اس علاقہ میں نایاب ہے۔ گیہوں۔ جو۔ چنا روئی، زغر عام پیداوار ہے۔ اور کبھی کبھی روئی کے کھیت میں باجرہ، کنجد اور خربوزہ اور تربوز کی بھی کاشت کر لیتے ہیں۔ بعض مقامات پر پہاڑ کی چوٹیوں پر بھی گیہوں، جو وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔

چاہ آب کے ماتحت ۳۱ گاؤں ہیں۔ ان دیہاتوں میں زیادہ آبادی تاجک قبائل کی ہے۔ جو فارسی بولتے ہیں صرف چار گاؤں اوزبک لوگوں کے ہیں جو ترکی بولتے ہیں۔

یہاں کی زراعت کے لئے پانی بہت قیمتی چیز ہے۔ یہاں تک کہ جب گائیں پیاسی ہوتی ہیں تو اُن کو پانی نہیں دیتے بلکہ پیاس بجھانے کے لئے تربوز کھلاتے ہیں۔

یہاں کے لوگوں میں ایک پُرانی روایت مشہور ہے کہ آج سے پچاس سال قبل جبکہ برف و باد کا کوئی سلسلہ نہ تھا اور سورج کمال آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ ایک بہت بڑا پہاڑی ٹکڑا اپنی جگہ سے ہلا اور پھر الگ ہو کر نصف کوس تک پہاڑ سے لڑھکتا چلا آیا۔ اور ارنہ کے دیہات کے اوپر گر پڑا جس کی وجہ سے ۹ مکانات اور ۲۲ عورت و مرد بالکل تباہ ہوگئے اور اس بری طرح کچلے گئے کہ زمین کی برابر ہوگئے۔ باقی لوگ دیہات خالی کر کے فوراً ہی دوسرے

دیہاتوں میں بھاگ گئے۔ معلوم نہیں اس قصہ میں کہاں تک اصلیت ہے۔

صنعت شہر چاہ آب میں ایک بڑا بازار ہے جس میں نجار، لوہار، زرگر، درزی سب ہیں اور تاجر لوگ بھی ہیں اور یہاں کے لوگ کرباس اور اسلحہ بھی بناتے ہیں۔

اسلحہ بندوقیں زیادہ نہیں ہیں۔ سو کے قریب فلینہ قسم کی بندوقیں ہوں گی۔

کُل مکانات ۱۹۰۰ ہیں جن میں آبادی ۷ ہزار تک ہے۔

ینگی قلعہ چاہ آب سے ۱۶ کوس کے فاصلہ پر ہے اور ۲۱۷۰ فیٹ بلند ہے۔ راستہ میں ایک مقام کوتل ثور یہ پڑتا ہے جس کی بلندی ۴۳۷۰ فیٹ ہے۔ یہاں بھی پانی کم ہے۔ زمین ساری کی ساری للمی ہے۔ جب کھیتوں میں پانی دینے کا زمانہ آتا ہے تو لوگ اپنی ضروریات کے لئے پانی کی جگہ تربوز استعمال کرتے ہیں اور اُسی سے اپنی اور اپنے مویشیوں کی پیاس بجھاتے ہیں۔

افغان، تاجک، اوزبک اور مختلف دیگر قبائل کی آبادی ہے۔ وسیع مقام ہے اور جنگل بہت ہیں۔ گیہوں، جو، جوار، زغر اور غوزہ کی کاشت کی جاتی ہے چشمہ کے پانی سے کھیت سیراب کئے جاتے ہیں، اور چھوٹی سی نہر بھی دریائے آمو سے نکال کر لائے ہیں جو مشکل سے اُن کے کھیتوں کی ضروریات کو پورا کرتی ہے یہاں پر نظم و نسق اور قبائل کی نگرانی کے لئے ایک چھاؤنی بھی ہے۔ ینگی قلعہ کے ماتحت ۱۹ گاؤں ہیں۔ گاؤں کی آبادی تمام تر اوزبک لوگوں پر مشتمل ہے۔ کل مکانات دو ہزار چار سو ہیں۔ دیہاتوں کے لوگ گلہ بانی، زراعت اور تلاشِ زر کے پیشے کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ بوریا بھی بناتے ہیں۔

کُل آبادی آٹھ یا نو ہزار تک ہے۔ لوگوں کے عادات و اخلاق اور رسم و رواج سب رستاق کے لوگوں کی طرح ہیں۔ لیکن رستاق کے لوگوں کا رنگ سفید ہے۔ اور یہاں کے گندمی رنگ کے ہوتے ہیں۔

یہاں کے لوگوں میں سادات اور علماء کی تعداد بھی بہت کم ہے۔

ینگی قلعہ کے باشندے اسلحہ رکھنے کے بہت شوقین ہیں۔ روسی اور فلینہ قسم کی دو سو سے زائد بندوقیں ان لوگوں کے پاس موجود ہیں۔

ورقت یہ بھی رستاق کے نواح میں ایک موضع ہے جو پہلے حکومتِ روس کے قبضہ میں تھا۔ لیکن اب حکومتِ اسلامیہ افغانستان میں شامل ہے۔ ینگی قلعہ سے ۹ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اور ۱۹۲۰ فیٹ بلند ہے۔ اس کے اطراف میں ۳۰ کوس نہایت گھنا جنگل ہے جس میں بے شما

نقشہ ورقد یعنی ینگے قلعہ
مقیاس
یک انچ مساوی ۴ کروہ کابل
دریائے بلجوان
جلوگر
داونگ
فرخار
صیاد
پیش کہ
چوب
گل توت
قرتپہ
تھانہ پہلوان
درقد
ملانیک محمد
تھانہ بوستان
بوستان
نرگس خانہ
جرتپہ
راسی خواجہ
ینگے قلعہ
کفر علی
عبدالنظر
خواد
والدین
تاش مالیہ بیگ
الودین
دشت توری
دشت قلعہ
دریائے کوکچہ
خواجہ حافظ

درخت ہیں۔ اور جس میں ہر قسم کے جانور، شیر، چیتے، لومڑی وغیرہ اور چرند و پرند ہر طرح کے پائے جاتے ہیں۔ یہاں ایک تھانہ بھی ہے۔

ورقت کے اطراف میں حضرت خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹھنے کا بھی ایک مقام ہے جہاں حضرت جلوس فرماتے تھے۔ اب یہ جگہ زیارت گاہ ہوگئی ہے جہاں لوگ زیارت کرنے آتے ہیں۔ اُزبک اور افغان لوگوں نے اس زیارت کے اردگرد مکانات بنوا لئے ہیں اور رہتے ہیں۔ انتظامات کے لئے پولیس کا ایک عملہ بھی ہروقت تعینات رہتا ہے۔

زیارت گاہ کے قریب ۱۲ کوس کے حلقہ میں ترغی تپہ کے نام سے ایک میدان بھی ہے۔ جہاں قدیم آبادیوں کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ اور ان قدیم آبادیوں کے نام بھی اب تک باقی ہیں مثلاً بعض مقامات قلعہ ینگی، کفر علی خواجہ بہاء الدین، جر تپہ، کاکل، قلعہ رائیل خانم، دیل شمیہ وغیرہ یہ سب مقامات انتہائی بربادی کی حالت میں ہیں آبادی بعض بعض مقاموں پر ہے لیکن وہ بھی برائے نام ان مقامات کے متعلق مشہور ہے کہ چنگیز خانی دور میں برباد کئے گئے ہیں۔ یہ پہلے کوئی بڑا شہر ہوگا۔ یہ مقامات سب لبِ دریا واقع ہیں ان کی آبادی کے لئے۔ از سر نو کوشش کی جارہی ہے۔ اور یہ مقامات آبادی کے لئے مناسب اور موزوں ہیں لیکن کثیر مصارف کے بعد کہیں آبادی کا تخیل آسکتا ہے۔

کاکل یہ موضع بھی رستاق کے ماتحت ہے۔ ورقت سے ۹ کوس کے فاصلہ پر ۹۰۰ فیٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ بہت خوشنما اور خوبصورت مقام ہے۔ کاکل سے دریائے کوکچہ ۹ کوس کے فاصلہ پر ۳۴۰۰ فیٹ بلندی پر بہتا ہے۔

کاکل۔ قدیم آبادی کی ایک مٹی ہوئی تصویر ہے۔ جگہ جگہ پرانی آبادی کے نشان ملتے ہیں بعض جگہ پرانے محلات بھی نظر آتے ہیں۔ خوبصورت مقام ہے۔ دریا بھی کوئی زیادہ دور نہیں۔ قدیم نہروں کے نشانات بھی پائے جاتے ہیں۔ ہر چہار جانب کو راستے بھی گئے ہیں۔

چراگاہیں بھی ہیں پانی بھی ہے۔ جگہ ہموار اور کشادہ ہے اور مٹی اور خاک بہت اچھی ہے۔ اس بنا پر یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ یہاں قدیم زمانے میں ضرور کوئی بہت ہی بڑا شہر آباد ہوگا مسلمانوں نے اس شہر کو ترقی دی ہوگی اور یہ اسلامی تہذیب کا اچھا مظاہرہ پیش کرتا ہوگا۔ تاآنکہ فتنۂ چنگیزی اُٹھا اور اس نے اسلامی شہروں کی طرح اسکو بھی برباد کردیا۔ جیسا کہ یہاں کے باشندوں کا بیان ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ بعد کے واقعات ہوں اور یہ شہر حکمرانی اور شاہی کی ترکتازیوں کا شکار ہوگیا ہو۔ بہرحال یہ کوئی بڑا

شہر تھا جو برباد ہوا لیکن کوئی تاریخی فیصلہ اس کے متعلق نہیں ہے۔

تاریخ رستاق کہتے ہیں کہ نائب محمد علم خان جو بدخشان کی فتح کے لئے حکومتِ افغانستان کی طرف سے مامور کئے گئے تھے ان کے قبل رستاق پر بدخشان کے میروں کی حکومت تھی۔ چنانچہ رستاق کے باشندے میر شاہ کی حکومت کے واقعات یاد رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میر شاہ کا بھائی یوسف علی خان ایک مدت تک رستاق کا میر رہا لیکن اُس کو اُس کے بھتیجے میر شجاعت نے قتل کر دیا اور خود رستاق کا میر بننا چاہا لیکن میر شاہ نے اُس کو کامیاب نہ ہونے دیا اور بدخشان سے آکر یوسف علی مقتول کے لڑکے کو رستاق کا میر بنا گیا۔ اور اپنے لڑکے کو جو چچا یوسف علی کا قاتل تھا اپنے بھتیجے کے سپرد کر گیا تاکہ وہ باپ کا بدلے لے۔ یوسف علی کے لڑکے کا نام میر محمد عمر تھا جس نے نائب محمد علم خان کے آنے تک رستاق میں میری کی لیکن جب امیر شیر علی خان مرحوم نے بدخشان کی فتح کیلئے نائب محمد علم خان کو ایک لشکرِ جرار کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا تو یہ بہت گھبرایا۔ محمد علم خان نے بدخشان و قطغن کو فتح کر لیا۔ اور رستاق پر بھی قابض ہو گیا۔ اور رستاق کے میروں کے پورے خاندان کو جس میں میر عمر خان وغیرہ تھے نظربند کر کے مزار شریف لے گیا۔ اور حکومت کابل کی طرف سے سید احمد خان کو بدخشان کا حاکم کلاں مقرر کیا اور رستاق کو بھی اس کی ماتحتی میں دیدیا۔

لیکن جب انگریزوں نے کابل پر قبضہ کر لیا تو میر سلطان شاہ اور میر بابا خان جو میر عمر خان کے بھائی اور مزار شریف میں نظربند تھے رستاق بھاگ آئے اور لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا کر میر سلطان شاہ میر بن بیٹھا۔ اور میر بابا خان بدخشان چلا گیا۔ اور وہاں لوگوں میں اپنی حکمرانی کے چرچے شروع کر دیے اور بغاوت کی آگ بھڑکائی۔ یہاں تک کہ کامیاب ہو کر خود بھی بدخشان کا میر بن بیٹھا۔ گویا ایک چالاکی سے رستاق کا میر بنا اور دوسرا عیاری سے بدخشان کا میر بن گیا۔

میر بابا خان نے میری کا دعوےٰ کرنے کے بعد سید احمد خان حاکم کلاں پر فوج کشی کر دی اور باضابطہ طور سے اپنی حکومت قائم کر لی۔

میر محمد عمر خان ایک سال کے بعد حضرت ضیاء الملت سے ملاقات کرنے تاشقند گیا۔ اور میر سلطان شاہ میر بابا خان سے ملنے بدخشان آیا لیکن میر بابا خان اور سلطان شاہ کو میر عمر خان کے متعلق کوئی علم نہ تھا۔ عمر خان نے جب یہ حالات دیکھے تو فوراً بزرگ آیا اور سلطان شاہ کی غیر موجودگی میں رستاق پر حملہ کر کے قابض ہو گیا۔ جب ان دونوں نے اس قبضہ کا حال سنا تو بہت گھبرائے اور زبردست

فوج لیکر عمر خان پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن ابھی یہ دونوں جاہ آب
کے مقام پر ہی پہنچے تھے کہ ادھر سے شاہزادہ حسن نے جو
بدخشان کے سابق میر میر شاہ کا لڑکا تھا موقع پاکر بدخشان پر
حملہ کر دیا اور قبضہ کر لیا۔ اب میر بابا خان بدخشان سے محروم
ہوگیا۔ اور سلطان شاہ تو رستاق سے محروم ہو ہی چکا تھا
لہذا ان دونوں نے مجبور ہوکر ہر دو طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا۔
اور اس بات پر صلح ہوئی کہ رستاق کا علاقہ عمر خان کے
لئے اور جاہ آب سلطان شاہ کے لئے اور بدخشان شاہزادہ
حسن کے لئے اور کشم میر بابا خان کے لئے ہیں۔ یہ چاروں
اشخاص کچھ دنوں تک اپنے اپنے علاقہ میں میری کرتے رہے
یہاں تک کہ حضرت ضیاء الملت نے پھر سے بدخشان و
قطغن کی تنظیم کا خیال کیا۔ اور بذاتہ تشریف لائے۔ آپ
نے عمر خان کو پیغام بھیجا تو وہ استقبال کے لئے ینگی قلعہ تک
آیا اور ضیاء الملت کی بیعت کی اور چالیس دن تک رستاق
میں ضیاء الملت کو مہمان رکھا۔

ضیاء الملت نے اس کی اطاعت کے صلہ میں رستاق
کا علاقہ اس کو واپس کر دیا۔ اسی طرح آپ نے میر بابا خان کو
کشم میں پیغام بھیجا۔ وہ استقبال کے لئے آیا اور اطاعت
کی لیکن شاہزادہ حسن نے اطاعت نہیں کی اور چترال
بھاگ گیا۔ ضیاء الملت نے بدخشان کا علاقہ بھی میر بابا خان
کو دے دیا۔ اور اسی کو وہاں کا حاکم مقرر فرمایا۔ میر سلطان شاہ
نے بھی بیعت کر لی۔ قطغن و بدخشان کے ان انتظامات سے
فارغ ہو کر حضرت ضیاء الملت امیر عبدالرحمن خان واپس
کابل تشریف لے گئے۔ اور میر بابا خان اور عمر خان کو ساتھ
لے گئے۔ عمر خان کو سردار کا خطاب بھی دیا۔ اور بدخشان کا
حاکم بنا دیا۔ اور بابا خان کو اپنے ساتھ رکھا۔ ابھی میر عمر خان کو
۶ مہینے بھی بدخشان میں حاکم ہوئے نہیں گزرے تھے کہ میر
علم خان جو بدخشان کی میری کا دعوے دار تھا اور جس کا چچازاد
بھائی شاہزادہ حسن چترال بھاگ گیا تھا۔ فوراً آیا اور بدخشان
کے لوگوں کو بھکانا شروع کر دیا۔ اور بغاوت کی آگ سارے
بدخشان میں لگا دی۔ اور ایک بڑے لشکر کو لیکر محمد عمر خان
حاکم بدخشان سے جنگ کے لئے آیا۔ لڑائی میں اس کو شکست
ہوئی اور وہ بھاگ بھی گیا۔ لیکن لڑائی کے منصوبے پھر سے باندھنے
لگا جب حضرت ضیاء الملت امیر عبدالرحمن خان کو علم خان
کی بغاوت کی خبر ملی تو آپ نے دو جانب سے سردار عبداللہ خان
اور امیر عالم خان کو ایک بڑی فوج اور توپ خانہ کے ہمراہ
بھیجا جنہوں نے مشہد و کشم کے مقام پر علم خان کو شکست
دی اور وہ بھاگ گیا۔ اور بدخشان پر افغانستان کا قبضہ
ہوگیا۔

اس کے بعد بھی کئی بار رستاق کے میروں نے
شورش مچائی اور کئی بار قطغن و بدخشان اور رستاق میں
کامیاب بغاوتیں ہوئیں اور یہ علاقے حکومت افغانستان

کے قبضہ سے نکل کر میروں کے ہاتھ آ گئے۔ لیکن حکومت افغانستان کا ان مقامات اور علاقوں پر مستقل قبضہ ہو گیا۔

پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ بدخشان کی رعایا میری کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے ہمیشہ غیر مطمئن رہتی تھی۔ اور اس کی عزت و ناموس کا کوئی محافظ نہ تھا۔ خوشحالی اور امن مفقود ہو گیا تھا۔ اس لئے حکومت افغانستان نے اس پر قبضہ کیا۔ اور قطغن و بدخشان کو ایک صوبہ بنا کر اس کو ایک حاکم کلاں (گورنر) کے ماتحت کر دیا۔ جب سے بغاوتیں بند ہو گئی ہیں اور لوگوں میں خوشحالی بڑھتی جا رہی ہے۔ اور ہر طرح کا امن امان پایا جاتا ہے۔

رستاق، شغنان، درواز، بدخشان و قطغن کی جو تاریخ اوپر لکھی گئی ہے اس سے ناظرین کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس علاقہ کے باشندے کس قدر جلد بھڑک جانے والے ہیں کیونکہ وہ میری کیلئے ہر دعویدار کا ساتھ دینے سے گھبراتے نہیں بلکہ بات بات پر شورش و فساد اور بغاوت برپا کر دیتے تھے۔

لیکن امیر شیر علی خان اور حضرت ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمٰن خان نے ان کو اس طرح ہموار کیا کہ وہ ملت اسلامیہ کی مرکزی حکومت افغانستان کے ماتحت رہنے پر راضی ہو گئے۔ ورنہ بدخشان و قطغن کا یہ حال تھا کہ یہ لوگ اپنے ملک کو بخارا، روس، اور افغانستان سے الگ ایک مستقل حکومت خیال کرتے تھے۔ اگرچہ ان کی حکومت کی دنیا بدخشان یا رستاق یا درواز، یا کشم و مشہد یا شغنان کے چھوٹے چھوٹے علاقوں میں ہی محدود تھی۔ لیکن خیر اب بدخشان کے لوگ اپنے آپ کو افغانستان کا فرزند سمجھتے ہیں۔ اور یہ جذبہ قوم کی ترقی کی ایک روشن علامت ہے۔

قطغن و بدخشان کے فطری خزانے

بدخشان و قطغن کی سرزمین زمانۂ قدیم سے کانوں کے لئے بہت مشہور رہی ہے۔ اور یہاں مختلف اقسام کے جواہرات کی کانیں بہت کثرت سے ہیں۔ جواہرات کے علاوہ نمک، سیسہ، چاندی سونا، کوئلہ، وغیرہ کی بھی بے شمار کانیں ہیں۔ اگر لائق انجینیروں کے ماتحت کوئی کمیٹی ان کانوں کی کھدائی کا انتظام کرے تو وہ خاطر خواہ فائدہ حاصل کریگی۔ چند کانوں کے نام اور ان کے محل وقوع کی تشریح ذیل کے نقشے میں پیش کی جاتی ہے۔ یہ وہ کانیں ہیں جو بہت مشہور ہیں۔ غیر مشہور اور غیر معلوم کانیں بھی بہت زیادہ ہیں۔ جو تلاش و تحقیق سے دریافت ہو سکتی ہیں۔

بدخشان کی کانیں

نام کان	محل وقوع	نام کان	محل وقوع
نمک	کلفگان	گندھک	کران
”	چال	لعل	غاران
”	نمک آب	”	روشان
لاجورد	غنج، جرم	نمک	رستاق

نام کان	محل وقوع	نام کان	محل وقوع	نام کان	محل وقوع	نام کان	محل وقوع
چودن	فیض آباد	سیسہ	زیباک	پتھر کا کوئلہ	نہرین	پتھر کا کوئلہ	چال
پتھر کا کوئلہ	تالہ، برفک	گندھک	زیباک	گندھک	علاقہ خان آباد	لاجورد	کران
سرب	کران	.	.	.	.	.	.

غازی نادر شاہ کا سفرنامہ

ختم ہوا

خاقان، افغانستان، غازی محمد نادر شاہ کا سفرنامہ قدغن و بدخشان یہاں ختم ہوگیا۔ اس سفرنامہ میں معلومات کا ایک خزانہ بھرا ہوا ہے۔ اور آجکل جبکہ خود سیاح ممدوح افغانستان کے فرماں روا ہیں۔ امید ہے کہ وہ اپنے سفر کی معلومات سے ملک بدخشان کی اصلاح و ترقی کے کاموں میں مصروف ہوں گے۔

چنانچہ جب میں افغانستان سے واپس آیا ہوں تو کابل کے روزانہ اخبار اصلاح میں ہمیشہ اس علاقہ کی سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور معدنیات کی تلاش و تحقیق کے حالات پڑھتا رہتا ہوں۔ اور زندہ رہا تو ۱۹۳۴ء کے موسم گرما میں براستہ قندھار، ہرات و چشت کی زیارتوں کے لئے جاؤں گا۔ اور بدخشان میں آقائے نامدار سیدنا علی مرتضےٰ علیہ السلام کے مزار شریف کی زیارت کا شرف بھی حاصل کروں گا۔ اس وقت اس سفرنامہ سے مجھے بہت مدد ملے گی۔ اور نئی ترقیوں کا حال واپس آکر اس سفرنامہ میں بڑھا دوں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

حسن نظامی

لعلِ بدخشاں

ہز مجسٹی غازی محمد نادر شاہ کا سفرنامہ پڑھنے کے بعد ہندوستان کی نئی نسل کے نوجوان اس ملک کی اس اہمیت کو شاید نہ سمجھیں جو ہرات و بلخ و بدخشاں میں مخفی ہے۔ کیونکہ ان کو انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں اسلامی تاریخ اس حد تک نہیں پڑھائی جاتی جس سے مسلمان لڑکے اپنے اسلاف کے اصلی وطن اور ان کے کارناموں سے واقف ہوں۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن سے انکو آگاہی ہو۔

ایک فرانسیسی نے تمدن عرب کتاب لکھی تھی جس کا اردو ترجمہ مولانا سید علی بلگرامی نے شائع کیا تھا۔ مگر غالباً جس وضاحت سے تمدن عرب کتاب لکھی گئی ہے اس تفصیل سے ایران اور ترکستان اور افغانستان کے تمدن کا حال کسی نے نہیں لکھا۔ اور ہندوستان کی سرکاری تعلیم میں تو مسلمانوں کے عربی ایرانی ترکی۔ افغانی تمدنوں میں کسی تمدن کا ذکر بھی نہیں ہوتا۔ پھر بچارے مسلمان لڑکے اور لڑکیاں کیا خاک اپنی تاریخ اور اپنے تہذیب و تمدن سے آگاہ ہوں۔

مگر غازی نادر شاہ کے سفرنامہ کو پڑھنے کے بعد تاریخ دان لوگ کہہ سکیں گے کہ افغانستان ہی وہ ملک ہے جو آٹھ سو برس سے عربی تہذیب، ایرانی تہذیب، اور ترکی و مغلیہ تہذیب اور افغانی تہذیب کا مرکز تھا۔ اور ہندوستان میں جن مسلمان قبائل نے حکومت کی بنیاد ڈالی یا حکومت کی وہ سب کے سب افغانستان کے تھے۔ یہاں تک کہ آخر زمانہ کا مغل فاتح بابر بھی افغانستان کا باشندہ سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے اصلی وطن ترکستان پر مغلوں کے حریف ازبک قابض ہو گئے تھے۔

محمد بن قاسم سندھ و ہند کا پہلا فاتح بے شک عرب تھا مگر اس کے ذریعہ عربی تہذیب صرف سندھ تک محدود رہی یا ملتان تک قدرے اس کا اثر آیا۔ اس کے بعد محمود غزنوی کے حملے ہوئے جو افغانستان کا فرزند اور افغانستان کے مشہور شہر غزنی کا باشندہ تھا۔

محمود کے بعد شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور اسلامی شہنشاہی اس کے ذریعہ تمام

ہندوستان پر مسلط ہوگئی وہ بھی افغانستان کا باشندہ اور افغانستان کے شہر غور سے تعلق رکھتا تھا۔

بے شک شہاب الدین غوری کے غلاموں نے عرصہ تک ہندوستان پر حکومت کی جو سب کے سب ترک نسل کے تھے۔ لیکن چونکہ وہ سب افغانوں کے غلام تھے اس لئے انکو افغانستان ہی کا فرزند کہنا چاہئے۔

قطب الدین ایبک پہلا غلام شہنشاہ تھا۔ اس کے بعد شمس الدین التمش اور اس کی لڑکی رضیہ پھر غیاث الدین بلبن اس خاندان میں ایسے شہنشاہ گزرے ہیں جن کے نام اسلامی تاریخ میں آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن ہیں۔

غیاث الدین بلبن کے پوتے معز الدین کیقباد پر غلام خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو افغانستان کے خلجی خاندان کی حکومت شروع ہوئی جس کا بانی جلال الدین خلجی تھا۔ اس کے بعد علاء الدین خلجی بہت مشہور ہوا اور اس کے بیٹے قطب الدین خلجی پر خلجیوں کی حکومت ختم ہوگئی اور تغلق خاندان کا دور شروع ہوا۔

غیاث الدین تغلق اس خاندان کا بانی تھا اور یہ بھی افغانستان کا تھا۔ محمد تغلق اور فیروز شاہ تغلق اس خاندان میں بہت نامور شہنشاہ گزرے ہیں۔ اسپین کا مسلمان سیاح ابن بطوطہ محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا اور کئی برس دہلی میں مقیم رہا تھا۔ اس کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد تغلق کے دور حکومت میں ہندوستان عرب و ترک و ایران و افغان تہذیبوں کا سنگم بنا ہوا تھا۔

تغلق خاندان کے بعد دو تین بادشاہ سید بھی ہوئے جن میں سید خضر خاں بہت مشہور رہے۔ یہ سید بھی افغانستان کے تھے اور ان کی نسل کے لوگ اب بھی افغانستان میں موجود ہیں۔

سیدوں کے بعد لودھی خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ جن میں بہلول لودھی سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی بہت مشہور رہے۔ ابراہیم لودھی کو قتل کر کے مغل شہنشاہ بابر نے ہندوستان چھین لیا۔

لودھی بھی افغانستان کے تھے اور ان کے بعد آنے والا بابر بھی افغانستان کا تھا۔ اور بابر کی اولاد کے زوال کے ایام میں مرہٹوں کا زور توڑنے والا احمد شاہ درانی بھی افغان تھا۔

لہذا ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہندوستان کا افغانستان سے تعلق آٹھ سو برس کا ہے۔ اور ہندوستان کی تاریخ اور ہندوستان کی اسلامی تہذیب عربوں کی شرمندۂ احسان نہیں ہے بلکہ یہاں ایران اور توران اور افغانستان کی تہذیب کا قبضہ رہا ہے۔ اور اب بھی ایرانی، تورانی، افغانی تہذیب کے اثرات ہندوستان کے سب مسلمانوں

میں ہیں۔ عربوں کا اثر محض مذہبی مراسم میں ہے ورنہ معاشرت پر عرب تہذیب کا کچھ بھی اثر نہیں ہے۔ البتہ آج کل عورتوں کی معاشرت پر ہندو تہذیب کا کچھ اثر نظر آتا ہے۔ مگر صرف شادیوں کی مراسم میں ہندو تہذیب داخل ہوئی ہے۔ غذا اور لباس اور رہائش میں ہندو تہذیب کا مطلق اثر نہیں ہے۔

ہندوستان کی شاعری پر ایران کا اثر غالب ہے لیکن یہ اثر بھی افغانستان کے راستہ سے آیا ہے اور افغان شعرا نے یا افغانوں کے پڑوسی ترکستانی شعراء نے اس اثر کو چمکایا ہے۔ افغانستان کے مایۂ ناز صوفی شاعر حضرت جامیؒ کو ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ ایران کے حافظؒ و سعدیؒ سے جامیؒ کی شہرت کچھ کم نہیں ہے۔ اور آگے مزارات ہرات کے سلسلہ میں حضرت جامیؒ کے مزار کی کیفیت معلوم ہوگی کہ وہ بھی ہرات (افغانستان) میں مدفون ہیں۔

عرب تہذیب کا اثر اسلام کی عبادات میں محصور ہے ورنہ فلسفۂ مذہب (تصوّف) سب کا سب ایران اور افغانستان کے باشندوں نے تیار کیا ہے۔ اور قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب جو مانی جاتی ہے وہ حدیث کی مشہور کتاب بخاری ہے جس کو بخارا کے ایک نومسلم محمّد نے جمع کیا تھا۔ اور بخارا افغانوں کی سرحد سے ملا ہوا مقام ہے۔ اور بخارا کے سابق حکمران آجکل افغانوں کے پنشن خوار ہیں اور کابل میں رہتے ہیں۔

فارسی اور اُردو شاعری میں بدخشاں کے لعل کا جس کثرت سے ذکر آتا ہے اسکو سب شاعر جانتے ہیں۔ معشوق کے ہونٹوں کو بدخشاں کے لعل سے ہمیشہ تشبیہ دی جاتی ہے۔

ان تمام امور کو مدّنظر رکھا جائے تو ماننا پڑیگا کہ افغانستان کی موجودہ سلطنت مسلمانان عالم کی عموماً اور مسلمانان ہند کی خصوصاً تہذیب کا منبع ہے۔

افغانستان میں ہندوستانی حکومت

اس سلسلہ میں یہ لکھنا بھی دلچسپی کا موجب ہوگا کہ افغانستان کے موجودہ حکمران غازی محمّد نادرشاہ ہندوستانی ہیں کیونکہ وہ ہندوستان کے مشہور مقام دہرہ دون میں پیدا ہوئے تھے اور اسی مقام پر انہوں نے پرورش پائی اور ہوش سنبھالا تھا۔ اور اسی لئے وہ نہایت عمدہ اُردو بولتے ہیں۔ اور اُن کو اُردو سے اس قدر محبّت ہے کہ اپنے گھر میں بھی اُردو زبان استعمال کرتے ہیں +

حسن نظامی

چشت اور ہرات کے مزارات

ناظرین کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کرنے والے حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیری رضہ تھے جن سے اس ملک میں چشتیہ خاندان جاری ہوا۔ اور حضرت کے جانشین اور خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضہ ہوئے جن کا مزار پرانی دہلی میں قطب مینار کے پاس ہے اور ان کے خلیفہ حضرت بابا شیخ فریدالدین گنج شکر رضہ ہوئے جن کا مزار پاکپٹن ضلع منٹگمری پنجاب میں ہے اور ان کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رضہ ہوئے جن کا مزار دہلی میں ہے اور جن سے نظامیہ سلسلہ جاری ہوا۔ اور ان کے دوسرے خلیفہ حضرت مخدوم علاء الدین صابر رضہ ہوئے جن کا مزار کلیر ضلع رڑکی میں ہے جن سے صابریہ سلسلہ جاری ہوا۔

ان بزرگوں کے سلسلوں کے مرید ہندوستان اور چین و آسام میں کروڑوں کی تعداد تک ہیں اور وہ سب چشتی نظامی یا چشتی صابری کہلاتے ہیں۔

اس سلسلہ کا چشتیہ نام اس وجہ سے ہوا کہ اس خاندان کے ابتدائی بانی مقام چشت ملک افغانستان کے رہنے والے تھے چشت ہرات کے قریب ہے اور ہرات کا راستہ قندھار سے جاتا ہے۔

میرے سفر افغانستان کے اہم مقاصد میں ایک مقصد تو بلخ میں حضرت علی ؑ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہونا تھا۔ دوسرے اپنے سلسلہ چشتیہ کے مرکز و منبع چشت شریف کو دیکھنا اور سلسلہ کے بانی اصحاب کے مزارات کی زیارت کرنی بھی تھی۔ مگر کابل میں جاکر معلوم ہوا کہ بلخ اور ہرات اور چشت

کا راستہ بہت خراب ہے اور راستہ میں کئی دریا آتے ہیں جن کے پُل نہیں ہیں۔ اور موجودہ حکومت ان راستوں کو تیار کرانے میں مصروف ہے اور خدا نے چاہا تو ایک سال میں یہ سب سڑکیں اور پُل تیار ہو جائینگے۔ اس لئے میں نے بلخ وہرات وچشت جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور قندھار سے واپس چلا آیا۔

مگر مجھکو جناب **سرور گویا** صاحب سے ہرات اور چشت کے مزارات کے حالات کی نسبت چند کتابیں ملیں تھیں جن کا ذکر میں نے افغانستان کے روزنامچہ میں بھی کیا ہے ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد میں نے ان اولیاء اللہ اور صاحب مزارات کے حالات سفرنامہ کے لئے ترجمہ کرائے اور ان کو اس سفرنامہ میں درج کر دیا تاکہ سیاح لوگ ہرات جائیں تو ان مزارات کی زیارتوں سے مشرف ہو سکیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور میں بلخ و ہرات وچشت کا سفر کر سکا تو ان مزارات کی چشم دید کیفیت بھی لکھوں گا اور کتابوں میں کوئی غلطی ہو گی تو اس کو بھی درست کر دوں گا ورنہ سیاحوں کے لئے تو کم از کم یہ احوال دلیل راہ ہو جائینگے۔

یہ حالات بہت مختصر ہیں اور کتاب کے مصنف نے پوری تفصیل سب بزرگوں کی نہیں لکھی تاہم یہ بھی غنیمت ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہرات وچشت کے قدیم وجدید بزرگوں کے نام اور مدفن تو معلوم ہو گئے۔ کوئی دوسرا بندہ خدا مفصل حالات بھی لکھ دیگا۔

سادات چشت کے تذکرہ میں ان بزرگوں کے حالات کے ساتھ جن کے اسمائے گرامی میرے سلسلہ کے شجرے میں ہیں میں نے مختصر نوٹ لکھ دیئے ہیں مگر کتاب کی ترتیب میں یہ نقص ہے کہ چشت کے مزارات کو علیحدہ نہیں لکھا اور ہرات کے مزارات کا تذکرہ کرتے کرتے ان بزرگوں کا ذکر بھی لکھ دیا۔ اور پھر ہرات کے مزارات کی کیفیت لکھنے لگے۔ حالانکہ چشت ہرات سے کئی منزل دور ہے اور وہاں مزارات بھی بہت زیادہ ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ چشت کا تذکرہ کتاب کے آخر میں علیحدہ لکھا جاتا۔

بہرحال جس قدر کیفیت معلوم ہو گئی وہ بھی غنیمت معلوم ہوتی ہے اور میں جناب سرور گویا صاحب کا ممنون ہوں کہ ان کے ذریعہ یہ کتاب مجھے مل گئی اور میں اس کا اقتباس درج کر سکا۔

حسن نظامی

هرات کی ایک مسجد

ہرات کے مزارات

مزار حضرت عبداللہؓ یہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے، علم ظاہری اور علم باطنی میں یگانۂ روزگار تھے بہت بڑے بہادر تھے اور ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں مصروف رہتے تھے اصفہان اور فارس کے لوگوں نے تمام مساجد میں آپ کے نام کا خطبہ پڑھ دیا تھا۔ جس پر فارس کے بادشاہ نے آپ پر فوج کشی کی اور آپ مجبوراً ہستان چلے آئے۔ ابو مسلم بادشاہ کا زمانہ تھا جس نے ہرات کے حاکم شبل کو لکھا کہ "کسی ترکیب سے حضرت عبداللہ رضؓ کو قتل کر کے ان کے سر کو میرے پاس بھیجدے" چنانچہ ۱۲۴ھ میں ابو مسلم کے حکم سے شبل نے آپ کو شہید کر دیا اور سر مبارک کو اُس کے پاس روانہ کیا اور جسد اطہر کو محلہ قطبیاں میں دفن کر دیا۔ شبل اس شہادت عظیم کے بعد اسی سال نہایت رنج و مصیبت کی حالت میں ایک تکلیف دہ بیماری سے مرگیا اور کہتے ہیں کہ اس کو جہاں کہیں دفن کیا جاتا تھا مٹی اس کو باہر پھینک دیتی تھی۔ اس لئے مجبوراً اس کو حضرت عبداللہؓ کے مزار کے پائین دفن کیا گیا۔ ہرات کے اولیاؤں میں حضرت عبداللہ رحم کا بہت ہی بلند مقام ہے ۸۶۰ھ میں سلطان محمد بادشاہ غور نے مزار مبارک پر ایک بڑے گنبد کی تعمیر کرائی۔ اور ۱۳۰۷ھ میں سعدالدین حاکم ہرات نے مزار مبارک پر دو بڑی بڑی لوحیں لگوائی جن میں حضرت کی شہادت اور روحانیت کے حالات کندہ ہیں۔

شاہزادہ ابو القاسمؓ حضرت امام جعفر صادق رضؓ کے صاحبزادے تھے۔ مزار مبارک کی کرامات بہت ہیں۔ جو مراد مند جاتا ہے بامراد واپس آتا ہے۔ سال شہادت کی تحقیق نہیں ہوسکی اور نہ زندگی کے حالات پورے طور پر معلوم ہوسکے۔ قبر محلہ مصرخ میں ہے۔ امیر حبیب اللہ خاں مرحوم نے ۱۳۲۵ھ میں مزار مبارک کی از سر نو تعمیر کرائی ہے۔ مسجد، خانقاہ، چلہ خانہ، چڑیوں کے گھونسلے اور کبوتروں کی رہنے کی جگہ بنائی گئی ہے طالبان حقیقت فیض حاصل کرنے جوق در جوق آتے رہتے ہیں۔

حضرت بی بی ستیؒ یہ نام اصل میں بی بی سیدانی تھا لیکن کثرت استعمال سے بی بی ستی ہوگیا ہے۔ یہ اپنے زمانے کی بہت ہی بزرگ، مستجاب الدعوۃ اور مشہور ترین ولی خاتون تھیں۔ بازار خوش میں مدفون ہیں۔ ہزارہا عقیدت شعار زیارت کے لئے آتے ہیں۔ اور مشہور ہے کہ کوئی بھی نامراد واپس نہیں جاتا ۱۵۹ھ میں انتقال ہوا تھا۔ میرزا سعید شاہ رحمہ نے قبر پر ایک بڑی عمارت اور مسجد تعمیر کرائی ہے۔

حضرت امام عبداللہ الواحدؒ حضرت کے سلسلہ نسب کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ آپ حضرت مسلم بن عقیل رضؓ کے صاحبزادے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن زید بن حضرت امام حسن بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہم۔ آپ کے مزار پر ایک قدیمی لوح لگی ہوئی ہے۔ اس پر بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ زید بن حضرت امام حسن رضؓ کی اولاد ہیں مزار مبارک کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ ۸۵ھ میں انتقال فرمایا۔ شیخ ابو نصر بزرگ نے حضرت سرور کائنات کو خواب میں دیکھا جو آپ کو حضرت عبداللہ الواحد کا مزار ہرات کے محلہ خمچہ آباد میں بتلا رہے تھے۔ سلطان حسین مرزا قوچانی نے مزار پر لوح کندہ کرائی اور نصب کی اور سراج الملۃ والدین امیر حبیب اللہ خاں نے مزار کی درستگی اور از سر نو تعمیر کی۔ حضرت عبداللہ الواحدؒ حدیث اور تاریخ کے بہت ماہر تھے۔

حضرت خواجہ ابو الولیدؒ علوم ظاہری و باطنی کے استاد تھے خاص ہرات کے قدیمی باشندے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ کے صاحبزادے اور محدث وقت امام دارامی سمرقندی کے حدیث میں استاد تھے۔ حضرت امام احمد حنبلؒ کی صحبت میں رہتے تھے ۲۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر مشہور و معروف ہے سلطان محمد کرت غوری نے مزار پر ایک عالیشان عمارت تعمیر کرائی تھی۔ اور بھی کئی بادشاہوں نے مزار کے ارد گرد بہت سی عمارتیں بنوائی تھیں جو سب موجود ہیں اور جس میں قرآن مجید کی تعلیم اور علوم دینیہ کی اشاعت کے لئے ایک مدرسہ قائم ہے۔ سلطان سعید ابن امیر تیمور گورگان ہر چہار شنبہ کو مزار کی حاضری دیتا تھا اور بروباد اور بیماری و مجبوری اسکے معمول میں حارج نہیں ہوتی تھی۔

حضرت خواجہ علیؒ عراق کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت ذوالنون مصریؒ کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ عراق سے ۸ حج پیدل کئے تھے۔ خدا کے عشق میں فنا تھے ۲۶۵ھ میں انتقال فرمایا۔ محلہ درب قطبی چاق میں مدفون ہوئے۔ میرزا حاجی محمد عظیم خاں ایک خوش عقیدہ افغان سردار نے مزار کے ارد گرد پختہ چہار دیواری بنوائی ہے۔

حضرت خواجہ رخ بندؒ خواجہ محمد یوسف نام تھا۔ لیکن چونکہ دُنیا کو دیکھنا پسند نہ کرتے تھے اور ہمیشہ اپنے چہرہ پر ایک نقاب ڈالے رکھتے تھے اس لئے رُخ بند مشہور ہو گئے تھے۔ پہلے کوئی شخص مزار کے قریب سے سوار ہو کر نہیں گزرتا تھا۔ وسط شہر میں ایک مسجد میں مدفون ہوئے جس کا نام بھی مسجد رخ بند ہے۔

حضرت امام ابو الحسن کرویؒ بہت بڑے محدث فقیہ حافظ اور زاہد تھے۔ کہتے ہیں کہ ۸۰ ہزار حدیثیں یاد تھیں اپنے وقت کے اجل عالم تھے ۲۵۵ھ میں انتقال فرمایا۔ ہرات میں ہی دفن ہوئے لیکن مزار مبارک کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت شیخ ابو الہاشم رازیؒ علم لغت اور فن ادب میں بے نظیر تھے ۲۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔ درب خوش محلہ میں مزار ہے۔

حضرت سید ابو عبداللہ المختارؒ مشائخ و سادات ہرات میں تھے علم صورت و معنی کے زبردست عالم تھے۔ صاحب کرامات بزرگ تھے۔ ۳۱۲ھ میں وفات ہوئی۔ ہرات کے کوہ شمال پر سر کوہ

ایک عالیشان عمارت میں مدفون ہوئے۔

حضرت امام عثمان دارانی رضؓ علم تصوف اور تمام ظاہری و باطنی علوم کے ماہر تھے۔ شافعی تھے۔ ہرات کے مشائخ نے آپ سے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ ۲۸۰ھ میں انتقال ہوا۔ مقبرہ خیابان میں مدفون ہوئے لیکن اب قبر کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت امام ابوسعید مہین رضؓ بہت بڑے متقی اور پرہیزگار آدمی تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی تصنیفات مشہور ہیں۔ ۲۹۰ھ میں انتقال فرمایا اور درب خوش میں مدفون ہوئے جہاں آپ کا خاندان اور دیگر بزرگانِ دین بھی مدفون ہیں۔

حضرت شیخ عبدالرحمن رضؓ ہرات کے نامور بزرگوں میں ہیں۔ ۲سال تک ایک مسجد میں رہے۔ دن کو روزہ رکھتے تھے اور تمام رات جاگ کر خدا کی عبادت کرتے تھے۔ سال وفات معلوم نہ ہوسکا مقبرۂ درب خوش میں حضرت ابوسعید کی قبر کے قریب دفن ہیں۔

حضرت شیخ ابوالمعالی مختار رضؓ سید ابوعبداللہ المختار کے صاحبزادے ہیں۔ زبردست عالم اور باکمال عابد و زاہد تھے۔ سالِ وفات معلوم نہیں۔ اپنے والد کے پائین کوہ شمال پر مدفون ہوئے۔

حضرت فقیہ عثمان مرغزی رضؓ حضرت سید عبداللہ مختار کے صاحبزادے ہیں۔ بہت خداترس اور نیک تھے۔ سالِ وفات معلوم نہیں حضرت سلطان عبداللہ الواحد کے پائیں مدفن ہے۔

حضرت امام محمد رضؓ اپنے وقت کے بہت بڑے متقی اور زاہد عالم تھے ۳۰۵ھ میں انتقال فرمایا اور ہرات کے "بزدان انجیل" گاؤں میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مدفن مبارک قبلۂ حاجات کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت شیخ عبداللہ رضؓ ظاہری اور باطنی علوم سے واقف تھے۔ ۸۰ سال خدا کی عبادت میں بسر کئے۔ ۳۱۱ھ میں انتقال فرمایا اور مقبرہ خیابان میں باپ کے قریب دفن ہوئے۔

حضرت شیخ محمد رضؓ حضرت عثمان دارانی کے فرزند ارجمند تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں باپ کی پوری تصویر تھے۔ ۳۳۰ھ میں انتقال فرمایا اور مقبرہ خیابان میں باپ کے قریب دفن ہوئے۔

حضرت امام ابوعلی حامد رضؓ علم فقہ اور تمام علوم اسلامی میں ماہر تھے۔ خاص و عام میں مقبول تھے۔ ہمیشہ وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ ۳۵۶ھ میں انتقال ہوا۔ درب خوش میں دفن ہے۔

حضرت شیخ ابواللیث رضؓ پورا نام "قطب الوقت شیخ ابوالعباس ابواللیث خوشنجی رضؓ" ہے۔ سادات میں تھے۔ پیدل سیاحت کرتے تھے۔ عارف باللہ اور صاحب کرامت تھے۔ مقبرۂ خیابان کے قریب بلندی پر مزار شریف ہے۔ مریدوں کی قبریں آپ کے چاروں طرف ہیں۔

حضرت شیخ محمد گازر رضؓ اکابر وقت میں تھے۔ بزرگان دین نے شیخ موصوف کی بہت تعریف لکھی ہے سال وفات نامعلوم ہے مقبرۂ خیابان میں مدفن مشہور ہے۔ شیخ صاحب کے والد گازری کرتے تھے چنانچہ جب آپ کا انتقال ہوا تو باپ نے سنگ گازری قبر پر نصب کیا جو اب تک موجود ہے۔

حضرت شیخ ابو العباس رض یہ بزرگ شیخ الاولیا حضرت محمد ابو العباس غورانی کے نام سے مشہور ہیں۔ روشن دل لوگوں میں تھے سال وفات نامعلوم ہے۔ غوران گاؤں کے محلہ "بلوک گذر" میں مزار شریف ہے۔

حضرت شیخ ابو زید مرغزی رض قدوۃ المشائخ پکارے جاتے ہیں صاحب کشف تھے۔ بہت سی کرامتیں صادر ہوئی ہیں۔ علم تصوف کے ماہر تھے۔ حضرت امام شافعی رض سے سلسلۂ تلمذ تھا اور ان کی صحبت میں معرفت کی منزل میں قدم رکھا تھا۔ سال وفات نامعلوم ہے۔ جامع ہرات کے مغربی حصہ میں مزار شریف ہے۔

حضرت شیخ ابو عبد اللہ مالانی رض محدث تھے۔ اور جب حج کر کے واپس آئے تو تمام اہل ہرات نے آپ سے بیعت کر لی۔ صاحب فیض تھے۔ سال وفات معلوم نہیں۔ طلقان مالان میں آپ کا مزار مشہور و معروف ہے۔

حضرت شیخ ابو نصری ہروی رض بزرگان گازرگاہ سے ہیں بہت بڑے عابد و زاہد اور یگانۂ وقت عالم تھے۔ سال وفات نامعلوم ہے مزار گازرگاہ میں ہے لیکن وہ بھی غیر متعین۔

حضرت خواجہ قریب ہراتی رض صاحب ولایت بزرگ تھے اور شیخ الحق والدین مشہور تھے۔ ۳۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔ مدفن گازرگاہ شریف میں ہے۔ بزرگان دین نے حضرت خواجہ کے بہت سے مناقب بیان کئے ہیں۔

حضرت خواجہ خیر جید رض ہندوستان سے تشریف لائے تھے مستجاب الدعوۃ تھے۔ غلام تھے لیکن آپ کی بزرگی کو دیکھ کر آقا نے آزاد کر دیا تھا۔ قطب زمانہ تھے۔ آپ کے مزار پر جو آنکھوں کا مریض جاتا اور دعا کرتا ہے تو وہ کامیاب لوٹتا ہے۔ ہرات کی شمالی مشرقی جانب مزار مبارک ہے۔ سال وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

حضرت خواجہ ابو عبد اللہ طاقی رض ملک سجستان کے شہر طاق کے رہنے والے تھے اور ہرات تشریف لے آئے تھے۔ ہزارہا باکمالوں کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا تھا۔ حنبلی تھے۔ اور علوم طریقت و حقیقت اور شریعت میں بہت ہی بلند درجہ رکھتے تھے۔ بے شمار کرامتیں حضرت کی طرف منسوب ہیں ۴۱۲ھ میں انتقال فرمایا اور درب خوش میں مدفون ہوئے۔ بہت سے بادشاہوں نے آپ کے مزار کے ارد گرد عمارتیں بنوائی ہیں۔

حضرت امام عبد اللہ رض محدث اور بڑے زاہد تھے۔ ہرات کے مشائخ اولیا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ صحابہ کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ۴۱۳ھ میں انتقال فرمایا۔ مدفن معلوم نہیں۔

حضرت شیخ یحییٰ بن عمار سجستانی رض علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ اہل ہرات کے پیشوا اور سالک تھے۔ ۶۰ سال تک مسلمانوں کو نصیحت فرماتے رہے ۴۲۲ھ میں انتقال فرمایا۔ اور مقبرہ خیابان میں دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ عبد الرحیم رض حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری رض کے استاد تھے۔ بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ دشت یلان میں مزار شریف ہے۔ سال وفات نامعلوم ہے۔

هرات کی قدیمی یادگار
جسکی نسبت کہا جاتا ھے کہ ھندؤں کی حکومت کے زمانہ کی ھے
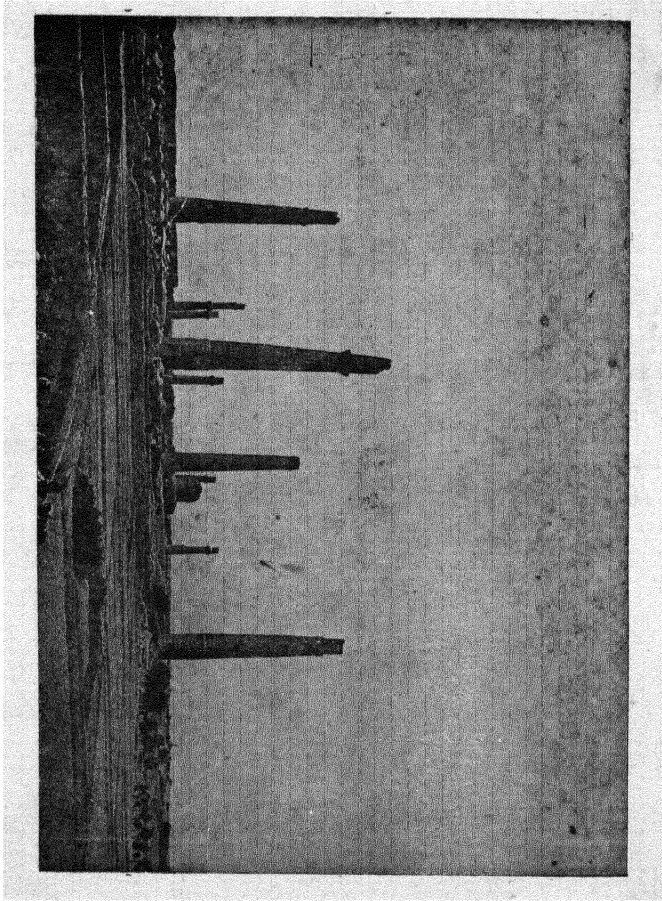
حضرت شیخ عمو رضؔ شیخ ابو اسمٰعیل احمد نام تھا لیکن شیخ عمو کے نام سے مشہور تھے۔ محدث تھے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ ۹۰ سال کی عمر پائی تھی ۴۴۱ھ میں انتقال فرمایا۔ گازرگاہ شریف میں قبر ہے۔

حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رضؔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد میں ہیں۔ آپ کے بزرگ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہرات تشریف لائے تھے۔ عربی کے بہت بڑے شاعر تھے۔ کہتے ہیں کہ ساٹھ لاکھ اشعار عربی میں آپ نے کہے۔ بہت ہی کم عمری میں حدیث، فقہ، ادب اور تمام اسلامی علوم کے ماہر ہو گئے تھے بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ نفس کو مارنے کے لئے بارہا گھاس کھاتے تھے۔ ۴۸۱ھ میں انتقال فرمایا۔ سلطان ابو سعید مرزا نے آپ کی قبر پر ایک عالیشان عمارت اور ایک بڑی مسجد تعمیر کروائی۔ اور بھی بادشاہوں نے مزار کے ارد گرد بہت سی عمارتیں بنوائی ہیں۔ مزار مبارک بہت ہی پُر انوار ہے۔

حضرت شیخ ابو حفص غورانی رضؔ بہت باہیبت بزرگ تھے بے شمار کرامتیں آپ کی طرف منسوب ہیں۔ سالِ وفات نامعلوم ہے۔ مزار مبارک قریۂ غوران میں ہے۔

حضرت شیخ ابو بشر گواشانی رضؔ مشہور ہے کہ آپ کبوتروں سے بات فرمایا کرتے تھے اسی لئے آپ "پیر کبوتر" بھی مشہور ہیں۔ سالِ وفات نامعلوم۔ قریۂ گواشانچہ میں مزار ہے۔

حضرت عبداللہ کہین اور عبداللہ مہین رضؔ یہ دونوں بزرگ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کے ہادی تھے۔ سالِ وفات نامعلوم ہے۔ قریۂ گواشانچہ میں دونوں کے مزارات ہیں۔

حضرت شیخ احمد کھدستانی رضؔ صاحب ولایت تھے۔ سالِ وفات نامعلوم۔ قریہ کھدستان میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ ابو الحسن نجار رضؔ نجار تھے اور بڑے بزرگوں میں تھے سال وفات اور قبر دونوں نامعلوم ہیں۔

حضرت خطیب کورت رضؔ اپنی قوم کے سردار تھے۔ بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ انصاری آپ کے ہاں اکثر مہمان رہتے تھے۔ قریۂ کورت میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ احمد کوفانی رضؔ صاحب کمال وحال تھے۔ کوفان گاؤں میں دفن ہیں۔

حضرت پیر محمد کشور رضؔ ہرات کے اکابرین میں تھے۔ حضرت عبداللہ انصاری نے اپنی تصنیفات میں آپ کے بہت سے مناقب بیان کئے ہیں۔

حضرت محمد شکرف رضؔ صاحب حال وقال پیروں میں تھے۔ سال وفات اور قبر کا پتہ نہیں ہے۔

حضرت ابو سعید مالانی رضؔ علم حدیث میں حضرت عبداللہ انصاری کے اُستاد تھے۔ زبردست بزرگ تھے۔ سالِ وفات ۴۱۲ھ ہے "زیارت گاہ" میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ ابو الحسن حدّاد رضؔ سادات میں ہیں۔ خاص ہرات کے باشندے تھے۔ شادی نہیں کی تھی۔

حضرت شیخ ابو منصور سوختہ رضؔ بہت زاہد اور پرہیزگار اور

اہل فضل تھے۔ خیابان میں قبر ہے۔

حضرت شیخ لعطار نوبادانی رض عالم و کامل اور بزرگان سادات عظام میں تھے۔ علم درویشی کے ماہر تھے۔ نوبادان گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت درویش محمد خیاط رح خواجہ عبداللہ انصاری نے اپنی تصنیفات میں آپ کی بے حد تعریف لکھی ہے۔ بڑے بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت شیخ لعطار جولاہ رح اکابرین ہرات میں تھے۔ گورستان درب خوش میں مدفن ہے۔

حضرت شیخ ابو عبداللہ عمیری رض اپنے وقت کے بڑے عالم فاضل اور بڑے زاہد و عابد تھے۔ ۴۸۳ھ میں انتقال فرمایا اور درب خوش میں دفن ہوئے۔

حضرت شیخ عبدالہادی رض شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاری کے فرزند ارجمند تھے۔ تمام ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ اور تقویٰ و زہد و فضل میں شہرہ آفاق تھے۔ چند ملحدوں نے آپ کو شہید کر دیا تھا اور ایک غیر مشہور مقام پر دفن کر دیا تھا لیکن جب ملحدوں کا زور کم ہوا تو آپ کے عقیدتمندوں نے قبر سے نکالکر حضرت عبداللہ انصاری کے پہلو میں دفن کر دیا۔

حضرت شیخ ابو نصر خمچہ آبادی رض شیخ الاقطاب و مرشد السالکین کے لقب سے مشہور ہیں۔ انتہائی بلند درجے کے اولیاؤں میں تھے۔ کرمان کے رہنے والے تھے۔ نہایت صاف دل روشن ضمیر انسان تھے۔ برسوں یاد الٰہی میں روتے رہے اور زمانۂ دراز تک معبود حقیقی کی لگن میں ملک در ملک سیر کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک بار آپ کو خواب میں فرمایا کہ اے ابو نصر ہرات جا اور شادی کر۔ تیری تین اولادیں ہوں گی۔ تب یہ بزرگ ہرات تشریف لائے۔ ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ آپ کی کرامتیں حد بیان سے باہر ہیں۔ ۵۰۳ھ میں وفات پائی اور حضرت سلطان میر عبداللہ الواحد رض کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

حضرت سلطان مجد الدین رض کامل اولیاؤں میں شمار کئے جاتے تھے۔ حضرت امام فخر الدین رازی رض آپ کی زیارت کے لئے ہمیشہ تشریف لاتے تھے۔ سال وفات معلوم نہیں شہر ہرات کے وسط میں مزار شریف مشہور ہے۔

حضرت شیخ ابو شجاع کرمانی رض علاء الدولہ والدین لقب، ابو شجاع کنیت اور اسم مبارک محمد ابن مسعود ہے متوکل اور صابر تھے۔ ساری زندگی غربت میں بسر کی۔ ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔ درب خوش میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ ترازو دار رض ہرات کے مشائخین میں تھے خدا ترس اور رحمدل بزرگ تھے۔ مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رہتے تھے۔ اور ایک دکان کھول رکھی تھی جس کی وجہ سے ترازو دار مشہور ہو گئے تھے۔ جب انتقال ہوا تو دکان میں ہی مدفون ہوئے۔

حضرت امام فخر الدین رازی رض فخر الحق والملت والدین قوم نے خطاب دیا تھا۔ ابو عبداللہ کنیت اور محمد بن عمر الرازی اسم گرامی تھا۔ اسلام کے درجہ اول کے علماء میں تھے۔ اپنے وقت کے

هرات کا منارہ

سب سے بڑے عالم اور محقق اور مفسر قرآن تھے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی اور اعلیٰ ترین "تفسیر کبیر" کے مصنف کی حیثیت سے حیاتِ جاوداں حاصل کر چکے ہیں۔ علوم منقول و معقول میں بے شمار اعلیٰ اور ضخیم کتابوں کے مصنف ہیں۔ روشن ضمیر اور علم لدنی کے حامل تھے۔ ہر جمعہ کو جامع ہرات میں مسلمانوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ سلطان غیاث الدین غوری نے آپ کے درس کے لئے جامع ہرات تعمیر کروائی تھی۔ ۵۴۴ھ میں ۲۵ رمضان المبارک کو پیدا ہوئے اور ۶۰۶ھ روز دوشنبہ عید الفطر کو راہی ملک بقا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت حضرت علامہ اعظم نے حسب ذیل رباعی ارشاد فرمائی تھی۔

ہرگز دل من ز علم محروم نشد — کم ماند ز اسرار کہ مفہوم نشد
ہفتاد و دو علم در نخواندم شب و روز — معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد

آپ کی خوابگاہ مبارک "خیابان" میں ہے۔

سلطان میر غیاث الدینؒ بادشاہِ وقت تھے۔ زندگی کی ایک ایک ساعت یاد الٰہی میں بسر کی۔ اسلام کی ترقی کے لئے جہاد کئے۔ اور علماء کرام کی خدمت کی۔ مسجد جامع ہرات کی تعمیر کی اور ایک مدرسہ غیاثیہ قائم کیا جس میں حضرت رازی جیسے علامہ دوراں درس دیا کرتے تھے۔ روشن ضمیر اور خدا ترس اور نیک سیرت تھے۔ اور علم دین کے خادم بادشاہوں میں ممتاز درجہ پر تھے۔

حضرت شیخ محمودؒ فارس کے مشہور قصبہ سرق کے باشندے تھے زہد و تقویٰ میں ہرات کے مشائخین میں شمار ہوتے تھے۔ خواجہ بزرگوں میں ایک بڑے مقبرہ کے اندر دفن ہیں۔ "شیخ الاصفیاء کمال الملت والدین" لقب مشہور ہے۔

حضرت شیخ سیف الدین ترکؒ شاہی خاندان سے تھے مجذوب ہو گئے تھے بے شمار کرامتیں آپ کی طرف منسوب ہیں۔ ہرات کے سب باشندے آپ کے مرید تھے۔ گازرگاہ شریف میں مدفون ہیں۔

حضرت درویش داد بابوؒ اصل نام حاجی محمد ہے۔ لیکن سلطان غیاث الدینؒ نے داد بابو کا خطاب دیا تھا۔ مصر کے رہنے والے تھے اور چمڑوں کو دباغت دیتے تھے۔ یاد الٰہی کا جذبہ پیدا ہوا سب چھوڑ چھاڑ ہرات چلے آئے۔ مدفن مبارک درب قلعی چاق میں ہے۔

حضرت میر حسینیؒ سید اور عالی نسب ہیں۔ شیخ رکن الدینؒ کے سلسلہ سے حضرت زکریا ملتانیؒ کے مریدوں میں تھے۔ زہد و تقویٰ میں شہرۂ آفاق تھے۔ علوم اسلامی کے ماہر تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی تھیں جن کا فیض اب تک جاری ہے۔ حضرت عبداللہ طیار کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا عبد الرحیمؒ پیر تسلیم کے نام سے مشہور ہیں۔ بہت ہی زبردست عالم اور یگانۂ روزگار استاد تھے۔ جو کہتے تھے پھر اس کے خلاف کبھی نہیں کرتے تھے۔ غوری بادشاہوں نے حق پرستی کے جرم میں ۵۳۸ھ میں آپ کو شہید کر دیا۔ مزار مبارک جو اجابتِ دعا کے لئے مشہور ہے خیابان میں واقع ہے۔

حضرت مولینا ظہیر الدین غوریؒ غور کے باشندے تھے۔ ہنگامہ کے واقعہ کے بعد ہرات چلے آئے تھے۔ صاحب کمال بزرگ تھے

۷ بارحج کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی اولاد میں تھے۔ ۳۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ حضرت "پیر تسلیم" کے پہلو میں خیابان میں دفن کئے گئے۔

حضرت شیخ ابونصر جامی رضؓ جام اور نیشاپور آبائی وطن تھا۔ ہرات میں تربیت پائی۔ علم حدیث اور تصوف کے ماہر تھے۔ ۷ بارحج کیا۔ صاحب حال تھے۔ ۴۱۱ھ میں انتقال فرمایا۔ درب فیروزآباد کی خانقاہ میں مدفن ہے۔

حضرت شیخ قیام الدین بسطامی رضؓ حضرت سلطان بایزید بسطامی تک سلسلۂ طریقت پہنچتا ہے۔ امام وقت اور زبردست عالم اور صاحب فیض بزرگ تھے۔ ۴۳۳ھ میں انتقال فرمایا اور حسب وصیت خیابان میں حضرت فخرالدین رازی رضؓ کے قریب دفن ہوئے۔

حضرت مولانا محمود مرغابی رضؓ قطب الاولیاء والاعزا کے لقب مشہور ہے۔ زبردست عالم اور یگانۂ روزگار بزرگ تھے۔ ۶۰۰ھ میں وفات ہوئی اور ہرات کے مشہور و معروف گاؤں مرغاب میں مدفون ہوئے۔

حضرت قاضی جلال الدین محمود رضؓ علم فقہ کے ماہر اور ہرات کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی اولاد میں تھے۔ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ بادشاہان وقت بے حد تعظیم کرتے تھے۔ اور ملک کی تعلیمی ضرورتوں میں آپکے مشوروں کو قبول کرتے تھے۔ ۸۰۰ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کے قریب دفن کئے گئے۔

حضرت شیخ سیف الدین خلوتی رضؓ علوم ظاہری و باطنی میں باکمال تھے۔ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ۸۵۰ھ میں وفات پائی اور مزار خلوتیاں میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ ظہیر الدین خلوتی رضؓ علم قرأت میں اُستاد وقت تھے اور بہت پرہیزگار تھے۔ ۸۰۰ھ میں انتقال فرمایا اور مزار خلوتیاں میں دفن کئے گئے۔ مزار خلوتیاں میں ان دونوں بزرگوں کے علاوہ بے شمار بزرگوں کے مزارات ہیں۔

حضرت اخی محمد و اخی محمود رضؓ مجذوب تھے اور ہر شخص کے دل کی بات بتلا دیتے تھے۔ کوہ مختار میں مزار پرانوار ہے۔

حضرت پیر لقمہ رضؓ معبود حقیقی کی لگن میں ہندوستان سے ہرات آئے تھے۔ لقمہ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ کیونکہ نفس کشی کے لئے آپ نے اعلیٰ کھانوں کا استعمال چھوڑ دیا تھا۔ اور نمک، صابون، مٹی کے ڈلے اور کنکریاں جو کچھ ملتا اس کو کھا لیتے تھے اور ہمیشہ اپنے نفس سے خطاب کرتے تھے۔ اے نفس! خدا نے تجھ کو یہی غذا دی ہے اگر کھانا چاہے تو کھالے ورنہ چھوڑ دے۔ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ چند تاجروں کا قافلہ دریا سے کشتی پر پار ہو رہا تھا کہ طوفان آیا اور کشتی بالکل ڈوبنے کے قریب ہوگئی۔ تاجروں کا بیان ہے کہ اس وقت سطح دریا پر حضرت پیر لقمہ نمودار ہوئے اور کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ سالِ وفات معلوم نہیں۔ مزار مبارک خیابان میں ہے۔

حضرت درویش مسافر رضؓ بڑے صاحب حال بزرگ تھے۔ چالیس سال تک ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتے تھے۔ مقبرہ خیابان میں گوہر شاد بیگم بنت امیر غیاث الدین کے مدرسہ کے سامنے مدفون ہیں۔

چار باغ هرات
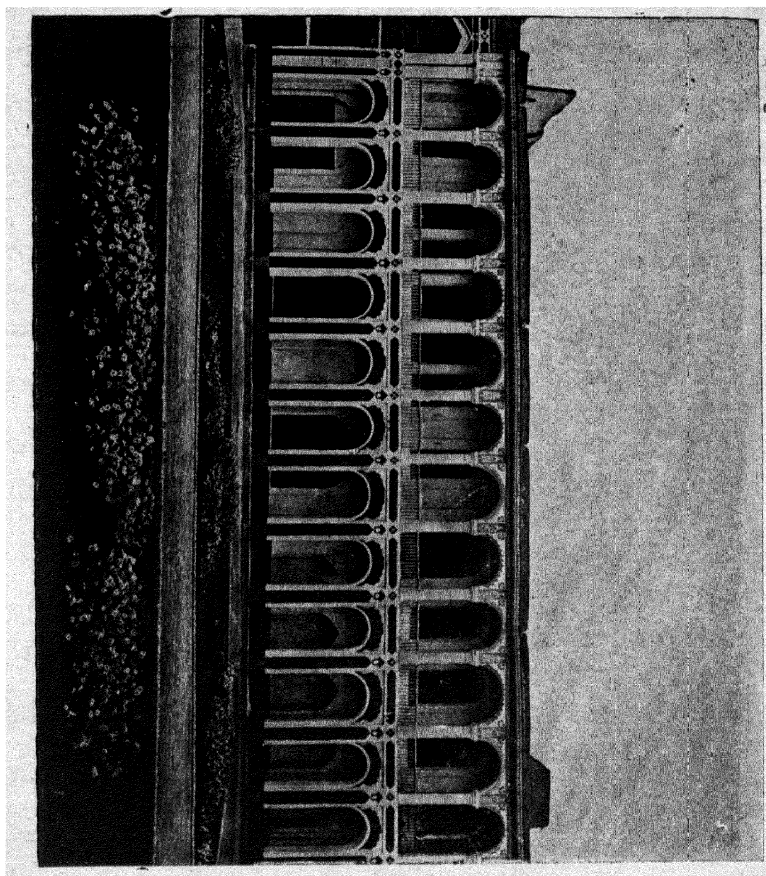
حضرت سید اشرف رضؒ متبحر عالم تھے اور اپنے وقت کے چیدہ چیدہ علماء کے درس سے فیض حاصل کیا تھا۔ ۸۰ سال تک ہرات میں فتویٰ لکھتے رہے۔ روشن ضمیر اور روشن دماغ تھے۔ ۲۱۰ھ میں انتقال فرمایا اور مقبرہ خیابان میں دفن کئے گئے۔

حضرت مولینا حسام الدین العبدیؒ محدث، عالم اور بڑے بزرگ تھے۔ ۷۵۵ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت سید السادات شاہزادہ عبداللہؓ کے گنبد میں مدفون ہوئے۔

حضرت شاہزادہ فرخ بن خاقانؒ مجاہد تھے اور حق گو تھے۔ اسلامی حکومت نے حق گوئی کے جرم میں شہید کر دیا تھا۔ دروازہ خوش کے قریب مدفن ہے۔

حضرت خواجہ عبداللہ مصریؒ اکابر اولیاء میں تھے۔ ہلاکو نے آپ کو شہید کر دیا تھا۔ ایک غار میں جو آپ کے نام پر موسوم ہے آپ کا مدفن ہے عجیب پُر اثر مقام ہے۔

حضرت خواجہ مخفیؒ بہت بڑے بزرگ تھے لیکن ہمیشہ مخفی رہتے تھے۔ کوئی آپ کی حقیقت سے واقف نہ تھا۔ مزار مبارک درب قطب چاق میں آستانہ مراد محل کے قریب ہے۔

مسجد چہار شنبہ حضرت خواجہ عبداللہ مصری کے مزار کے قریب یہ مشہور اور متبرک مسجد ہے۔ اس کے ایک گوشہ میں بیسیوں اولیاء اللہ کے مزارات ہیں۔ بڑا متبرک مقام ہے۔ ہر چہار شنبہ کو اہل ہرات زیارت کے لئے آتے ہیں اور اس کو آستانہ مراد کہتے ہیں۔

مسجد گنبد خواجہ نورؒ اس مسجد کے قریب ایک چشمہ ہے۔ اور یہ مسجد خواجہ نور کے نام سے مشہور ہے۔ دو شنبہ کے دن لوگ دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگنے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ یہ مقام چار ہزار سال سے مختلف مذاہب کے لوگوں کا متبرک مقام رہا ہے۔ یہاں بے شمار بزرگوں کے مزارات ہیں۔ آس پاس چلے خانے اور خانقاہیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ مقام بجید مہیب اور پُر رعب ہے۔ کوئی شخص تنہا جانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ یہ مقام ہرات کی مشہور زیارت گاہ ہے جہاں ہر طرف سے زائرین آتے رہتے ہیں۔

حضرت خواجہ امانت دارؒ بڑے بزرگ تھے۔ قدوۃ المشائخ لقب تھا۔ محلہ میراں میں دروازہ فیروز آباد کے قریب مزار ہے۔

حضرت خواجہ مراد بخشؒ یہ زیارتگاہ محلہ قالین بافاں میں ہے۔ مشہور ہے کہ جو اس مزار پر صدق دل سے دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ چہار شنبہؒ بہت جلالی بزرگ تھے۔ محلہ سلانی میں مزار ہے۔ چہار شنبہ کے روز لوگ مزار مبارک پر مرادیں مانگنے جاتے ہیں۔ بہت پر فیض مقام ہے۔

حضرت پیر غازانیؒ صاحب کمال بزرگ تھے۔ ہر طرف سے طالبان معرفت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ محلہ غازان میں درب عراق کے قریب مزار ہے۔

حضرت خواجہ ابو القاسمؒ اپنے وقت کے بڑے ولی تھے۔ آبخورے بنایا کرتے تھے۔ زائرین آپ کے مزار سے فیض یاب ہوتے

ہیں۔ بازار خوش میں مزار ہے۔

مزار چہل دختران رضہ اس نام کی ایک مشہور زیارتگاہ محلہ کلاگران میں فصیل شہر کے قریب ہے۔ خلقت فاتحہ پڑھنے ہمیشہ جاتی ہے۔

مزار شہداء رضہ جامع ہرات کے قریب مشہور معروف زیارت گاہ ہے۔

حضرت آجہ و ماجہ رضہ درب فیروز آباد کے قریب ایک دوسرے کے متصل آجہ و ماجہ نامی دو مزار ہیں، دونوں بہت مشہور بزرگ تھے۔ نیازمندوں کا ہمیشہ زیارتگاہ میں ہجوم رہتا ہے۔

حضرت بی بی نور رضہ بہت پُرجلال بی بی تھیں۔ تمام عمر زہد و عبادت میں بسر کی تھی۔ کہتے ہیں کہ پل مالان انہی بی بی نے تعمیر کروایا تھا محلہ شمعان میں مزار مبارک ہے۔ اولیا بیت دُعا کے لئے مشہور ہے۔

حضرت شیخ محمد مکی رضہ اولیاء اللہ میں تھے۔ مزار درب قطب چاق میں ہے اور بہت ہی پُرانوار ہے۔

مسجد شہداء رضہ اس مسجد کے ایک گوشہ میں شہداء کے مزارات ہیں۔ اہل ہرات وسیلہ کی غرض سے ان مزارات کی حاضری دیتے ہیں۔

حضرت خواجہ ظفر شہید رضہ یہ مزار جامع ہرات کے جنوبی جانب ہے شکستہ حالت میں ہے اور مشہور زیارت گاہ ہے۔

مزار طفلکاں ہرات کے محلہ طفلکاں میں یہ مزار واقع ہے یہاں صرف بچے دفن ہیں اہل ہرات یہاں بھی بغرض حصول مراد آتے ہیں

مزار سادات رضہ محلہ طفلکاں کے قریب ایک بڑا گنبد ہے جس میں تین قبریں ہیں جو مشہور سادات اور بزرگوں کی ہیں۔ جمعرات کو لوگ اس مزار پر حاضر ہوتے ہیں۔ اور دعائیں مانگتے اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔

حضرت خواجہ کاتب رضہ اہل ہرات میں مشہور ہے کہ حضرت خواجہ کاتب رضہ کاتب وحی تھے لیکن اس عام روایت کی کوئی تاریخی سند نہیں ملتی۔ بہت جلالی بزرگ تھے۔ اب بھی صاحبان کشف و ریاضت مزار پر جمع رہتے اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ جمعرات کے روز مزار روحانی روشنی سے منور رہتا ہے۔

حضرت خواجہ کلہ رضہ بہت بڑے اور صاحب کمالات بزرگ تھے۔ مزار کے قریب ایک حوض ہے اور کئی عمارتیں ہیں جن میں فقراء رہتے ہیں۔ خواجہ کلہ لقب اس لئے پڑا کہ لوگ یہاں مراد و منت کی بھیڑیں نذر چڑھاتے ہیں۔

حضرت خواجہ یافتہ رضہ سلیمان شاہ کے حمام کے قریب ایک چار دیواری میں ایک مشہور زیارتگاہ ہے۔ جہاں مخلوق آتی رہتی ہے۔ اور اس مزار کے سامنے ایک مسجد بھی ہے۔

حضرت خواجہ چہل گزی رضہ باغ زاغان کے قریب ایک لانبی قبر ہے جس کے قریب چند عمارتیں اور ایک حوض ہے۔ ہرات کی مشہور زیارتگاہوں میں اس کا نام بھی شامل ہے۔

حضرت خواجہ سبز پوش رضہ بہت مشہور بزرگ تھے۔ خلوگاہ کمی میں مزار مبارک ہے۔ اہل ہرات جوق جوق اس مزار پر آتے ہیں۔

افغانستان کي ایک قدیمي یادگار

حضرت خواجہ مروارید رضؓ قدیم اور مشہور بزرگوں میں تھے۔ درب عراق کے قریب مزار مبارک واقع ہے۔

حضرت خواجہ مرادبخش رضؓ باغ زبیدہ کے قریب سرِ راہ مزار مبارک ہے۔

حضرت سید محمد مغربی رضؓ صاحب کمال بزرگ تھے باغ زبیدہ کے مشرقی جانب مزار ہے۔

خاک صندوق ایک مشہور و معروف مزار کا نام ہے جو محلہ باغ نو میر میں ہے۔

کوئے شہدا رضؓ یہ بھی ایک زیارتگاہ ہے حضرت عبداللہ الواحد شہید کے مزار کے شمالی جانب ہے اور مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ کو اسی مقام پر شہید کیا گیا تھا۔

مسجد پنجہ حضرت عبدالواحد کے مزار کے شرقی جانب یہ مسجد ہے۔ رات کے وقت کوئی شخص اس مقام پر تنہا نہیں جا سکتا نہایت پُر رعب جگہ ہے۔ بے شمار درویشوں اور اولیا کے مزارات ہیں۔

حضرت شاہ ابوالقیس رضؓ بزرگان دین میں سے تھے۔ درب خوش کے جنوبی جانب مزار ہے اور وہاں ایک مسجد بھی ہے۔

پیر غیبی رضؓ حضرت شاہ سلطان زندہ کے نام سے مزار مشہور ہے۔ مزار پر لوح بھی ہے۔ ایک بلند مقام پر حضرت عبداللہ طاقی کی قبر کے متصل مزار مبارک ہے۔

حضرت پیر فخر ثانی رضؓ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ درب خوش میں مزار ہے۔

مزار دختراں رضؓ کہتے ہیں یہ جوان لڑکیاں بہت پارسا اور نیک تھیں۔ چند شہریوں نے ان کو تنگ کرنا چاہا تو یہ اس مقام پر چلی آئیں اور انتقال فرما گئیں۔ بہرحال قبر سے پارسائی اور تقویٰ کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ درب خوش کے قریب ایک تنگ مکان میں چند قبریں ملی جلی ہیں۔ اہل ہرات اس مزار سے بہت عقیدت رکھتے ہیں۔

حضرت محمد ماہ روی رضؓ صاحب دل بزرگوں میں تھے۔ درب خوش میں مدفن ہے۔

حضرت خواجہ روشنائی رضؓ یہ مشہور زیارت گاہ ہے اس میں باغ۔ لنگرخانہ اور مسجد بھی ہے۔ بہت سے حاجتمند زیارت کے لئے جاتے ہیں اور کامیاب واپس ہوتے ہیں۔

حضرت بابا قمبر مجذوب رضؓ بہت مشہور مجذوب گذرے ہیں۔ بہت سی کرامتیں اور خوارق عادات ان کی طرف منسوب ہیں۔ درب خوش میں مزار ہے۔

حضرت مولینا حاجی ابدال رضؓ یہ بھی مجذوب بزرگ گذرے ہیں۔ ان کی زبان سے جو کچھ نکلتا تھا وہ ہو کر رہتا تھا۔ درب خوش میں مزار مشہور و معروف ہے۔

حضرت شیخ منصور رضؓ زبردست عالم و فاضل اور پُرانے صاحبان فضل و کمال میں تھے۔ مدفن باغ زاغی زرگر میں ہے۔

حضرت خواجہ آدینہ رضؓ تمام ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر تھے سیرت وصورت میں باکمال تھے۔ حضرت خواجہ عبداللہ طاقی کے مزار

کے قریب مزار مبارک ہے۔

حضرت خواجہ کوزہ گر رض زبردست عالم اور اہل کمال بزرگ تھے۔ دربِ خوش میں مزار ہے۔

مقبرۂ گازرگاہ مشہور مقبرہ اور مشہور مقام ہے کیونکہ یہاں صرف اولیاء اللہ ہی کی قبریں ہیں بہت ہی پر انوار جگہ ہے۔

حضرت خواجہ ہفت چاہ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کے قریب ہی یہ زیارت گاہ ہے۔ جب زائرین یہاں آتے ہیں تو سات کنکریاں لے کر اس پر قل ھو اللہ احد دم کرتے ہیں اور پھر پھینک دیتے ہیں۔ اس زیارت گاہ پر فاتحہ پڑھنے کا یہی طریقہ ہے۔

حضرت محی السنۃ رض بڑے بزرگ اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے جس کی وجہ سے محی السنہ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ مزار مبارک مرد الرود میں واقع ہے۔

حضرت خواجہ علمدار رض پیر تسلیم کے مزار کے قریب خیابان میں یہ مقبرہ ہے۔ اور اس میں پرانے اور نئے بہت سے علماء دین اور اولیاء اللہ کے مزارات ہیں خواجہ علمدار رض کی قبر بھی اسی مقبرہ میں ہے۔

حضرت شیخ مسافر رض کامل فقیر تھے۔ مزار گوہر شاد کے مدرسے کے قریب ہے۔

حضرت بابا ہدی مجذوب رض پہلے عرصہ تک سالک رہے لیکن بادشاہان ہرات کے زمانے میں مجذوب ہو گئے تھے۔ بہت سی خرقِ عادت حکایتیں حضرت کی طرف منسوب ہیں۔ مزار مبارک خیابان کے قریب ہے۔

مزار سرکوچہ رض باغ زاغان کے قریب ایک کوچے کے کنارے مزار واقع ہے اور اسی لئے سرکوچہ مشہور ہو گیا۔ سید اور بہت پُرجلال بزرگ تھے۔

حضرت شیخ ابوالعطار رض بڑے بزرگ تھے خواجہ ابوالولید رح کے مزار کے گنبد کے باہر مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ اولیں رض بارگاہ الٰہی میں مقرب تھے مزار مبارک مشہور و معروف ہے۔ کوئی سوار مزار کے قریب سے نہیں گزر سکتا۔

حضرت پیر سرخ رض بڑے درویشوں میں شمار ہوتے ہیں سرنان بلوک گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت خواجہ کنجان رض ہرات کے پرانے اولیا اور مشائخین میں ہیں۔ بلوک گذر میں مزار ہے۔

حضرت خواجہ عنبر رض صاحب کمال بزرگ تھے۔ کول نشین گاؤں میں مزار مبارک ہے۔

حضرت خواجہ مسعود رض مقرب بندوں میں تھے۔ داد شان گاؤں میں مدفن ہے۔

حضرت خواجہ محمد بے نظیر رض چشمۂ مالان کے قریب مزار ہے اپنے وقت کے صاحب معرفت بزرگوں میں تھے۔

حضرت خواجہ شیر سرخ رض مولینا عبدالرحیم مالانی رض کے مرید تھے۔ صاحب کشف ولیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مزار مسجد حاجہ کے قریب ہے۔

حضرت بی بی جعفر تاجی رض اپنے وقت کی خدا ترس خاتون اور

ثار قديمه افغانستان هندو زمانه كي يادگار

بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں۔ ہر طرف سے زیارت کرنے والے لوگ آتے رہتے ہیں۔ مزار مبارک جغرتان گاؤں میں ہے۔

حضرت خواجہ نصُوحا رضؓ قدیم اولیاء اللہ میں ہیں۔ شمعان گاؤں میں مدفن ہے۔

حضرت خواجہ شادغم رضؓ بڑے فاضل اور کامل اور صاحبِ وجد وحال تھے۔ شمعان میں قبر ہے۔ مرادیں مانگنے والے قبر مبارک پر بہت عقیدت سے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ رُخ رضؓ ہرات کے باکمال بزرگوں میں تھے۔ شمعان میں مدفن ہے۔

حضرت خواجہ پنج شنبہ رضؓ پُل مالان کے قریب مزار ہے۔ اپنے وقت کے عالی ہمت اور روشن ضمیر بزرگ گزرے ہیں۔

حضرت خواجہ گازر مالانی رضؓ نہایت کامل بزرگ تھے۔ مالان گاؤں میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ سلیم رضؓ قدیم زمانے کے بڑے فقیروں میں تھے۔ مالان میں مزار ہے۔

حضرت خواجہ سلیم دست جردی رضؓ بڑے ولیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ گوا شانچہ کے قریب قبر مشہور ہے۔

حضرت خواجہ طلقانی رضؓ دست جرد گاؤں میں مدفون ہیں۔ صاحب کمال بزرگوں میں تھے۔

حضرت شیخ علی کاکو رضؓ اپنے زمانے کے بڑے درویشوں میں تھے۔ بہت سی کرامتیں اور خوارق عادات شیخ کی طرف منسوب ہیں۔ بازارچہ محلہ میں قبر ہے۔

حضرت شیخ سراج الدین رضؓ آبائی وطن بلخ تھا۔ لیکن رہبر کامل کی تلاش میں ہرات چلے آئے تھے۔ حضرت پیر تسلیم رحمؒ کے مرید اور حدیث و تفسیر میں یکتائے روزگار تھے۔ شمعان گاؤں میں مزار پُرانوار ہے۔

حضرت شیخ عُلیا رضؓ عارف باللہ اور ولی کامل تھے۔ اسفغان میں مزار ہے۔

حضرت خواجہ بختیار رضؓ صاحب حال فقیر تھے۔ اسفغان گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت بابا بکر رضؓ عالی مقام بزرگ اور ہرات کے قدیم مشائخ میں گنے جاتے ہیں۔ اسفغان میں مزار ہے۔

حضرت پیر ترک رضؓ خدارسیدہ بزرگ تھے۔ بشران مقام میں مزار ہے۔

حضرت حاجی محمد زادہ رضؓ خدارسیدہ بزرگ تھے۔ زیارتگاہ میں قبر ہے۔

حضرت شیخ ابو اسحاق رضؓ امام وقت اور محدث اعظم تھے۔ سنہ ۲۲۶ھ میں انتقال فرمایا۔ شکیبان گاؤں میں مزار مبارک ہے۔

حضرت شیخ ابو نصر رضؓ شکیبان میں مزار ہے۔ قدیم بزرگوں میں ہیں۔

حضرت پیر چہار تختہ رضؓ اہل ہرات کے محبوب، صاحب کمال اور صاحب دل بزرگ اور ولی کامل تھے۔ شکیبان عُلیا گاؤں میں مزار ہے۔ جہاں عقیدت مند جوق جوق آتے جاتے رہتے ہیں۔

قبر سرخ رضؓ ہرات کی پہاڑیوں میں ایک مقام بند قارون ہے یہ جگہ تمام ہرات میں مشہور ہے کیونکہ اس کے قریب ہی ایک سرخ

قبر ہے جو ہرات کی مشہور ترین زیارتگاہ ہے۔ یہاں لوگ مرادیں مانگنے آتے ہیں۔ غسل کرکے اور نیا لباس پہنکر حضرت سرور کائنات کی خدمت میں کئی ہزار درودوں کا تحفہ پیش کرتے ہیں اور دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ پھر اپنی مشکل حل ہونے کی دعا مانگتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس زیارتگاہ پر دعا مانگنے کا یہ طریقہ بہت مقبول ہے اور اکثر لوگ بامراد واپس آتے ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین بسطامی رضؓ تمام اسلامی علوم کے ماہر تھے۔ اور حدیث و فقہ و تفسیر و تصوف کے فنون اپنے وقت کے باکمال اُستادوں سے پڑھے تھے۔ زبردست عالم اور زبردست صوفی تھے۔ بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں۔ تمام بادشاہوں نے حضرت مرحوم کی بیحد عزت کی اور امیر تیمور گورگان حضرت کا بیحد عقیدتمند تھا۔ ۸۰۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت رازی رضؓ کے قریب مقبرہ خیابان میں مزار پُر انوار ہے۔ مزار کے قریب قدیم بادشاہوں کی بنوائی ہوئی مختلف عمارتیں ہیں

حضرت شیخ عبدالحق طوسی رضؓ علم تصوف کے ماہر تھے اور خدا کی محبت میں ہر وقت سرشار رہتے تھے۔ خواجہ سرق گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت شیخ علی رافعی رضؓ آخری دور کے زبردست عالم اور زاہد و متقی و واعظ تھے۔ ۷۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مقبرہ خیابان میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ شمس الدین بخاری رضؓ قطب وقت اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ جب وقت آخری قریب آیا۔ تو خود ہی اپنی قبر کھودی، خود ہی کفن سیا۔ خود ہی پانی گرم کیا اور نہلانیوالے کو خود ہی نصیحت فرمائی اور پھر عقیدتمندوں سے بالکل بے پرواہی اور بے خوفی کے ساتھ بات چیت فرماتے رہے اور پھر ایک دم کلمہ پڑھتے ہوئے انتقال فرماگئے۔ سروستان گاؤں میں مزار مبارک ہے ۸۳۱ھ یوم جمعہ ۷ جمادی الاول آپ کی تاریخ وفات ہے۔

حضرت مولینا شمس الدین محمد ظہیر رضؓ حاجی اور باکمال عالم اور صوفی اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ اہل ہرات حضرت رضؓ کے معتقد تھے۔ ۸۴۱ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت پیر تسلیم کے جوار میں مقبرہ خیابان میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ اسمٰعیل خوارزمی رضؓ زبردست بزرگ اور صاحب کرامت تھے۔ حج کیا تھا۔ اور اپنے وقت کے بزرگوں کی صحبتوں سے فائدہ اُٹھایا تھا۔ کہتے ہیں کہ ۲۰ سال تک خدا کی یاد میں اس طرح مصروف رہے کہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پیا۔ ۸۴۱ھ میں انتقال فرمایا اور جہاں یادِ الٰہی فرمایا کرتے تھے وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ ابوسعید خلوتی رضؓ زہد اور ریاضت میں مشہور ہیں۔ ۹۰ سال کی عمر میں ۸۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آخری سالوں میں نابینا ہوگئے تھے۔ مقبرہ خلوتیاں میں مزار ہے۔

حضرت سید قدسی رضؓ ظاہری اور باطنی علوم میں فاضل تھے۔ بخارا سے ہرات تشریف لائے تھے۔ کوہ سید عبدالمختار رضؓ پر مزار شریف ہے۔

افغانستان میں ایک پرانا بت

حضرت مولانا شمس الدین محمد رح | خراسان کے رہنے والے تھے اور "ملائے کلاں" کے نام سے مشہور تھے۔ زہد، عبادت، قابلیت اور خدا ترسی میں بہت بھاری پلہ رکھتے تھے۔ اچھے شاعر تھے اور مصنف و واعظ بھی تھے۔ ۷۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ زیارت گاہ میں قبر ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین افتخار رح | زبردست عالم اور فن قرارت کے امام تھے۔ حدیث میں بھی بےنظیر تھے بڑی محنت سے ایک کتب خانہ جمع فرمایا تھا۔ ۸۲۳ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت رازی رح کے پہلو کے قریب دفن ہوئے۔

حضرت بابا ارسلان دیوانہ رح | عارف باللہ اور خدا رسیدہ مجذوب تھے۔ بہت کرامتیں حضرت کی طرف منسوب ہیں۔ شارع عام میں مزار ہے۔

حضرت پیر سہ صد سالہ رح | بابا یوسف اصلی نام ہے سالک وقت تھے۔ خدا کی محبت میں سینکڑوں سال تک جنگلوں پہاڑوں، صحراؤں اور جانوروں کے درمیان چکر لگاتے رہے کہتے ہیں کہ تین سو سال کی عمر پائی۔ ۸۲۳ھ میں انتقال فرمایا اور زیارتگاہ پیر سہ صد سالہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ لطف اللہ رح | بہت مشہور واعظ اور فن تفسیر کے بڑے عالم تھے۔ حج کیا تھا اور ایک زمانہ تک جامع ہرات میں درس دیتے رہے۔ ۸۳۳ھ میں انتقال فرمایا اور مقبرۂ خیابان میں ایک شاندار گنبد کے اندر دفن ہوئے۔

حضرت مولانا یوسف حلاج رح | علوم اسلامی کے علامہ اور امام تھے اور کمال درجہ صوفی اور خدا پرست تھے۔ ہرات کے اکثر علماء اور امام آپ کے شاگرد تھے۔ امام فخرالدین رازی رح کے روضہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا صفی الدین عطاء اللہ رح | زبردست عالم اور علوم اسلامی کے یگانہ فاضل تھے۔ امام رازی رح کے مزار کے قریب مدفن ہے۔

حضرت مولینا ناصر الدین رح | متقی، پرہیزگار، زاہد اور فاضل وقت تھے۔ امام رازی رح کے روضہ میں مدفون ہیں۔

حضرت سید یونس رح | محدث وقت اور فصیح و بلیغ تھے۔ ہرات کے سادات میں بہت ہی بزرگ تھے۔ شیخ بسطامی رح کے مزار کے قریب مدفون ہیں۔

حضرت شیخ ابو اسحاق رح | نہایت عالی خاندان تھے۔ تصوف اور علم آبائی چیز تھی اس لئے انہیں یکتائے روزگار تھے۔ بادشاہِ وقت ان کی بیحد عزت کرتا تھا۔ بے شمار کرامتیں شیخ رح کی طرف منسوب ہیں۔ ۸۲۶ھ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ انصاری رح کے مزار کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت پیر قوام الدین تبریزی رح | طریقت اور شریعت کے رموز سے آگاہ تھے۔ متوکل اور صابر تھے۔ ۸۲۸ھ میں وفات ہوئی اور زیارت حضرت ابوالولید رح میں مزار مبارک ہے۔

حضرت مولینا شرف الدین عثمان قاری رح | اہل ہرات

مین فن قرات کی ترویج میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ زاہد و عابد تھے اور بہت ہی روشن ضمیر اور پاک نفس تھے۔ زیارت گاہ گاؤں کے اس محلہ میں جو حضرت ہی کے نام سے مشہور ہے مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا جلال الدین واعظ ایک بہت اعلےٰ تفسیر سات جلدوں میں تحریر فرمائی تھی۔ شیریں مقال واعظ اور صاحب کمال صوفی تھے۔ ۸۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ تل گنج کے مشہور مقام پر مزار مبارک ہے۔

حضرت شیخ عبداللہ خلوتی رح روشن ضمیر اور باصفا بزرگ تھے۔ عرصہ دراز تک خانقاہ میں سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرتے رہے۔ ۸۳۳ھ میں وفات پائی اور خلوتیان میں دفن کئے گئے۔

حضرت مولینا رکن الدین الخوافی رح تمام علوم اسلامی کے ماہر اور تاریخ کے فاضل تھے۔ حاجی تھے۔ اپنے وقت کے علما اور اولیا سے علم معرفت کے درس لئے تھے۔ ۸۳۴ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت انصاری رض کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا فصیح الدین علاؤ رض ہرات کے مفتی تھے۔ علم فقہ اور فتاوے کے ماہر تھے۔ زاہد و عابد اور روشن دماغ تھے۔ ۸۳۷ھ میں وفات پائی اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رض کے پائیں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا رکن الدین رض شیخ الاسلام والمسلمین لقب ہے۔ یگانہ روزگار عالم تھے۔ نہایت صاف دل اور پارسا تھے۔ بڑی بڑی کتابیں نقل فرمایا کرتے تھے۔ ۸۳۸ھ

میں انتقال فرمایا اور حضرت رازی رض کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا زاہد شکیبانی رح سحر طراز مقرر تھے۔ اور علم تصوف کی اشاعت فرمایا کرتے تھے۔ ۸۳۷ھ میں وفات شکیبان سفلا گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت شیخ زین الدین الخوافی رح علوم ظاہری و باطنی میں باکمال تھے۔ دنیا کے بہت سے ملکوں کی سیاحت فرمائی تھی۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رض کے مرید تھے۔ اور مصر، شام، عراق، عرب، ایران اور دیگر عجمی ممالک میں سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت کی تھی۔ اور اپنے ہزاروں مریدوں کو ان ممالک میں تصوف کی اشاعت کے لئے مامور کیا تھا۔ حج کیا تھا۔ اور تصوف کے تمام مراحل طے فرمائے تھے۔ ۸۳۸ھ میں طاعون کی وبا میں رحلت فرمائی اور عیدگاہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ ابوسعید گازرونی رح علم فقہ، حدیث، اسناد میں فاضل وقت تھے۔ اور ہمیشہ علوم اسلامی کی اشاعت میں منہمک رہتے تھے۔ شیراز سے بغرض تکمیل تصوف ہرات آئے تھے۔ ۸۳۸ھ میں طاعون کے مرض سے انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رض کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت مولینا جلال الدین قاینی رح قوت حافظہ میں شہرۂ آفاق تھے۔ علوم اسلامی کے ماہر اور اعلےٰ معلم تھے۔ خاقان سعید بادشاہ کی طرف سے شہر ہرات کے محتسب تھے۔

افغانستان کي بہت پراني عمارت بدھ حکومت کے زمانہ کي
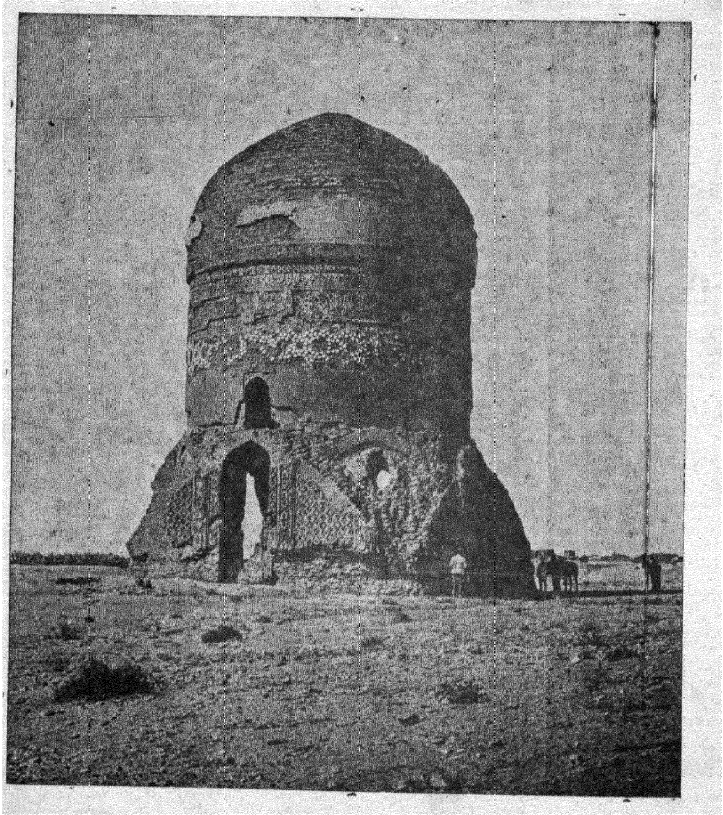
۸۰۰ھ میں انتقال فرمایا اور جغرتان گاؤں میں اپنے قایم کئے ہوئے مدرسہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا محمد رضؒ — دُنیائے اسلام کے مشہور ترین علامہ حضرت سعدالدین تفتازانی رحؒ کے خلف الصدق تھے۔ باپ کی قابلیت ورثہ میں آئی تھی۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۸۳۳ھ میں طاعون سے وفات پائی اور حضرت انصاری رضؒ کے قریب دفن ہوئے۔

حضرت مولینا نوراللہ خوارزمی رضؒ — عربی کے تمام علوم میں بے نظیر فاضل تھے۔ خاقان سعید بادشاہ کی طرف سے ہرات کی جامع مسجد میں درس دینے پر مامور تھے۔ بیشمار کتابیں مختلف فنون میں تصنیف فرمائی تھیں۔ طاعون کی وبا میں وفات پائی اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رضؒ کے مقبرہ میں مدفون ہے۔

حضرت درویش عبداللہ رضؒ — خدارسیدہ بزرگ تھے۔ اور لوگوں کی نظروں سے ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے۔ کہتے ہیں جنوں کی ایک جماعت حضرت درویش رضؒ کے تابع تھی۔ طاعون کی وبا میں وفات پائی۔ خلوتیان میں مزار ہے۔

حضرت سید علی شبر غانی رضؒ — قطب وقت تھے۔ خداترسی، زہد، عبادت اور مجاہدۂ نفس میں مشہور خلایق تھے۔ ۸۳۳ھ میں وفات پائی۔ اور باغ آہو کے قریب اپنے ہی بناکردہ باغیچہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت زین العابدین مجذوبؒ — علم فقہ و حدیث بڑے بڑے اُستادوں سے پڑھا اور کمال پیدا کیا تھا۔ پھر مجذوبوں کو دیکھ کر مجذوب ہوگئے اور جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتے رہے۔ کہتے ہیں ۱۲۰ سال کی عمر پائی۔ تل قطبیان میں مدفون ہوئے۔

حضرت بابا زکریا مجذوب رضؒ — ایک زمانہ دراز تک خیابان کے راستہ پر خدا سے لو لگائے بیٹھے رہے۔ تمام مجذوبوں میں مشہور تھے۔ بے شمار خرق عادات ان کی طرف منسوب ہیں۔ جہاں بیٹھا کرتے تھے وہیں مزار مبارک ہے۔

حضرت مولینا سعدالدین فارسی رضؒ — علوم معقول میں فاضل تھے۔ مدرسہ غیاثیہ میں مدت تک درس دیتے رہے۔ بہت متقی اور پرہیزگار تھے۔ زندگی میں ایک بار بھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ درویش کامل تھے۔ حضرت رازی رضؒ کے مزار کے قریب آپ کی قبر بھی مشہور و معروف ہے۔

حضرت مولینا محمد بن حاجی ابوبکر رضؒ — مفتی وقت تھے۔ اور علم فقہ، علم فتوے، زہد، عبادت وغیرہ میں مشہور تھے۔ جوشیلے واعظ تھے۔ ۸۴۰ھ میں وفات پائی۔ سنوگرد گاؤں میں مدفون ہیں۔ اہل ہرات مزار پر برابر حاضری دیتے ہیں۔

حضرت بابا حسن ابدال ترک رضؒ — ابتدائی جوانی میں فوج کے سپاہی تھے۔ ایک دن سپاہیانہ زندگی اور ظلم و تعدی اور لوٹ مار سے متنفر ہوئے اور ہرات چلے آئے اور اپنا سب سامان لوگوں کو بانٹ دیا اور خود قبرستان خیابان میں

روپوش ہوگئے۔ اس کے بعد مجذوب ہوگئے۔ خیابان میں شرقی جانب ایک بڑے گنبد میں مزار ہے۔

حضرت باباجمال مجذوبؒ ابتدائی زندگی میں مدرسہ کے مولوی تھے۔ لیکن ایک دن یادِ الٰہی نے جوش مارا اور بے حال ہوکر سب چھوڑ چھاڑ جنگلوں کی طرف چلے گئے اور پھر برسوں تک مسلسل جنگلوں، پہاڑوں، دریاؤں اور صحراؤں کا چکر لگاتے رہے۔ سردی گرمی سے بے پروا اور دنیا اور دنیا کی دلچسپیوں سے بالکل بے نیاز تھے۔ دربِ قطب چاق میں مزار ہے

حضرت باباخمیر کبرا ابدالؒ مجذوب صفت بزرگ تھے۔ اکثر اوقات قبرستان خیابان میں ہی گزارتے تھے۔ خیابان کے مشرقی جانب مزار ہے۔

حضرت پیر سرخ رحؒ یہ بھی ایک مجذوب تھے۔ ساق سلمان کی ایک دکان کے سامنے تمام عمر بیٹھے رہے۔ سردی گرمی اور برف وباد سے بے نیاز تھے۔ نماز برابر پڑھتے تھے۔ نہ کسی سے بولتے تھے نہ کسی سے مانگتے تھے۔ جہاں بیٹھا کرتے تھے وہیں قبر بھی ہے۔

حضرت سید محمد اشرفؒ متقی اور عابد و زاہد تھے۔ حسن اخلاق میں مشہور تھے۔ ۸۵۵ھ میں وفات پائی۔ ابوسعید مرزا کے مدرسہ کے سامنے خیابان میں دفن ہوئے۔

حضرت باباگیلانیؒ زراعت کرتے تھے۔ اور دنیا سے روپوش رہتے تھے۔ بڑے بزرگ اور صاحب کرامت تھے بنوان گاؤں میں مدفن ہے۔

حضرت مولینا سراج الدین ملتانیؒ شیخ الاسلام زین الدین الخوافیؒ کے مرید اور شاگرد رشید تھے۔ ان کے بعد خلیفہ ہوگئے اور زہد، عبادت، تصوف، علم او رفضل و کمال میں مشہور ہوئے۔ ۸۱۲ھ میں رحلت فرمائی اور پیر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حضرت شیخ بہاء الدین عمر جغارہ گیؒ عوام و خواص کے محبوب۔ اور بادشاہوں سے بے نیاز مگر ان کے بھی مطلوب تھے۔ ولی کامل تھے۔ بے شمار کرامتیں اور خرق عادات حضرت کی بیان کی گئی ہیں۔ ۸۵۷ھ میں انتقال فرمایا اور عیدگاہ کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا جلال الدین کرمانیؒ علوم اسلامی کے یکتائے روزگار فاضل تھے اور درس دیا کرتے تھے۔ اور ولی کامل اور قطب وقت تھے۔ غیب کی باتیں بتلاتے تھے۔ روشن دل اور روشن دماغ تھے۔ نورانی چہرہ تھا۔ امام رازیؒ کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

حضرت مولینا سعد الدین کاشغریؒ نقشبندی سلسلہ کے نہایت کامل بزرگ اور صوفی تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ ان کے شاگرد اور داماد تھے۔ اور مرید بھی تھے۔ محبت الٰہی کی نہایت کٹھن منزلوں کو طے فرمایا تھا۔ ۸۶۰ھ میں

ایک دن ظہر کی نماز کے وسط میں انتقال فرما گئے۔ خیاباں میں مزار پُرانوار ہے۔ حضرت جامیؒ نے وصیت کی تھی کہ مجھ کو اپنے مرشد اور اُستاد کے پہلو میں دفن کرنا۔ چنانچہ حضرت جامیؒ بھی اسی مقبرہ میں دفن ہیں۔

حضرت مولینا جلال الدین ابو یزید پورانیؒ

مولانا ظہیر الدین خلوتیؒ کے مرید تھے اور بالکل صحابہ کرام کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ مولانا جامیؒ اکثر اُن کی صحبت سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ صاحب کشف و کرامت تھے۔ ۸۶۲ھ میں وفات پائی اور قریہ پوران خاصہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا شمس الدین محمد کوسویؒ

شیخ الاسلام احمد جامی قدس سرہٗ کی اولاد میں تھے۔ صاحب کشف اور عارف باللہ تھے۔ قرآن، حدیث، قرأت کے ماہر تھے۔ حضرت کی کرامتیں اور خرق عادات مشہور ہیں۔ ۸۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔ اور جامع ہرات میں اس جگہ مدفون ہوئے جہاں بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت مولانا جلال الدین محمود امامیؒ

اپنی ساری دولت فقیروں کو دے دی تھی۔ صرف خدا سے تعلقات قایم کئے تھے۔ اور سارے دنیاوی تعلقات سے دستبردار ہو گئے تھے۔ تصوف کی اشاعت میں سرگرم تھے ۸۶۱ھ میں انتقال فرمایا۔ امام رازی کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت بابا لوکوکی مجذوبؒ

یاد الٰہی میں مجذوب ہو گئے تھے۔ اور ہمیشہ سخت کلامی سے پیش آتے تھے۔ بابر کی حکومت کے ایک افسر نے ایک دن باباصاحب کو تنگ کیا تو بابا صاحب نے اس کو پتھروں سے مارا۔ افسر نے نوکروں کو حکم دیا کہ بابا کو پیٹو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بابا نے بددعا کی اور وہ لوگ ایک ہی سال میں ہلاک ہو گئے ۸۹۰ھ میں وفات پائی اور مقبرہ خیاباں میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا محمد جرجانیؒ

علامہ یوسف حلاج کے شاگرد تھے اور اپنے وقت کے زبردست ترین علماء تھے۔ تمام عقلی اور نقلی علموں میں یکتائے روزگار تھے۔ خراسان میں ۳۰ سال تک درس دیتے رہے۔ اور اعلیٰ قابلیت کے شاگرد پیدا کئے۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۸۶۴ھ میں انتقال فرمایا اور شیخ زین الدین خوافی رحؒ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

حضرت مولانا زاہد طفلگانیؒ

زاہد و عابد اور علوم صوری و معنوی کے ماہر تھے۔ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ ۸۶۲ھ میں وفات پائی اور شیخ زین الدین الخوافیؒ کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا نورالدین عبدالرحمن الجامیؒ

حضرت کے فضائل و کمالات آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ علوم کی دُنیا کے چاند اور معرفت کی دُنیا کے آفتاب ہیں۔ بے مثل ادیب اور ناثر تھے۔ ساری دنیا تصنیفات کے فیض سے

اب تک فیضیاب ہو رہی ہے۔ اور حضرت کی معرفت خیز اور حقیقت ریز شاعری کا نور ہر اہل دل کو اب تک جگمگا رہا ہے۔ اپنے وقت کے پیشوا اور خراسان اور ماوراء النہر کے رہبر اعظم تھے۔ کمال فقیری اور کمال ولایت پر بھی کبھی اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔ ہمیشہ شاعری اور ظاہری علوم کے پردوں میں چھپے رہے۔ لیکن ہیرا سنگ ریزوں میں چھپنے سے کب چھپ سکتا ہے۔ حضرت کے کمالات کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ ۸۱ سال تک اس دُنیائے فانی میں رہے۔ اور پھر ۸۹۸ھ محرم الحرام کے مہینہ میں پنجشنبہ کو صبح کی اذان کے وقت رحلت فرما گئے۔ سلطان حسین میرزا اور تمام عمائدین حکومت اور علماء و فضلاء اور جمہور نے جنازہ اقدس کو نہایت شان اور عقیدت و محبت کے آنسوؤں کے ساتھ اٹھایا اور حضرت کے پیر مولانا سعدالدین کاشغری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کیا۔ مزار پُرانوار قبلۂ حاجات اور کعبۂ مرادات کے ناموں سے مشہور ہے اور ہرات کی مستجاب الدعوۃ زیارت گاہ ہے۔ جہاں ہر شنبہ کو مرادمند جوق جوق جاتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد اکبر رضؓ

حضرت مولانا سعدالدینؒ کاشغری کے بڑے صاحبزادہ تھے۔ خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت جامیؒ ان کے مرتبہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ ع

خاکِ او بہتر زخوان دیگراں

۹۰۰ھ میں وفات پائی اور اپنے پدر بزرگوار کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد اصغر رضؓ

مولانا سعدالدین کاشغری رضؓ کے چھوٹے لڑکے تھے۔ اور علم تفسیر میں مشہور تھے۔ دونوں بھائی حافظ قرآن مجید اور علوم ظاہری اور اخلاق باطنی میں شہرۂ آفاق تھے۔

حضرت مولینا محمد جامی رضؓ

حضرت عبدالرحمن جامیؒ کے بھائی تھے۔ جامی رضؓ اپنے بھائی کے مرثیہ میں فرماتے ہیں ؎

من بودم از جہان و گرامی برادرے
در سلک اہل فضل گرانمایہ گوہرے
زانساں برادرے کہ در اطوار علم و فضل
چون او نہ زادہ مادرِ ایام دیگرے

۸۸۴ھ میں انتقال فرمایا اور مولانا سعدالدین کاشغری رضؓ کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت مولانا عبدالغفور لاریؒ

لار کے باشندہ تھے اور لقب رضی الدین تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کی اولاد میں تھے۔ حضرت جامیؒ کے طریقت

وشریعت میں شاگرد رشید اور مرید تھے۔ نہایت سمجھدار اور قابل تھے۔ حضرت جامی رحمہ فرماتے ہیں ؎

آنجا کہ فہم و دانش مرغے بود شکاری
بازیست تیز رفتار عبد الغفور لاری

حضرت جامی رحمہ کے سامنے ہی انتقال فرمایا۔ تاریخ ۹۱۲ھ ہے۔ مولانا جامی رحمہ کے بائیں مزار شریف ہے۔

حضرت مولینا شہاب الدین برجندی رحمہ

حضرت کاشغری کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ اور بڑے خدا پرست تھے۔ احمد بن محمود اصلی نام تھا اور ایک روایت کے مطابق ۸۳۰ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۸۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور مولانا کاشغری کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا علاء الدین رحمہ

مالک قہستان کے باشندہ تھے اور اصلی نام محمد بن المومن ہے۔ حضرت کاشغری کی صحبت میں رہتے تھے لیکن جب وہ انتقال فرما گئے تو حضرت جامی رحمہ کی صحبت سے فیض اٹھانا شروع کیا۔ ۸۹۲ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت کاشغری رحمہ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ قاسم جامی رحمہ

عارف باللہ تھے۔ شیخ الاسلام مولانا احمد الجامی کی اولاد میں تھے۔ حضرت کاشغری رحمہ کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

حضرت مولینا غیاث الدین شمع ریز رحمہ

حضرت کاشغری رحمہ کے مزار کے قریب مدفن ہے۔ عالم و فاضل اور خدا پرست تھے۔

حضرت امام شش نور رحمہ

سادات کی چھ قبروں کی ایک زیارت گاہ ہے جو امام شش نور نامی گاؤں میں ہے۔ ایک بہت بڑا گنبد دور ہی سے نظر آتا ہے۔ بزرگان دین اس زیارت پر جایا کرتے تھے۔ یہ جگہ بہت پُر انوار اور روحانی روشنی سے منور ہے۔

حضرت میر عبداللہ الحسینی رحمہ

اصیل الدین واعظ نام سے مشہور ہیں۔ سادات سے تھے۔ زہد، تقویٰ، عبادت اور خدا پرستی میں مشہور تھے۔ اصلی باشندہ شیراز کے تھے۔ سلطان ابوسعید کی وجہ سے ہرات تشریف لائے اور گوہر شاد بیگم کے مدرسہ میں ہفتہ میں ایک بار وعظ فرماتے تھے۔ باکمال عالم اور نامور مصنف تھے۔ ۸۹۳ھ میں وفات پائی اور مدرسہ گوہر شاد آغا کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا خواجہ کوہی رحمہ

حضرت خواجہ کوسی رحمہ کے مرید تھے۔ ساقی سلمان شمالی جانب پہاڑ پر مدفون ہے۔

حضرت مولینا حاجی محمد فراہی رحمہ

اپنے اوقات اسلامی علوم کے مطالعہ اور یاد الٰہی میں صرف کرتے تھے۔ مولانا زین الدین خوافی رحمہ کی صحبت سے فیض حاصل کیا

تھا۔ سنہ ۸۶۶ھ میں وفات پائی اور امام رازی کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

حضرت قاضی نظام الدین محمد رضؓ مولانا حاجی محمد فراہی کے خلف الصدق تھے۔ علم فقہ اور زہد و تقوائے میں مشہور تھے۔ مدرسہ غیاثیہ اور مدرسہ اخلاصیہ میں زمانہ دراز تک درس دیتے رہے۔ منصور بادشاہ نے بڑے تکلف کے بعد ہرآت کا قاضی بنا دیا۔ محرم سنہ ۹۰۰ھ میں رحلت فرمائی اور گازرگاہ شریف میں حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا معین الدین واعظ رضؓ ہرآت کے قاضی تھے۔ زہد و تقوائے میں مشہور تھے۔ زبردست انشا پرداز اور خوش بیان واعظ تھے۔ ہرآت کی جامع مسجد میں ہمیشہ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ امیروں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ سنہ ۹۰۷ھ میں رحلت فرمائی۔ اور اپنے بھائی قاضی نظام الدین محمد رضؓ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا کمال الدین حسین واعظ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ مصنف تھے۔ انوار سہیلی وغیرہ کتابیں آپ کی انشا پردازی کا نمونہ ہیں۔ خوش بیان اور خوش آواز تھے۔ سنہ ۹۱۰ھ میں وفات پائی اور عیدگاہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ نور الدین محمد رضؓ شیخ بہاء الدین عمر جغارہ گی کے خلف الصدق تھے۔ سلطان ابوسعید گورگاں حضرت کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔ علم و عمل میں شہرۂ آفاق تھے۔ سنہ ۸۸۰ھ میں وفات پائی۔ اور خیابان میں اپنے باپ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

حضرت حافظ غیاث رضؓ محدث وقت اور علم و حلم میں مشہور تھے۔ سنہ ۸۹۷ھ میں انتقال ہوا۔ خیابان میں شمالی جانب مولا عمر رضؓ کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ شاہ محمد رضؓ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ سلطان ابوسعید گورگان ہمیشہ آنجناب کی خدمت سے فیض حاصل کرتے رہتے تھے۔ عیدگاہ میں شمالی جانب قبر ہے۔

حضرت مولینا حافظ روجی رضؓ صاحب کرامت اور قرأت سبعہ کے ماہر تھے۔ حافظ علی روجی رضؓ کے شاگرد تھے اور انہی کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت حافظ علی روجی رضؓ قرأت سبعہ کے فاضل یگانہ تھے۔ عیدگاہ ہرآت میں مدفن ہے۔

حضرت شاہ طیب الخوافی رضؓ شیخ الاسلام زین الدین الخوافی رضؓ کے مرید تھے۔ حاجی تھے۔ ان کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ سنہ ۸۹۲ھ میں رحلت فرمائی اور خیابان میں مدفون ہوئے۔

حضرت سلطان محمد رضؓ اور حضرت سلطان محمود رضؓ دونوں

شاہ طیبؒ کی اولاد اور خلیفہ تھے۔ دونوں زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ خیابان میں مقبرۂ شاہ طیب میں مزار پرانوار ہے۔

حضرت درویش خداداد رحؒ

شاہ طیبؒ کے خلیفہ تھے۔ ہمیشہ سیاہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ شاہ طیب رحؒ کے مقبرہ میں قبر ہے۔

حضرت مولینا شمس الملۃ والدین رحؒ

شیخ الاسلام حضرت زین الدین الخوافی رحؒ کے مرید تھے۔ علوم اسلامی کے ماہر اور اعلیٰ مصنف تھے۔ روشن ضمیر اور روشن دماغ تھے۔ قوت حافظہ شہرۂ آفاق تھی۔ ۸۹۱ھ میں انتقال ہوا اور مقبرہ خیابان میں مدفون ہوئے جہاں ایک خانقاہ بھی موجود ہے۔

حضرت مولینا شمس الدین محمد عطار رحؒ

حضرت زین الدین خوافی رحؒ کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ علوم ظاہری و باطنی میں شہرۂ آفاق تھے۔ امام عبد الواحد شہیدؒ کے روضہ میں مزار شریف ہے۔

حضرت امیر خواجہ اخوند محمد رحؒ

سادات ہرات میں تھے۔ معقول اور منقول علموں میں یکساں ماہر تھے۔ روضۃ الصفا کے مصنف اور اعلیٰ انشا پرداز تھے۔ عبادت الٰہی میں زندگی بسر کی تھی۔ اور ۹۰۳ھ میں رحلت فرمائی تھی۔ شیخ بہاء الدین عمر جغارہ گی رحؒ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا شمس الدین محمد روجی رحؒ

اپنے وقت کے پیشوا اور صاحب عرفان بزرگ تھے۔ شریعت اور طریقت دونوں کی تبلیغ فرماتے تھے۔ بے شمار اصحاب آپ کے مرید اور ہم صحبت تھے۔ ۹۰۴ھ میں رحلت فرمائی اور پہلی بار اپنے پیر حضرت سعد الدین کاشغری رحؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ لیکن آپ کے مریدوں نے دوسری بار حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری رحؒ کے پہلو میں دفن کیا۔

حضرت مولینا میر حسین معمائی رحؒ

تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن میں بے مثل تھے۔ کچھ دنوں تک مدرسہ اخلاصیہ میں علم دین کی خدمت کرتے رہے۔ کئی اچھی کتابوں کے مصنف تھے۔ ۹۰۴ھ میں رحلت فرمائی اور مدرسہ اخلاصیہ کے گنبد میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا کمال الدین مسعود شیرازی رحؒ

علم کلام منطق۔ حکمت اور تمام معقول اور منقول علوم میں یگانہ روزگار فاضل تھے۔ ۹۰۵ھ میں رحلت فرمائی اور خیابان میں پیر سہ صد سالہ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

حضرت مولینا قطب الدین یحییٰ رحؒ

علامہ سعد الدین تفتازانی کے پوتے تھے اور وراثتی تبحر علمی سے مالا مال تھے۔ ۸۸۸ھ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری رحؒ

کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت مولینا شمس الملۃ والدین محمد امین زیارتگاہی رضہ | حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکثر خواب میں دیدار کیا کرتے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں ماہر تھے۔ صاحبِ کمال تھے۔ اور حضرت شیخ زین الدین خوافی رضہ کی صحبت سے فیض اٹھاتے تھے۔ ۸۵۵ھ میں وفات پائی اور مشہور و معروف زیارتگاہ گاؤں میں مدفون ہوئے۔

حضرت درویش عباس زیارتگاہی رضہ | حضرت زین الدین خوافی رضہ کی خدمت میں ۳۰ سال تک رہے۔ مولا کی محبت میں مست و بیخود تھے۔ آخری زندگی میں نابینا ہو گئے تھے اور ہمیشہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

چشم از آسیب مردم در برُے خود بہ بست
گوشۂ عزلت گرفت و با خیال او نشست

زیارت گاہ میں مزار ہے۔

حضرت مولینا عبدالرحمن زیارتگاہی رضہ | تصوف کی منزلوں سے واقف تھے۔ صاف دل اور پاکیزہ انسان تھے۔ حضرت جامی رضہ ہمیشہ آپ کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے۔ ۹۰۹ھ میں رحلت فرمائی۔ اور زیارت گاہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ صوفی علی رضہ | حاجی تھے۔ اور اپنے وقت کے زاہد، عابد اور متقی تھے۔ سیاحت کی تھی اور بزرگان دین سے ملے تھے۔ اہل دنیا کو ہمیشہ بے اعتبار کہتے تھے۔ صاحب کرامت تھے۔ ۹۰۰ھ میں انتقال ہوا اور قبرستان خیابان میں ایک خاص جگہ دفن ہوئے جو پہلے سے متعین کی جا چکی تھی۔

حضرت مولینا شمس الدین محمد تباکانی رضہ | حضرت زین الدین الخوافی رضہ کے مرید اور علوم باطنی اور ظاہری کے فاضل تھے۔ ۸۹۱ھ میں وفات پائی اور حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رضہ کے پائیں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا شمس الدین محمد رضہ | حضرت خوافی رضہ کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ صاحب حال اور مست الست بزرگ تھے۔ ایک دن نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے کہ کسی مرید نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر شروع کیا بس یہ سنکر آپ نے لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کا نعرہ مارا اور جان دیدی مزار مبارک گازرگاہ گاؤں میں حضرت خواجہ خیرتہ کے قریب ہے۔

حضرت مولینا درویش احمد گازرگاہی رضہ | علم ظاہر و باطن کے فاضل اور حضرت خوافی رضہ کے باکمال مرید تھے۔ ۸۷۲ھ میں رحلت فرمائی اور حضرت خواجہ انصاری رضہ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولینا ابوالخیر ورب خوش رضہ | حضرت

خوافی رضہ کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت کے دونوں بھائی حضرت مولانا شہاب الدین رضہ اور حضرت مولانا خواجہ کو ہی رضہ بھی صاحب حال بزرگ تھے۔ اور یہ سب حضرت مولانا شمس الدین رضہ خلیفہ حضرت خوافی رضہ کی اولاد ہیں۔ مولانا ابو الخیر رضہ بہت ہی عابد و زاہد تھے۔ بے شمار کرامتیں مشہور ہیں۔ دہ تب خوش میں شاہ ابو القیس رضہ کے قریب مزار مبارک ہے۔

حضرت مولینا درویش علی گازرگاہی رضہ

مولانا شمس الدین محمد تبا کانی رضہ کے مرید تھے۔ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن علم لدنی حاصل تھا۔ حضرت مولانا عبد الغفور لاری رضہ کا بیان ہے کہ جب مجھ کو علامہ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ کی کسی تحریر میں شک ہوجاتا تو میں حضرت درویش علی رضہ سے اس شبہ کا ازالہ کرلیتا تھا حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ ناخواندہ ہیں۔ گازرگاہ شریف میں حوض آشکارا کے قریب مزار مبارک ہے۔

حضرت شیخ درویش محمد گازرگاہی رضہ

عارف باللہ اور صوفی وقت تھے۔ صاحب کرامت اور صاحب کشف تھے۔ ۹۰۰ھ میں انتقال فرمایا۔ گازرگاہ شریف میں مدفن ہے۔

حضرت مولانا شمس الدین پائے گنبد رضہ

عالم اور فاضل تھے۔ فراشان گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت خواجہ عبد اللطیف صوفی رضہ

عالیقدر بزرگ تھے۔ حضرت کی کرامتیں بہت ہیں۔ خضر علیہ السلام سے ملاقات کرتے تھے۔ فراشان میں مدفن ہے۔

حضرت مولینا جلال الدین سعید ابو مکی رضہ

حرم محترم کے شیخ المشایخ تھے۔ ہرات کی کشش کھینچ لائی تھی۔ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ محدث، عابد، زاہد اور یگانۂ وقت تھے۔ ۹۳۰ھ میں انتقال فرمایا اور خیابان میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد شمعان رضہ

زہد و تقوےٰ میں عالی جاہ تھے۔ علم و فضل کی دولت سے مالا مال تھے۔ ۸۸۰ھ میں انتقال فرمایا اور کورت گاؤں میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ شمس الدین مطہر رضہ

شیخ الاسلام حضرت علامہ احمد جامی رضہ کے خلف الصدق تھے۔ ظاہری و باطنی کمالات ورثہ میں ملے تھے۔ خدارسیدہ بزرگ تھے۔ پنج میران میں مزار ہے۔

حضرت خواجہ محمد سجود رضہ

زبردست بزرگ اور اپنے وقت کے یگانہ صوفی تھے۔ درویش عبد الحی رضہ جو حضرت غوث الاعظم رضہ کی اولاد سے تھے وہ آپ کے خلیفہ تھے۔ اور تا زندگی خواجہ سجود رضہ کے مزار پر ایک عالی شان خانقاہ میں رہے۔ نہ کسی سے بات چیت

کی اور نہ دنیا کے کاموں سے دل چسپی لی۔ یہاں تک کہ گریبان میں بندھے ہوئے گیہوں کے دانے سبز ہوگئے اور اس میں خوشے نمودار ہوگئے۔ حضرت عبدالحیٰ رض نے اسی حالت میں جان دی۔ یہ ۳۰۱ھ کا واقعہ ہے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں۔ مدفن مبارک سیوشان میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد کامل رض

حضرت علیؓ کی اولاد میں تھے۔ ۴۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ جوان ہونے پر ہرات چلے آئے۔ عالی نسب، عالی دماغ اور بلند مرتبت تھے۔ قصبہ اوبہ میں ۱۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک پر لوح ہے۔ اور مزار خواجہ کامل رض کے نام سے مشہور ہے۔

سادات چشت کے مزارات

حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتی رض

سلسلۂ چشتیہ کے شجرہ میں ان کا نام آتا ہے۔ سلطان فرسنافہ کے لڑکے تھے۔ پھوپی نے بڑے اہتمام سے پالا تھا۔ باپ اپنے بیٹے سے حد سے زیادہ محبت کرتا تھا لیکن جب حضرت خواجہ جوان ہوئے تو ایک دن باپ کے ساتھ شکارگاہ سے گم ہوکر شیخ ابواسحاق شامی چشتی رض کی خانقاہ میں پہنچ گئے۔ بس آپ جس چیز کے لئے بچپن سے مضطرب تھے وہ مل گئی اور پھر نہ گھر گئے اور نہ باپ اور حکمرانی سے سروکار رکھا۔ شیخ ابواسحاق رض کی تربیت میں اتنے بڑے بزرگ ہوئے کہ زمانہ جانتا ہے۔ اگر حضرت خواجہ کے مرتبۂ بزرگی اور کرامتوں کا حال لکھا جائے تو ایک بڑی کتاب بھی کافی نہ ہوگی۔ ۳۵۵ھ میں وفات پائی۔ چشت میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ ابومحمد ابدال چشتی رض

حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتی رض کے خلف الصدق اور زہد و اتقاء، بزرگی و منزلت اور تصوف میں باپ کے خلیفہ تھے۔ ۲۴ سال تک علم دین حاصل کیا۔ سلطان محمود سبکتگین جب ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو آپ کی دعا اور کرامت نے ہارنے والی اسلامی فوج کو فتح مند کردیا تھا۔ (ان کا نام بھی سلسلہ کے شجرہ میں ہے)

حضرت استاد مردان چشتی رض

حضرت خواجہ محمد چشتی رض کے مرید تھے۔ اور زمانۂ دراز تک استنجے کے ڈھیلے اور وضو کا پانی لادے لادے پھرتے تھے۔ کیونکہ آپ کا جب جی چاہتا تھا اور جہاں جی چاہتا تھا

نماز پڑھتے اور مصروف عبادت ہو جاتے تھے۔ ۴۱۱ھ میں رحلت فرمائی۔ چشت میں مزار شریف ہے۔

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رض حضرت خواجہ محمد ابدال رض کے خواہرزادہ تھے۔ حضرت خواجہ محمد رض کی ایک بہن تھیں جن کو بھائی سے بے حد محبت اور عقیدت تھی ہمیشہ خدمت میں مصروف رہتی تھیں اور اس لئے شادی نہیں کرتی تھیں۔ عبادتِ الٰہی۔ ریاضت، زہد و تقوے میں مشہور زمانہ تھیں۔ ایک دن حضرت خواجہ ابو احمد رض نے خواجہ محمد رض سے خواب میں کہا کہ ملک شا فلاں میں ایک شخص محمد سمعان تحصیل علم میں مشغول ہے اور صالح بھی ہے۔ اس سے بہن کا عقد کردو۔ چنانچہ شادی کردی گئی اور محمد یوسف خواجہ پیدا ہوئے۔ علم و فضل اور محبت الٰہی میں یگانۂ وقت تھے۔ بے شمار کرامتیں حضرت کی طرف منسوب ہیں۔ ۴۵۹ھ میں وفات پائی اور چشت میں مدفون ہوئے۔ (ان کا نام بھی سلسلہ کے شجرہ میں ہے)۔

حضرت خواجہ سید مودود چشتی رض سات سال کی عمر میں قرآن کریم کو معہ معنی کے حفظ کرلیا تھا۔ اور ۲۰ سال میں تمام مروجہ علوم و فنون میں فاضل ہوگئے تھے۔ چشت کے عوام و خواص حضرت کے معتقد تھے۔ مولانا احمد جامی رض کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ خواجہ رض ہرات میں بھی تشریف لائے تھے۔ اور ایک زمانہ تک مجاہدۂ نفس میں مصروف رہے تھے۔ صاحب کرامات اور صاحب خوارق عادات تھے۔ ۵۲۵ھ میں رحلت فرمائی۔ چشت میں مزار ہے۔

(یہ بھی سلسلہ کے شجرہ میں داخل ہیں اور ان کی اولاد ہندوستان میں بھی موجود ہے۔)

ہرات و چشت کے مزارات کی کتاب میں عنوان "سادات چشت" لکھا ہے مگر میں نہیں جانتا کہ چشت کے بزرگوں کا نسب کیا تھا۔ البتہ حضرت خواجہ مودود چشتی رض کی نسبت ہندوستان میں عام شہرت ہے کہ وہ سید تھے۔ لیکن میں نے اس خاندان کا کوئی نسب نامہ نہیں دیکھا۔ سادات چشت کے نام چونکہ میرے سلسلہ کے شجرہ میں بھی آتے ہیں اس واسطے میں یہاں شجرہ کے بزرگوں کے نام سلسلہ وار لکھتا ہوں تاکہ ناظرین سفرنامہ اچھی طرح سمجھ جائیں۔

چشتیہ خاندان کا شجرہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے شروع ہو کر حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیری رض تک آتا ہے اس میں حسب ذیل نام ہیں:۔

(۱) حضور محمد رسول اللہ صلعم۔ (۲) حضرت علی مرتضےٰ رض۔ (۳) حضرت خواجہ حسن بصری رض۔ (۴) حضرت عبدالواحد بن زید رض۔ (۵) حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رض۔

(۶) حضرت خواجہ ابراہیم ابن ادہم بلخی رضہ (۷) حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی رضہ۔ (۸) حضرت خواجہ اَبُو ہُبَیْرہ بصری رضہ۔ (۹) حضرت خواجہ ممشاد دینوری رضہ۔ (۱۰) حضرت خواجہ ابواسحاق شامی چشتی رضہ۔ (یہ حضرت چشتیہ سلسلہ کے بانی ہیں کیونکہ ملک شام سے چشت ہرات میں جاکر مقیم ہوئے تھے)۔ (۱۱) حضرت خواجہ ابو احمد چشتی رضہ۔ (۱۲) حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رضہ۔ (۱۳) حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رضہ۔ (۱۴) حضرت خواجہ مودود چشتی رضہ۔ (۱۵) حضرت خواجہ شریف زندنی چشتی رضہ۔ (۱۶) حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتی رضہ (۱۷) حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیری رضہ۔ گویا سترہ واسطہ پر حضور رسول مقبولؐ کے خلیفہ ہیں۔ حسن نظامی۔

حضرت شاہ سنجان رضہ محمود نام اور رکن الدین لقب تھا لیکن چونکہ سنجان کے باشندہ تھے اس لئے شاہ سنجان رضہ مشہور ہو گئے۔ حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کے مرید تھے اور چشت میں ہی رہتے تھے۔ عارف باللہ تھے۔ ۵۹۷ھ میں انتقال فرمایا۔ اور چشت میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ احمد بن خواجہ مودود رضہ اپنے باپ کے قائم مقام اور زبردست بزرگ تھے۔ مدینہ منورہ کی چھ ماہ تک مجاوری کی تھی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکثر خواب میں دیکھا کرتے تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رضہ سے بغداد میں ملاقات کی تھی۔ بادشاہ بغداد نے ایک خواب کی بناء پر آپ کی بے حد تعظیم و تکریم کی تھی اور کثیر سامان و دولت ہدیہ میں دیا تھا جس کو آپ نے شاہی محل سے باہر نکلتے ہی خیرات کر دیا تھا۔ اپنے وقت کے قطب تھے۔ ۵۹۷ھ میں رحلت فرمائی اور چشت میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ احمد چشتی ثانی رضہ یادِ الٰہی میں جنگلوں کا چِلّہ لگایا کرتے تھے۔ مست الست بزرگ تھے نفس کی مکاریوں اور کمزوریوں سے ہمیشہ خائف رہتے اور ہمیشہ مجاہدۂ نفس میں مصروف رہتے تھے۔ چشت میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ اسمٰعیل رضہ حضرت خواجہ احمد چشتی رضہ کے بھائی تھے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہٗ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور ہمیشہ اُن کی خدمت کرتے تھے۔ چشت میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ حاجی مکی رضہ مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے۔ چشت کی کشش لے آئی تھی۔ قدیم مشائخ اور اولیاء میں تھے۔ حضرت خواجہ ابواسحاق چشتی رضہ اور دوسرے چشت کے بزرگوں نے بھی حاجی مکی رضہ کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا۔ چشت میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ ابن یمین کوسوی رضہ ہرات کے

مشائخ کے پیشوا صاحب کرامت اور خوارق عادات تھے تزکیہ نفس میں کمال پیدا کیا تھا۔ شہر ہرات کی مغربی جانب سیسنان گاؤں میں مزار ہے

حضرت درویش احمد صوفیانیؒ

حضرت ابن یمین کو سوی کے خلیفہ اور صاحب حال اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ صوفیان گاؤں میں مزار مبارک ہے

حضرت شیخ شاہ محمود کاریزگیؒ

خاموشی اور عزلت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ہرات کے لوگ حضرتؒ کے معتقد تھے۔ بڑے عابد و زاہد تھے ۸۷۳ھ میں انتقال فرمایا اور محلہ باغ دشت میں مدفون ہوئے۔

حضرت ملا میرزا لنگریؒ

شیخ درویش احمد کے خلیفہ تھے۔ اور صاحب فیض بزرگ تھے۔ سنہ ۹۰۰ھ میں انتقال فرمایا اور باغ دشت گاؤں میں مدفون ہوئے۔

حضرت ملا یحییٰ باغدشتیؒ

حضرت درویش احمد صوفیانی کے خلیفہ اور جانشین تھے ۱۰۲۹ھ میں رحلت فرمائی اور باغ دشت میں مدفون ہوئے۔

حضرت میر شمس الدین خیاطؒ

سادات عظام میں تھے۔ حاجی حرمین شریفین اور عابدان وقت میں تھے ۸۸۹ھ میں وفات پائی مزار جوئے انجیل کے کنارے ایک مسجد میں ہے۔

حضرت مولانا محمد مقیمؒ

شیخ شاہ محمود کی اولاد میں تھے۔ عارف باللہ تھے۔ ہوا دشتک گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت شیخ فضل اللہ سروستانیؒ

حضرت ابن یمینؒ کے خلیفہ اور عابد زاہد بزرگ تھے۔ صاحب کرامت تھے اور ہمیشہ مراقبہ اور ذکر و اذکار میں مشغول رہتے تھے سروستان گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت امیر صدر الدین صوفیانیؒ

متقی اور پرہیزگار تھے اور شہر ہرات میں مدتوں ریاضت اور مجاہدۂ نفس میں مشغول رہے۔ قبرستان خیابان میں مزار شریف ہے۔

حضرت میر محمود سروستانیؒ

عابد و زاہد اور اہل ریاضت تھے۔ سروستان میں مزار ہے۔

حضرت مقری علی زاہدؒ

حاجی حرمین شریفین تھے۔ مجاہدۂ نفس میں مشہور تھے ملاسیان گاؤں میں حضرت خواجہ ابوالولیدؒ کے مزار کے قریب مدفون ہیں

حضرت ملا مومنؒ

عزلت نشین تھے۔ اور ہمیشہ افادہ و استفادہ میں مشغول رہتے تھے۔ بہت سے مرید بھی تھے۔ ملاسیان میں قبر ہے

حضرت میرزا مظفرؒ

ملا مومن کے داماد اور قائم مقام اور درویشوں کی مجلس کے میر تھے ملاسیان میں قبر ہے۔

مزارات شہدا ہرات کے شمال جانب شہر میں ایک مشہور مسجد ہے۔ جہاں بہت سے شہدا مدفون ہیں۔ اہل ہرات زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ ترک قتال رحمۃ اللہ علیہ سید عبداللہ مختار کے اصحاب میں ہیں اور حضرت سیدؒ کے قریب مدفون ہیں

حضرت امیر جعفر شمعانی رحمۃ اللہ علیہ متاخرین اولیار میں ریاضت اور مجاہدۂ نفس میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور حضرت میرزا لنگریؒ سے فیض حاصل کیا تھا۔ خواجگان نقشبندیہ سے تعلقات مودت رکھتے تھے حرمین شریفین کی زیارت سے فائز تھے۔ زبردست بزرگ اور صاحب کرامات تھے۔ سادات میں تھے۔ ۸۲۰ھ میں ملک بقا کو گئے اور شمعان گاؤں میں مدفون ہوئے۔

حضرت بابا علی شاہ مجذوبؒ مست الست اور خدا کی محبت میں سرشار تھے۔ ان کی مجذوبیت کی زندگی کے عجیب و غریب حالات بیان کئے گئے ہیں۔ ایک دن مجذوب صاحبؒ ایک مسجد کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ نماز کا وقت تھا حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی اور حضرت شیخ الاسلام ہرات قدس سرہم مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے شیخ الاسلام نے مجذوبؒ سے کہا کیوں میاں دیوانے! نماز بھی پڑھتے ہو۔ کہنے لگے ہاں! اور یہ کہتے ہی مسجد میں گئے اور سب کی امامت شروع کر دی اور ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد یہ اشعار پڑھنے لگے۔

ہیچ می دانی چہ کردی بر دل افگار من
روئے بنمودی و شد آتش پرستی کار من

اے کبوتر گر پری بر بام قصر آں پری
نامہ خود میکنم بر گردنت آنجا بری

حضرت شیخ الاسلام مسئلہ شریعت کی رو سے اس عاشقانہ نماز میں شامل نہ ہوئے اور حضرت جامی نے نماز میں شرکت کی۔ جب نماز ختم ہو گئی تو حضرت جامیؒ نے شیخ الاسلام سے کہا " زندگی کی مقبول ترین نماز میں افسوس آپ نے شرکت نہ کی" محلہ ساربان کے قریب مزار پر انوار ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ ہاتفیؒ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی کے خواہر زادہ تھے۔ حضرت جامی کی صحبت میں پرورش پائی تھی زبردست شاعر تھے مثنوی لیلےٰ مجنوں اور ایک دیوان یادگار ہے۔ ۹۲۷ھ میں رحلت فرمائی اور مولانا سعدالدین کاشغری کے پائیں دفن کئے گئے۔

حضرت مولانا حمیدالدینؒ مدت دراز تک

افادہ اور استفادہ میں مشغول رہے ۸۱۹ھ میں وفات پائی اور اپنے والد مولانا شمس الدین تبادگانی رضؒ کے پہلو میں خیابان میں دفن ہوئے۔

حضرت سید محمد شہریؒ صاحب کرامت اور سادات عظام میں تھے۔ باغ مراد کے قریب مزار ہے۔

حضرت شیخ یحییٰ بخاریؒ نہایت کامل بزرگ اور مجاہدۂ نفس میں مصروف رہنے والے تھے چشمہ گازرگاہ کے قریب ایک غار میں بہت سے بزرگوں کا مزار ہے وہیں مدفون ہیں۔

مقبرہ سنگ چل یہ مقبرہ سنگ چل کا بنا ہوا ہے اس میں حضرت خواجہ عبداللہ اور حضرت خواجہ کباب کی قبریں ہیں دونوں صاحب کرامت بزرگ تھے

حضرت خواجہ محمد خبازؒ مولانا معین الدین سبزواری نے اپنی کتاب میں حضرت کی بہت تعریف لکھی ہے صاحب کرامت تھے۔ گازرگاہ میں مدفون ہیں

حضرت خواجہ محمد حلوئیؒ پل گازرگاہ کے قریب مدفون ہیں مزار مبارک کے قریب ایک حوض واقع ہے

حضرت شیخ شبگیرؒ اپنے وقت کے ابدال میں تھے۔ گازرگاہ میں مزار ہے۔

حضرت شیخ نجم الدینؒ قطب الاقطاب لقب ہے صاحب کرامت بزرگ تھے راہ گازرگاہ کے قریب قبر ہے

حضرت خواجہ سیاہ پوشؒ بڑے پیروں میں تھے۔ اہل ہرات میں حضرت کی کرامتیں مشہور ہیں شمعان گاؤں میں مزار ہے۔

حضرت شیر سرخ روؒ صاحب وجد و حال تھے غوران گاؤں میں مدفن ہے۔

حضرت مولانا درویش احمد سمرقندیؒ

زبردست موحد اور صاحب عرفان بزرگ تھے حضرت مولانا زین الدین خوافی کے مرید تھے۔ خراسان، عراق، حجاز، ماوراالنہر وغیرہ کی سیاحت فرمائی تھی۔ اور بڑے بڑے بزرگوں کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ روم بھی گئے تھے اور حضرت زنگی مجذوب سے ملاقات کی تھی جس کی صحبت نے معرفت کی آگ دل میں اور بھڑکا دی تھی۔ سرور کائناتؐ کو بھی خواب میں دیکھا تھا درویش احمدؒ کی زندگی اور محبت الٰہی کے عجیب غریب حالات مشہور ہیں۔ گازرگاہ کے پل کے قریب آستانہ سے متصل مزار مبارک ہے۔

حضرت مولانا زادہؒ مولانا سراج الملت و الدین کے مرید تھے۔ علوم ظاہر و باطن صلاح، تقویٰ زہد میں بینظیر تھے۔ صاحب کرامات تھے ۸۲۴ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت شیخ الاسلام زین الدین خوافیؒ

کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت اسفرغابادیؒ زین الملت والدین لقب مشہور ہے۔ حضرت مولانا شمس الدین محمد کے خلف الصدق تھے۔ ہمیشہ قرآن پاک کی تلاوت اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ سنہ ٩٣٢ھ میں وفات پائی اور پدر بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا حاجی ابراہیمؒ حاجی حرمین عارف، موحد اور سچے خدا پرست تھے۔ اچھے عالم اور فصیح و بلیغ اور شیریں کلام تھے۔ سنہ ٩٢٠ھ میں وفات پائی اور مقبرۂ مخدومی تاباوگانی میں مدفون ہوئے۔

حضرت شاہ خوردؒ بڑے بزرگ اور صاحب کرامت تھے۔ سلطان ابوسعیدؒ ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ عید گاہ میں شمالی جانب مقبرہ ہے۔

حضرت شیخ کمال الدین حسنؒ علامۂ وقت تھے۔ حضرت سے بہت سے طالبان علم و طریقت نے فیض اٹھایا تھا۔ سنہ [illegible]ھ میں انتقال فرمایا اور عید گاہ میں شمالی جانب دفن ہوئے۔

حضرت مولانا شمس الدین محمدؒ اپنے وقت کے شیخ الاسلام تھے۔ زہد، تقوے اور علم فتوے میں بےنظیر تھے۔ سنہ ٨٤٨ھ میں انتقال فرمایا اور سنو جرد گاؤں میں دفن ہوئے۔

حضرت باباحسین ترکؒ ابتدائے شباب میں سپاہی تھے۔ لیکن محبت الٰہی کی وجہ سے اس زندگی سے بیزار ہو گئے اور ہرات چلے آئے زبردست بزرگ اور خاموش صوفی تھے۔ خیابان میں مزار ہے۔

حضرت باباجمال مجذوبؒ بابا علی مست مشہور ہیں۔ ابتدائے جوانی میں مکتب میں بچوں کو پڑھاتے تھے۔ لیکن اس کو چھوڑ چھاڑ جنگلوں میں چلے گئے اور خدا کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ بازار اسپ فروشاں میں مزار ہے۔

حضرت سید غیاث الدین مجذوبؒ جو بات بولتے تھے ہو کر رہتی تھی۔ کشفی بزرگ تھے سنہ ٨٦٨ھ میں رحلت فرمائی اور مقبرۂ خلوتیان میں مدفون ہوئے۔

حضرت میر محمد طاہرؒ بزرگان وقت اور سادات میں تھے۔ مرغاب میں مزار ہے اور اجابت دعا کیلئے مشہور ہے۔

حضرت مولانا عبد الصمد بخاراییؒ مجتہد اور عالم و فاضل تھے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کے پائیں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ غریبانؒ اپنے وقت کے بڑے بزرگوں میں تھے۔ دہ کنار گاؤں میں مزار ہے۔

مختلف زیارتگاہیں

ان مزارات کے علاوہ ہرات میں قدیم زمانے کی کئی اور زیارت گاہیں بھی ہیں۔ مثلاً :-

چاہ شہیداں یہ ایک کنواں ہے جس میں ہلاکو کے ظلم کے شکار کردہ ۲۰۰۰ شہیدوں کی قبریں ہیں اہل ہرات ہمیشہ اس کی زیارت کرتے ہیں۔

باغیچہ سفید فروشاں میں حضرت خواجہ گازر، شیخ زین الدین، پیر مراد بخش رحمۃ اللہ علیہم کی قبریں ہیں جہاں اہل ہرات اپنے مقاصد کے لئے دعائیں مانگتے اور چلہ کشی کرتے ہیں

مقبرۂ خنچہ آباد کے مشرق جانب ایک مسجد التجہ کے نام سے مشہور ہے۔ بہت سے اولیاء اللہ، درویش اور مجذوب اس میں مدفون ہیں بہت مہیب اور پُر رعب مقام ہے۔ ہر شخص اس مسجد میں جاکر دعا مانگنے کی ہمت نہیں کرتا لیکن یہ مشہور ہے کہ جو شخص اس مسجد کے مزارات پر اطمینان و سکون سے دعا مانگتا ہے اس کی مراد اس کو ملجاتی ہے۔ اہل ہرات اس مسجد کی زیارت کرنے جاتے رہتے ہیں۔

دہ کنار گاؤں میں حضرت شیخ گذرانی، ملا یحییٰ بخارائی، شیخ نجم الدین ملانی، ملا اشرف قاضی شیخ احمد مرجانہ، سید شیخ عالم تیزانی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بزرگان اور اولیاء اللہ مدفون ہیں۔

آخری دور کے بزرگان دین کے مزارات

نوٹ :- امیر تیمور گورگان کے زمانے میں حضرت خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہٗ نے تاریخ ہرات اور طبقات مشائخ ہرات وغیرہ کئی کتابیں لکھی تھیں جس میں اپنے زمانے اور اپنے قبل کے زمانے کے بزرگوں کے حالات تھے۔ پھر ۸۶۴ھ میں حضرت سید عبداللہ الحسینیؒ نے جو اصیل الدین الواعظ مشہور ہیں ایک کتاب شرح مزارات ہرات لکھی جس میں اپنے وقت تک کے بزرگوں کے حالات جمع کئے تھے پھر ۱۱۹۰ھ میں حضرت عبداللہ بن ابو سعید ہراتیؒ نے مزارات ہرات نامی ایک کتاب تالیف فرمائی جسمیں حضرت مولانا جامیؒ کے وقت سے لیکر ۱۱۹۰ھ تک کے تمام بزرگوں کے حالات تھے لیکن ۱۱۹۰ھ کے بعد سے جو بزرگان دین اور مشائخ طریقت ہرات میں گذرے ہیں ان کے حالات کا کوئی مجمل تذکرہ بھی کہیں نہیں ملتا تھا

کیونکہ اس آخری دور کے بزرگوں کے حالات پر اب تک کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ افغانستان اور ہرات کے باشندے اپنے بزرگوں کے حالات سے بیخبر ہیں اور بے خبر رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن حضرت خاقان افغانستان نادر شاہ غازی کے قدوم میمنت لزوم کا نتیجہ ہے کہ اب ہرات کے نوجوانوں اور تعلیمیافتہ حضرات کو ہوش آرہا ہے اور وہ اپنے سابقہ عظیم الشان تاریخ و تمدن سے غافل رہنا نہیں چاہتے چنانچہ "رسالہ مزارات ہرات" جو ۱۳۵۰ھ میں ہرات کے مطبع دانش نے شائع کیا ہے اور جس میں شروع سے لیکر ۱۳۵۰ھ تک کے بزرگوں کے حالات ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل ہرات اپنے بزرگوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے کارناموں کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں

"رسالہ مزارات ہرات" کا تیسرا حصہ مولانا محمد صدیق صاحب ہراتی نے تالیف کیا ہے اس حصہ میں ۱۱۹۸ھ سے لیکر ۱۳۵۰ھ تک کے بزرگوں کے حالات کمال محنت سے جمع کئے گئے ہیں ناظرین کرام کے سامنے اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے

حضرت اخوند ملا گندم علی صاحب

۱۱۰۰ھ میں ولادت ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ بیدار ہونے کے وقت بلند آواز سے حضرت نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پورا کلمہ پڑھا اور میں جب تک نفاس سے پاک نہ ہو چکی حضرت نے دودھ نہیں پیا اور ہمیشہ گندگی سے بچتے رہے۔ جب حضرت جوان ہوئے تو ایک دن حضرت میرزا یحییٰ قدس سرہٗ کے مزار پر گئے اور مراقبہ میں مصروف ہو گئے تو قبر سے آواز آئی "اے گندم علی قرآن پڑھ" حضرت گندم علیؓ بالکل ناخواندہ تھے بہت گھبرائے لیکن آپ نے دیکھا کہ آپ کے سینہ میں نور بھر رہا ہے اور آپ حافظ قرآن پاک ہو گئے ہیں۔

اسی طرح حضرت میرزا یحییٰ نے نصیحت کی کہ "اے گندم علی تحصیل علم کی کوشش کر" چنانچہ حضرت گھر چھوڑ کر تحصیل علم کے لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے فرمایا کہ تجھ کو تمام چیزوں کا علم لدنی دیا گیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت مدرسہ پہونچے تو آپ کے سامنے ہر علم اور ہر کتاب کے اسرار بالکل کھل گئے تھے۔ حضرتؓ نے تصوف کی منزلیں حضرت سید محمد قتالی رضؓ کی صحبت میں طے کیں اور حضرت قتالی کے خلیفہ ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ بیعت ۷ واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تک پہونچتا ہے۔ حضرت گندم علیؓ کی بے شمار کرامتیں اور خرق عادات مشہور ہیں عظیم المنزلت بزرگ تھے ۱۱۸۵ھ میں انتقال فرمایا اور تاریخ وفات سب کو بتلائی تھی اور جنازہ کی نماز کا امام بھی مقرر فرما دیا تھا۔ حضرت کی نسل اب تک ہرات کے مختلف حصوں میں علم دین اور تصوف کی خدمت میں مشغول ہے۔

حضرت خلیفہ میر یحیےٰ صاحب قتالیؒ

حضرت سلطان العارفین میر ابراہیم قتال قدس سرہ کی اولاد سے تھے۔ علوم ظاہر و باطن میں یگانۂ وقت تھے چشتیہ سلسلہ میں تھے اور اپنے پدر بزرگوار حضرت حاجی میر افضل شہیدؒ سے تصوف کی تعلیم حاصل کی تھی اور باپ کے خلیفہ بھی تھے اپنے وقت کے صاحب کرامت اور مشہور بزرگ تھے۔ ۱۱۹۲ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار پُرانوار تحقی گاؤں میں ایک عالیشان عمارت کے اندر ہے۔

حضرت صوفی اسلام کروخیؒ

قطب الاولیاءؒ شمس الاصفیاء و مرشد الانامؒ لقب ہے آبائی وطن خوارزم تھا۔ ۱۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور آغاز جوانی میں بخارا کے بادشاہ کی فوج میں ملازم ہو گئے تھے۔ جہاں ترقی کرکے ایک اعلےٰ عہدہ پر پہونچ گئے تھے۔ ایک دن جنگ میں شرکت کے لئے کہیں تشریف لیجارہے تھے کہ راستے میں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خضر نے نصیحت فرمائی کہ "بخارا کے مجازی بادشاہ کی ملازمت کو چھوڑ کر دنیا کے حقیقی بادشاہ سے لگن پیدا کرو" یہ سن کر آپ سب چھوڑ چھاڑ ہرات چلے آئے اور یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ طریقہ نقشبندیہ کے پیرو تھے اور حضرت غالب نظرؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کا سلسلہ بیعت (۵) واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہونچتا ہے۔ آپ نے فرغانہ اور بخارا کے قیام میں حضرت خواجہ احمد یسویؒ کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا تھا فتح علی شاہ قاچار ایرانی بادشاہ نے ہرات پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا تو حضرت ملکؒ ملت کی حفاظت کے لئے اپنے مریدوں کے ساتھ میدان میں آئے۔ اور شبکان گاؤں میں ایرانی فوج سے لڑکر شہید ہوئے۔ سال شہادت ۱۲۲۲ھ ہے۔ آپ صاحب کرامت بزرگ اور حق پرست مجاہد تھے۔ آپ کے ہزار ہا مرید اور ۱۰۱ خلیفہ تھے۔

حضرت خلیفہ میر ابراہیم صاحب قتالیؒ

علم فقہ حدیث، تفسیر، اخلاق، تصوف میں شہرۂ آفاق تھے اور حضرت خلیفہ میر سید محمد قتالیؒ کے خلف الصدق تھے۔ لیکن پدر بزرگوار کا انتقال اسی وقت ہو گیا تھا جب کہ حضرت ابراہیمؒ زیادہ ہوشیار نہ تھے۔ طریقت میں خلعت خلافت حضرت میاں عبدالرحیم صاحب مجددی سے حاصل ہوا تھا مجاہدۂ نفس اور ریاضت میں کمال حاصل تھا۔ دریائے معرفت میں ہر وقت غوطہ زن رہتے تھے اسی لئے عوام میں "دریانوش" مشہور ہو گئے تھے۔ مزار مبارک اوران گاؤں میں ایک عالی شان عمارت کے نیچے ہے۔

حضرت خلیفہ میر عبدالباقی قتالیؒ

حضرت خلیفہ میر ابراہیم صاحب قتالی کے خلف الصدق تھے اور وراثت خلافت کی نسبت اپنے والد ماجد سے تھی۔ علوم شریعت

طریقت میں یگانہ عصر اور مقتدائے وقت تھے صاحب کرامات تھے۔ امیر شیر علی خاں مرحوم کے زمانہ میں ۱۲۹۲ھ میں انتقال فرمایا اور آن گاؤں میں اپنے والد کے مقبرہ میں دفن کئے گئے

حضرت آخوند ملا علی محمد صاحب اسفزاریؒ

حضرت صوفی ملا نور محمد صاحب جو ایک مشہور بزرگ تھے اُنکے صاحبزادے تھے۔ زمانہ دراز تک مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی کے خلیفہ حضرت مولوی محمد جان صاحب قندھار پہونچے تو اُن کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی۔ اور ریاضتؒ مجاہدہ نفس میں مشغول ہو گئے۔ اور خلعت خلافت لے کر اپنے گاؤں اسفزار چلے آئے۔ حضرت کے بہت سے مرید تھے اور حضرت دائم الصوم اور ہمیشہ خاموش رہتے تھے۔ مزار مبارک اسفزار میں ہے

حضرت میر ابوالفیض صاحب قتالیؒ

حضرت سلطان ابراہیم قتالؒ کی اولاد میں تھے اور حضرت میر ابوذرؒ کے فرزند تھے۔ لیکن والد ماجد تین سال کا چھوڑ کر رحلت فرما گئے تھے۔ حافظ قرآن تھے اور خلیفہ ملا عبدالاحد صاحب سے فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں کمال حاصل کیا تھا۔ اور انہی بزرگ کے مرید ہو گئے تھے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد حضرت پیر کی اجازت سے قندھار چلے آئے۔ اور حضرت غلام علی شاہ صاحب دہلوی کے خلیفہ حضرت مولوی محمد جان صاحب کی خدمت میں رہنے لگے۔ اور پھر ان بزرگ سے بیعت کر لی۔ یہاں رہ کر حضرت میر ابوالفیضؒ نے مجاہدہ نفس اور ریاضت میں اپنا سارا وقت صرف کیا۔ کچھ دنوں بعد حضرت آخوند ملا عبدالاحد صاحب بھی مولوی محمد جان صاحب کی خدمت میں آگئے۔ ایک دن جب کہ مولوی محمد جانؒ کی خدمت سے دونوں حضراتؒ واپس چلے آئے تو حضرت آخوند ملا عبدالاحد صاحب نے حضرت میر ابوالفیض صاحب سے فرمایا۔ "اے سیدزادے! طریق سلوک و معرفت میں اور زیادہ کمال حاصل کرنے کے لئے تم کو ہندوستان کا سفر کرنا چاہیے"۔ چنانچہ حضرت میر ابوالفیض صاحب ہندوستان آئے اور دہلی میں دو سال تین مہینہ رہے۔ حضرت غوث احدی شاہ صاحبؒ دہلوی کی خدمت سے فیض حاصل کیا اور مختلف مزارات کی زیارتیں کیں اس کے بعد سرہند تشریف لے گئے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے روضۂ پر انوار پر چار ماہ مصروف ریاضت رہے۔ پھر ہرات تشریف لے گئے اور آخر زندگی تک یاد الٰہی اور تصوف کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ ۱۲۹۰ھ میں انتقال فرمایا جنازہ میں امیر محمد یعقوب خاں امیر شیر علی خاں کے بیٹے۔ ہرات کے تمام علماء و مشائخ اور حضرت خلیفہ عبدالباقی صاحبؒ اور عوام نے جوق در جوق شرکت کی اپنے

والد ماجد کے پہلو میں سیاوشان گاؤں میں دفن ہوئے۔

حضرت میر غلام علی شاہ قتالیؒ

حضرت میر ابوالفیض صاحب کے خلف الصدق تھے ۱۲۶۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ نہایت کم عمری میں علوم اسلامی سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ قادری سلسلہ میں تھے صاحب کرامت اور صاحب فیض بزرگ تھے ۱۳۱۱ھ میں انتقال فرمایا اور کبرزان گاؤں میں دفن کیے گئے۔

حضرت میر سید سعد اللہ صاحب قادریؒ

حضرت سید حمید الدین صاحب ایک مشہور بزرگ کے خلف الصدق تھے اور سلسلۂ نسب اور سلسلۂ طریقت میں حضرت پیران پیر جیلانی کی اولاد میں تھے۔ تفسیر اور حدیث میں شہرۂ آفاق تھے۔ سلسلۂ قادریہ کی تبلیغ و اشاعت میں ہمہ تن منہمک رہتے تھے۔ بادشاہ وقت حضرت کا معتقد تھا اور سب اہل ہرات حضرت کی بزرگی اور زہد و تقوےٰ کو تسلیم کرتے تھے۔ خیابان میں مدفون ہیں۔

حضرت میر سید شریف صاحب قادریؒ

حضرت میر سید سعد اللہ صاحب کے خلف الصدق تھے ۱۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور کم عمری میں ہی علوم اسلامی کے ماہر ہو گئے۔ اہل ہرات حضرت کے عقیدت مند تھے حسن اخلاق اور خدا پرستی میں یگانۂ روزگار تھے۔ صاحب کرامت مشہور تھے۔ ۱۳۱۷ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ روشنائی کے مقبرہ میں دفن کیے گئے۔

حضرت صاحبزادہ سید محمد نجیب قادریؒ

میر سید سعد اللہ کے دوسرے صاحبزادے اور حضرت میر سید شریف کے بھائی تھے ۱۲۵۹ھ میں پیدا ہوئے زبردست شاعر اور اعلےٰ ادیب تھے۔ اور علوم اسلامی کے ماہر تھے۔ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت کو بھی گئے تھے۔ بڑے عالم اور خدا رسیدہ بزرگ تھے ۱۳۱۴ھ میں رحلت فرمائی اور حضرت خواجہ روشنائی کے مقبرہ میں دفن کیے گئے۔

حضرت آخوندزادہ ملا یحیٰی صاحبؒ

ملا عبداللہ فاضل بخارائی کے خلف الصدق تھے علم و تقوےٰ میں یگانۂ وقت تھے۔ اپنے پدر بزرگوار سے علوم اسلامی حاصل کیے تھے۔ بہت دنوں تک مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں رہے یہاں تک کہ حضرت قطب العارفین غلام علی شاہ صاحب دہلوی کے نامور خلیفہ حضرت میرزا رحیم اللہ عزیز آبادی کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی جو اُن دنوں ہرات تشریف لےگئے تھے حضرت میرزا رحیم اللہ کی خدمت میں رہ کر آخوندزادہؒ نے اپنی زندگی مجاہدۂ نفس اور نہایت کڑی ریاضتوں میں بسر کی۔ یہاں تک کہ آپ کو خلافت کا خلعت حضرت رحیم اللہؒ نے عطا فرمایا۔ تمام اہل ہرات حضرت آخوندزادہ صاحبؒ کے مرید اور معتقد تھے اور امیر یعقوب خاں ہر جمعہ کو اعیان

سلطنت کے ہمراہ حضرت کی زیارت کو آتے تھے۔ ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی اور اپنے پدر بزرگوار کے مقبرہ میں پارنگاہ گاؤں میں دفن کئے گئے۔ آپ کی اولاد اور خلفاء اب تک ہرات میں تصوف کی تبلیغ میں کوشاں ہیں۔

حضرت خواجہ خلیفہ مولانا صاحبؒ

حضرت خواجہ مولانا محمد یوسف جامی ایک مشہور بزرگ کے فرزند تھے۔ اور سلسلہ نسب قطب الاقطاب حضرت احمد جامی اور حضرت جریر بن عبداللہ صحابیؓ تک پہونچتا ہے۔ اسم مبارک عبدالرحیم عمادالدین تھا۔ اپنے پدر بزرگوار کے خلیفہ اور طریقہ نقشبندیہ کے پیرو تھے۔ فقہ، حدیث، تفسیر اور تمام علوم میں فاضل اور خوش بیان واعظ تھے۔ ۱۲۹۳ھ میں رحلت فرمائی اور حضرت خواجہ ابوالولید احمدؒ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ احمد جامیؒ

حضرت خواجہ عبدالرحیم عمادالدینؒ کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ فقہ، تفسیر، حدیث، تجوید میں امام وقت تھے۔ عوام وخواص سب کے محبوب تھے اتباع سنت، ریاضت اور مجاہدۂ نفس میں مشہور تھے۔ ۱۳۰۰ھ میں دار بقا کو گئے۔ پدر بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہے۔

حضرت مولانا عبدالغفور صاحب خواجہ چناریؒ

حضرت آخوند ملا گندم علیؓ کے پوتے تھے۔ اور تارک الدنیا فقیر تھے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے۔ پریشان حال رہتے اور اکثر پہاڑوں، جنگلوں اور دریاؤں کے کنارے اوقات گذارتے تھے۔ حضرت کے خوارق عادات تواتر سے بیان کئے جاتے ہیں۔ مزار مبارک "خواجہ محمد چنار" گاؤں میں ہے۔

حضرت شاہزادہ حاجی گیتی ستانؒ

حضرت سلطان شاہ بن امیر تیمور شاہ مرحوم بن سلطان احمد شاہ غازیؒ کے فرزند تھے۔ جب حضرت حاجی گیتی ستان چھوٹے تھے اور حضرت ملا عبدالاحد صاحب سے اسلامی علوم پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ کو فقیروں اور اولیاء اللہ سے قلبی تعلق ہوگیا تھا اور حکمرانی سے کوئی محبت نہیں رہی تھی۔ جب حضرت کے باپ حضرت سلطان شاہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت گیتی ستانؒ نے حرم کی سب لونڈیوں اور کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اور جامۂ درویشی پہن کر عازم حرمین شریفین ہوگئے حرمین کی واپسی کے بعد بغداد میں حضرت غوث پاکؓ کی خانقاہ کے سجادہ نشین جناب حضرت شیخ عبدالرحمن صاحب سے فیض صحبت حاصل کیا۔ اور ان کے مرید ہوکر سات سال ریاضت اور مجاہدۂ نفس میں بغداد میں بسر کئے اور پھر واپس ہرات تشریف لائے۔ حضرت گیتی ستان شاہی کو چھوڑ کر فقیر بنے تھے اور یہ بات آپ کے عارف باللہ اور کامل صوفی ہونے کی دلیل ہے۔ ۱۲۹۷ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ محمد بند کشاؒ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت پیر امان اللہ صاحب غوریؒ

حضرت مولانا

رحمۃ اللہ علیہ قندھار کے مشہور بزرگ کے فرزند تھے۔ قندھار میں علوم و فنون کی تکمیل کی اور تلاش رہبر میں ہرات آئے اور حضرت مولانا محمد جانؒ کے مرید ہو گئے۔ لیکن جب حضرت مولانا محمد جانؒ کا انتقال ہو گیا تو حضرت امان اللہؒ نے بیعت کے لئے حاجی دوست محمد صاحب دہلویؒ کی طرف ہاتھ بڑھایا جو شاہ ابوسعید کے واسطے سے حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ کے خلیفہ تھے۔ تین سال تک دہلوی بزرگ کی خدمت میں رہ کر علوم باطن کی تکمیل کی اور آخر میں خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے اور غور میں جا کر تبلیغ و ارشاد فرمانے لگے ۱۲۹۳ھ میں رحلت فرمائی اور غور میں مدفون ہوئے آپ کی اولاد نے بعد میں ہرات مسکن بنایا اور باپ کے نقش قدم پر چل کر طریقت میں کمال پیدا کیا۔

حضرت شیخ ملا عبدالرسول صاحب اوکلیؒ

حضرت شیخ نور اللہ صاحب کے مرید تھے جو چند واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے فیض یاب ہوئے تھے حضرت ملا عبدالرسول تنہائی پسند اور خاموش صوفی تھے مزار مبارک علاقہ اوکل میں ہے

حضرت میاں فضل الحق صاحب مجددیؒ

یہ مشہور بزرگ حضرت میاں محمد عمر صاحب مجددی کے خلف الصدق تھے۔ عنفوان شباب میں اپنے والد ماجد سے تمام علموں کی تکمیل کر لی تھی اور سلسلہ نقشبندیہ اور طریقت کی تمام راہوں کو طے فرمالیا تھا۔ حاجی حرمین شریفین تھے ۱۳۳۲ھ میں رحلت فرمائی اور حضرت جامی کے مقبرہ میں دفن کیے گئے۔

حضرت خلیفہ ملا عبدالاحد صاحب سلجوقیؒ

حضرت آخوند ملا میرزا صاحبؒ کے فرزند تھے۔ آغاز جوانی میں سارے علوموں سے فارغ ہو گئے تھے۔ باپ نے علمی استعداد بہت اعلیٰ پیدا کرا دی تھی۔ ۲۵ سال کی عمر میں سالک کامل کی تلاش میں بہت سے صوفیوں کی خدمت میں گئے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر حضرت قطب العارفین حضرت جی صاحب مجددیؒ نے بیعت کرنے پر آمادگی ظاہر فرمائی۔ وہاں رہ کر سلجوقیؒ نے علوم باطن کی تکمل کی اور نقشبندی سلسلہ کے مختلف مراحل طے کر لئے۔ ۱۲۵۵ھ میں شمع حیات خاموش ہو گئی حضرت مولانا جامی کے قریب ایک مقبرہ سلجوقیہ میں مزار مبارک ہے۔

حضرت خلیفہ ملا محمد حسین صاحبؒ

حضرت ملا عبدالاحد صاحب کے فرزند تھے۔ کم عمری ہی میں اپنے والد ماجد سے تمام علوم پڑھ لئے تھے۔ خط نستعلیق میں شہرۂ آفاق تھے۔ ہرات کے تمام خوشنویس آپ کے شاگرد تھے اور افغانستان کے ہر حصہ میں آپ کے مکتوبات بطور یادگار محفوظ ہیں۔ خادم خلق، گوشہ نشین اور صوفی منش تھے۔ مقبرۂ سلجوقیہ میں مدفن ہے۔

حضرت میر مصطفےٰ صاحب قتالیؒ

ابتدائے عمر میں

تمام علوم و فنون سے فارغ ہو گئے تھے حضرت ملا محمد جان رحؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ علم تصوف میں مہارت رکھتے تھے۔ ۱۳۳۰ھ میں رحلت فرمائی اور زنجیقی گاؤں میں مدفون ہوئے حضرت کے ایک عقیدت مند نے مزار پر ایک عالیشان مسجد تعمیر کرا دی ہے۔

حضرت آخوندزادہ ملا محمد حسن اوبہی رحؒ

نقشبندی سلسلہ میں تھے اور دو واسطوں سے حضرت غلام علی شاہ صاحب دہلوی کے مرید تھے۔ علوم دینی کے ماہر اور اہل ہرات کے محبوب تھے۔ صاحب فیض اور صاحب کرامت بزرگ تھے ۱۳۴۰ھ میں وفات پائی اور اُوبہہ گاؤں میں مدفون ہوئے۔

حضرت صاحبزادہ ملا محمد جان صاحب رحؒ

حضرت شیخ ملا عبدالرسول صاحب ایک بڑے بزرگ کے فرزند تھے۔ ہرات و قندھار وغیرہ میں علوم حاصل کئے اور باپ سے بیعت کی اور خلیفہ ہوئے۔ فقیر منش اور خاموش ولی تھے۔ ۹۰ سال کی عمر تھی کہ ۱۳۵۰ھ میں اوکل میں انتقال فرمایا اور اپنے والد ماجد کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت بابا مجذوب قتالی رحؒ

مجذوب صفت اور خاموش ولی اللہ تھے۔ دنیا سے بے تعلق ہو کر تمام عمر یاد الٰہی میں بسر کی اور رادران اور رازادان گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ ہمیشہ دیہات والوں نے حضرت کو خاموش پایا۔ ۱۳۴۰ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ ابوالولید احمد رحؒ کی درگاہ شریف میں جگہ پائی۔

حضرت مرحوم آخوند ملا خدا بخش رحؒ

اچھے شاعر متبحر عالم اور شہرۂ آفاق خوش نویس تھے۔ تمام عمر عبادت ریاضت، خدمت خلق، درس تدریس اور نصیحت خلق میں گذار دی۔ ۱۳۰۸ھ میں اس سرائے فانی سے رخصت ہوئے مولانا جامی کے مزار کے قریب ملا ذبیح اللہ خاں رحؒ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت آخوند ملا رحیم داد رحؒ

درس تدریس اور علوم فنون اور قابلیت میں مشہور تھے۔ اچھے مصنف اور مؤلف تھے۔ ساری عمر خدا کی عبادت میں صرف کی۔ اپنے بعد بے شمار شاگرد بطور یادگار چھوڑے تاریخ وفات اور مقام دفن معلوم نہیں۔

حضرت آخوند ملا عبداللہ فاضل نیار نگاہی رحؒ

بڑے قابل اور زہد و تقویٰ اور علم میں مشہور تھے۔ حضرت جامی رحؒ کی درگاہ کے متولی جناب نجابت پناہ مرحوم نے آخوند صاحب کی درس تدریس کے لئے درگاہ میں ایک عمارت بنوا دی تھی۔ جہاں اب بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضرت شاہ افضل احمد صاحب کے مرید تھے مزار مبارک درگاہ میں ایک بلند عمارت کے نیچے ہے۔

حضرت آخوند ملا محمد اویسی

۱۲۲۵ھ میں پیدا

ہوئے تھے۔ علم، زہد اور تقویٰ میں یکتائے زمانہ تھے عربی و فارسی کے مصنف تھے۔ رہبر کامل کی تلاش میں جنگلوں میں اور پہاڑوں پر پھرا کرتے تھے۔ آخر آپ نے ایک ہندوستانی فقیر سے جن کا نام عبداللہ تھا اور جو حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلویؒ کے خلیفہ تھے اپنی آتش شوق معرفت بجھائی اور فقیر کے ہمراہ پہاڑوں میں رہنے لگے۔ اور بعد میں جب فقیر ہندوستان واپس چلے گئے تو آپ بھی کابل ہو کر ہرات تشریف لائے اور درس تدریس اور بیعت و ارشاد میں مشغول ہو گئے۔ مزار مبارک مقبرۂ سیاوشان میں ہے

حضرت آخوند ملا محمد عمر سلجوقیؒ | انتہائی ذہین اور سمجھ دار تھے۔ زہد و تقویٰ میں مشہور تھے علوم و فنون کے ماہر تھے۔ اس زمانہ کے سب علماء حضرت کے شاگرد ہیں درس تدریس اور عبادت الٰہی میں منہمک رہتے تھے آٹھ مفید اور اعلیٰ کتابیں تصنیف فرمائیں تھیں ۱۳۳۱ھ میں رحلت فرمائی اور مقبرہ سلجوقیہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت آخوند ملا عبدالفتاحؒ | معقول اور منقول پر حاوی اور متبحر عالم تھے۔ بہت سی کتابوں کے مؤلف اور مصنف تھے۔ ۹۰ سال کی عمر پائی اور ۱۳۳۵ھ میں رحلت فرمائی اور حضرت مولانا جامیؒ کے مقبرہ میں جگہ پائی۔

حضرت آخوندزادہ ملا عبدالباقیؒ | حضرت ملا عبدالخالق مشہور عالم اور بزرگ کے خلف الصدق تھے علوم ظاہر کی تکمیل اپنے پدر بزرگوار سے کی اور علوم باطنی کی تکمیل کے لئے حضرت صاحبزادہ میر سید شریف قادریؒ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔ درس تدریس اور عبادت میں مشغول رہتے تھے کئی رسالوں کے مصنف تھے ۱۳۳۶ھ میں انتقال فرمایا۔ مقبرہ سیاوشان کے قریب ایک علیحدہ جگہ مدفون ہیں۔

حضرت حاجی ملا غلام محمدؒ | علم و فضل میں عالی قدر تھے۔ علوم دینیہ کے ماہر اور خدا ترس بزرگ تھے۔ حافظ اور حاجی اور قاری تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں مرحوم نے ہرات میں ایک دار الحفاظ تعمیر کروایا تھا۔ حاجی صاحب اس میں طلباء کو تعلیم دیتے اور حفظ قرآن پاک کراتے تھے۔ آپ کی کوششوں سے ہرات کے اطراف میں سینکڑوں حافظ کلام پاک ہو گئے۔ ۱۳۴۰ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت خواجہ ابوالولید کے مزار اقدس کے قریب مدفون ہوئے۔

تتمّت

رائے | ہرات اور چشت کے مزارات کی کیفیت میں مجھ کو بہت سی غلطیاں کتابت اور طباعت کی معلوم ہوئی ہیں خصوصاً بعض حضرات کی وفات کے سنوں میں کئی جگہ شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ زندگی ہے تو آئندہ اڈیشن میں تحقیقات کے بعد اصلاح کردی جائے گی۔

حسن نظامی

نادرشاہی افغانستان کی

دلچسپ معلومات

اشخاص حکومت کے چہرے (۱) غازی محمد نادرشاہ

بادشاہ افغانستان ۔ دراز قد ۔ ڈاڑھی رکھتے ہیں جس میں سفید بال آگئے ہیں ۔ رنگ گندمی ۔ چہرہ کتابی ۔ جسم اکہرا ۔ مزاج میں سنجیدگی و متانت بہت زیادہ ۔ آواز صاف اور بلند اور گرج دار ۔ اُردو نہایت نفیس بولتے ہیں ۔ دہرہ دون ہندوستان کی پیدائش ہیں ۔ پچھلی رات سے بیدار ہو جاتے ہیں ۔ قوت فیصلہ بے مثل ہے ۔ مگر بغیر غور و خوض کے کوئی فیصلہ نہیں کرتے ۔ ان کے اوقات کی تقسیم بہت باقاعدہ ہے جس میں ایک سکنڈ کی کمی بیشی نہیں ہوتی یعنی ہر کام مقررہ وقت پر کرتے ہیں اور آج کا کام آج ہی ختم کر دیتے ہیں تقریر و تحریر و شمشیر تینوں قوتوں کو تسخیر کر چکے ہیں ۔

(۲) ج ع ج سردار محمد ہاشم خاں اعلےٰ حضرت

تاجدار افغانستان کے بھائی ہیں اور افغانستان کی حکومت کے صدر اعظم ہیں ۔ گندمی رنگ ۔ میانہ قد ۔ مضبوط جسم ۔ افغانی آنکھیں ۔ ڈاڑھی فرنچ فیشن کی یعنی صرف ٹھوڑی پر بال ہیں ۔ مونچھیں گنجان ۔ اُردو صاف بولتے ہیں ۔ چہرہ سے اور بات چیت سے بہت ملنسار اور مدبر معلوم ہوتے ہیں اسلامی اخلاق کا بولتا ہوا مجسمہ ہیں ۔

(۳) ع ۔ ج سردار محمد عزیز خاں شہید اعلےٰ

حضرت تاجدار افغانستان کے بھائی تھے ۔ برلن جرمنی میں افغانستان کی طرف سے وزیر مختار تھے ۔ ایک ستمگر مسلمان کے ہاتھ سے اسی سال شہید ہو گئے ۔ جنازہ افغانستان میں لاکر دفن کیا گیا ۔ گندمی رنگ اور میانہ قد تھا ۔ ڈاڑھی منڈاتے تھے ۔ مونچھیں چھوٹی چھوٹی تھیں ۔ بہت نیک اور سیاست داں اور رحم دل آدمی تھے ۔

(۴) ع ۔ ج سردار شاہ ولی خاں اعلیحضرت

تاجدار کابل کے بھائی ہیں ۔ اور فاتح کابل کے نام سے تمام دنیا میں مشہور ہیں ۔ گورا رنگ ۔ چھریرا بدن ۔ ڈاڑھی

منڈی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ انور پاشا سے مشابہ ہیں۔ اُردو صاف بولتے ہیں۔ بہت خلیق اور سیاستداں ہیں

(۵) ع ج سردار شاہ محمود خاں اعلیٰحضرت کے بھائی ہیں افغانستان کے وزیر حربی ہیں۔ گورا رنگ۔ میانہ قد۔ خوب مضبوط جسم۔ چوڑا سینہ۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں بڑی بڑی اور قیصر ولیم کی طرح چڑھی ہوئی

(۶) فرزند تاجدار افغانستان عالی قدر جلالتمآب والاحضرت شاہزادہ محمد ظاہر خاں۔ ولیعہد افغانستان۔ پورا قد۔ گورا رنگ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ مضبوط جسم۔ اُردو بول سکتے ہیں۔ اس سال جشن استقلال کے موقع پر اللہ تعالےٰ نے ان کو فرزند عطا فرمایا ہے۔ سبزہ آغاز ہیں چہرہ سے حلیم الطبع۔ ذی فہم اور مدبر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو عام سپاہیوں کی طرح تربیت دی گئی ہے۔

(۷) شرافت مآب نور المشائخ جناب فضل عمر صاحب مجددی وزیر عدلیہ جو پہلے حضرت صاحب شور بازار کے نام سے مشہور تھے۔ میانہ قد۔ خوب مضبوط جسم۔ گنجان لمبی ڈاڑھی لبیں کتری ہوئی۔ عمامہ باندھتے ہیں۔ عالم ہیں۔ صوفی ہیں۔ اور نہایت متقی ہیں۔ افغانستان میں ان کی بہت عزت کیجاتی ہے۔

(۸) شرافت مآب نقیب صاحب بغداد شریف کے رہنے والے ہیں۔ انتیس (۲۹) سال سے افغانستان میں مقیم ہیں۔ سفید ڈاڑھی۔ لبیں کتری ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ عمر سو کے قریب معلوم ہوتی ہے۔ بغدادی لباس پہنتے ہیں افغانستان میں سب لوگ ان کی عزت کرتے ہیں۔

(۹) ع ج ع۔ ش۔ شیر احمد خاں نائب سالار اور رئیس لوازم وزارت حربیہ ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جسم خوب مضبوط۔ چہرہ گول۔ شیر کا سا کلہ جبڑہ۔ آنکھوں میں فوجی غرور اور خودداری۔ عمر پچاس ساٹھ سال کی معلوم ہوتی ہے

(۱۰) ع۔ ش۔ محمد عمر خاں ارکان حربیہ کے رئیس اور یورپ کی مخالف جنگ کانفرنس میں افغانستان کی طرف سے نمائندہ ہیں۔ دراز قد۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ یورپین مونچھیں یعنی ناک کے نیچے چند بال۔ چھریرا بدن۔ کتابی چہرہ آنکھوں سے سیاسی تدبر ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۱) ع۔ ش۔ محمد افضل خاں ارکان حربیہ کے رئیس۔ خوب مضبوط جسم۔ گورا رنگ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں بڑی بڑی۔ شکل سے یورپین معلوم ہوتے ہیں یا جرمنی فوج کے کمانڈر۔ بشرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوجی عقل زیادہ ہے۔ مگر غصہ بھی جلدی آتا ہوگا۔ عمر جوان ہے۔

(۱۲) ع۔ ش۔ احمد علی خان رئیس اُردو۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں گنجان مگر لبیں کتری ہوئی چہرہ سے مصطفےٰ کمال پاشا معلوم ہوتے ہیں۔ عمر زیادہ ہے

مونچھوں میں سفیدی آگئی ہے مگر جسم خوب مضبوط ہے۔ یورپ والوں کی طرح تصویر کھینچوانی جانتے ہیں۔

(۱۳) ع-ش-سید حسن خاں ریاست حربیہ کے رئیس ہیں۔ کم عمر معلوم ہوتے ہیں۔ جسم مضبوط ہے۔ چہرہ پر آثار نجابت ہیں۔ ڈاڑھی صاف۔ مونچھیں کتری ہوئی۔

(۱۴) ع-ع-ش مرحوم عبدالوکیل خاں
نائب سالار تھے۔ نادری دور میں اپنے ملک کا امن قائم رکھنے کے لئے شمالی اشرار کی جنگ میں شہید ہوئے ڈاڑھی رکھتے تھے۔ مونچھیں بھی بڑی بڑی تھیں۔ آنکھوں میں عقل و ہوشیاری کے آثار تھے۔

(۱۵) ع-ش-سردار اسد اللہ خاں قوماندان فرقۂ شاہی۔ کتابی چہرہ۔ جوان عمر۔ بڑی بڑی آنکھیں ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔

(۱۶) ع-ج-فیض محمد خاں وزیر خارجہ میانہ قد۔ مضبوط جسم۔ ڈاڑھی فرنچ فیشن کی۔ مونچھیں کتری ہوئی۔ فراست و سیاست کی معلومات سے بھرپور۔ نہایت نیک اور متقی مسلمان۔ گزشتہ حکومت کے زمانہ میں وزیر تعلیم تھے۔ اسوقت بھی اپنے فرائض کو نہایت عمدگی سے انجام دیا اور اب بھی ایسی قابلیت سے وزارت خارجہ کے فرائض انجام دیتے ہیں کہ تمام یورپ کے سیاسیئین ان کو مانتے ہیں۔

(۱۷) ع-ص-غلام یحییٰ خاں وزارت خارجہ میں معین اول ہیں۔ گورا رنگ کتابی چہرہ۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں کتری ہوئی قیافہ سے ملک داری کی قابلیت ہویدا ہے۔

(۱۸) ع-ص-محمد عثمان خاں وزارت خارجہ کے دوسرے معین ہیں۔ جوان عمر۔ مضبوط جسم۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ ناک کے نیچے چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔

(۱۹) ع-ص-حبیب اللہ خاں طرزی وزارت خارجہ کے تیسرے معین ہیں۔ مضبوط جسم۔ گورا رنگ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں گنجان لبیں کتری ہوئی۔

(۲۰) ع-ج-سردار محمد نعیم خاں اٹلی میں افغانستان کی طرف سے وزیر مختار ہیں۔ جوان عمر۔ گورا رنگ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ ڈاڑھی مونچھ صاف۔ نپولین سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔

(۲۱) ع-ج-ا-محمد گل خاں افغانستان کے وزیر داخلہ ہیں۔ جوان عمر۔ کتابی چہرہ۔ درمیانی آنکھیں چہرہ پر تدبر و فہم کے آثار۔ ڈاڑھی خشخاش۔ لبیں کتری ہوئی۔ افغانستان کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں۔ فوجی اور سیاسی عقل کا پورا حصہ قدرت نے دیا ہے۔ میرے سفر کے زمانہ میں قندھار کے گورنر تھے اب وزیر داخلہ

ہو گئے ہیں۔ ان کی تصویر بھی میں نے سفرنامہ میں دی ہے۔

(۲۲) ع۔ص۔ عبدالرشید خاں | وزارت داخلہ
کے معین اول ہیں۔ ڈاڑھی صاف۔ مونچھیں گنجان گول چہرہ عمر جوان۔ چہرہ سے کارگزار اور کارشناس معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۳) ع۔ص۔ نیک محمد خاں | وزارت داخلہ
کے دوسرے معین ہیں۔ افغانستان کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دے چکے ہیں۔ عمر پچاس سے زیادہ۔ ڈاڑھی خشخاش آنکھوں سے ایک بڑے فلاسفر معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۴) ع۔ص۔ فضل احمد خاں | وزارت عدلیہ
کے معین ہیں۔ گنجان اور بڑی ڈاڑھی۔ لبیں کتری ہوئی عمامہ باندھے ہوئے۔ لباس قدیمی چہرہ سے دور اندیش اور دوررس معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۵) ع۔ج۔ مرزا محمد خاں | محکمۂ تجارت کے
وزیر ہیں۔ ڈاڑھی فرنچ فیشن صرف ٹھوڑی پر۔ لبیں کتری ہوئی چہرہ سے بالشویک حکومت کے وزیر معلوم ہوتے ہیں آنکھوں میں غرور اور احتیاط کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

(۲۶) ع۔ص۔ محمد حسین خاں | وزیر تجارت کے
معین اول ہیں۔ سفید چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی۔ سفید مونچھیں لباس نئے زمانہ کا۔ عمر ساٹھ سے زیادہ۔ چہرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزاج میں شگفتگی بہت کم ہے۔

(۲۷) ع۔ج۔ علی محمد خاں | وزیر معارف یعنی تعلیمات
کے وزیر ہیں۔ افغانستان کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں۔ میرے ساتھ رہ کر کابل کی سب درسگاہیں دکھائی تھیں گفتگو سے اپنے وطن کے عاشق زار معلوم ہوتے تھے۔ لیکن عاشقوں کی بے احتیاطی اُن میں نہ تھی۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ دراز قد۔ چھریرا بدن آنکھیں بڑی بڑی

(۲۸) ع۔ص۔ سید محمد قاسم خاں | وزارت
معارف کے معین ہیں۔ لمبی ڈاڑھی۔ لبیں کتری ہوئی۔ لمبوتری شکل۔ آنکھوں سے علم کا کیڑا معلوم ہوتے ہیں یعنی ہر علم کا ذوق رکھتے ہیں۔

(۲۹) والاشان جلالتمآب محمد عمر خاں | ولایت
کابل کے والی ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں کتری ہوئی نیا لباس۔ چہرہ سے بہت خوددار اور باوقار معلوم ہوتے ہیں جس کو دیکھتے ہیں اپنی نظروں کو اس کے دل کی تہہ تک پہونچا دیتے ہیں۔

(۳۰) ع۔ص۔ سید حبیب خاں | یہ بھی ولایت
کابل کے ایک افسر ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں کتری ہوئی۔ لباس نئے زمانہ کا۔ عمر پچاس کے قریب۔ چہرہ سے حواس ہوشمندی ہویدا ہیں۔

(۳۱) حمیت منطرہ باز خاں | کابل کی کوتوالی
کے قوماندان ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں کتری ہوئی۔ عمر پچاس سے زیادہ۔ بشرہ سے بہت زیرک اور سراغرسانی کی

قابلیت رکھنے والے معلوم ہوتے ہیں۔

(۳۲) والاشان جلالتمآب غلام فاروق خاں

قندھار میں نائب الحکومت ہیں۔ کتابی چہرہ۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں کتری ہوئی۔ آنکھیں بڑی۔ عمر جوان۔ ذکی اور ذہین اور کام کرنے میں مستعد معلوم ہوتے ہیں۔

(۳۳) والاشان جلالتمآب عبدالرحیم خاں

ہرات میں نائب الحکومت ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ بڑی بڑی مونچھیں۔ کتابی چہرہ آنکھیں خوبصورت۔ عمر پچاس کے قریب۔ چہرہ کی وجاہت بہت شاندار ہے۔ مدبر اور معاملہ فہم معلوم ہوتے ہیں

(۳۴) والاشان جلالتمآب عبدالجمیل خاں

صوبہ مزار شریف میں وکیل نائب الحکومت ہیں۔ گول چہرہ۔ نیا لباس۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ بڑی بڑی مونچھیں ٹھوڑی میں بہت گہرا چاہ غبغب۔ بشرہ سے محنتی اور کارشناس معلوم ہوتے ہیں

(۳۵) و۔ج۔ شیر محمد خاں ولائت قطغن و بدخشاں

میں نائب الحکومت ہیں۔ افغانستان کی تعلیمی ترقی کا کام کرنے والوں میں ان کا نام سب سے اوپر لکھا جاتا ہے۔ مختلف علوم و فنون کی تقریباً ایک سو کتابیں اپنی قوم کے لئے لکھ چکے ہیں۔ اور اپنی ذات کا لاکھوں روپیہ اس کار خیر میں خرچ کیا ہے میں ان کی سب کتابیں لایا تھا جو گم ہوگئیں۔ گول چہرہ۔ ڈاڑھی خشخاش۔ لبیں کتری ہوئی۔ عمر پچاس سے زیادہ۔ بڑے بڑے کان۔ لباس نئے زمانہ کا۔ چہرہ سے بہت بڑے فلاسفر اور مقنن معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی کتب افغانستان کے کورس میں داخل ہیں اس لئے ان کو ہر افغان بچہ جانتا ہے۔

(۳۶) ع۔ع۔ش۔ محمد انور خاں علاقہ فراہ کے

حاکم اعلیٰ اور نائب سالار ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں کتری ہوئی۔ عمر ساٹھ سے زیادہ۔ سر میں اور مونچھوں میں سفید بال۔ چہرہ سے بہت مستعد اور ہوشیار معلوم ہوتے ہیں فوجی خدمات بشرہ پر نمایاں ہیں۔

(۳۷) ع۔ع۔ص۔ عبدالرزاق خاں علاقہ

میمنہ میں وکیل حاکم اعلیٰ ہیں۔ ڈاڑھی فرنچ کٹ لبیں کتری ہوئی۔ جسم مضبوط۔ عمر پچاس کے قریب۔ چہرہ سے واؤدی بوہرہ معلوم ہوتے ہیں یا کسی کالج کے پروفیسر۔ قیافہ ظاہر کرتا ہے کہ بہت کفایت شعار اور منتظم آدمی ہیں۔

(۳۸) ع۔ع۔ص۔ محمد قاسم خاں سمت مشرقی

کے وکیل حاکم اعلیٰ ہیں۔ جوان عمر۔ چھریرا بدن۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں چہرہ سے مغموم و فکرمند نظر آتے ہیں مگر ذہانت اور ذکاوت بھی مترشح ہے۔

(۳۹) ع۔ص۔ نصراللہ خاں سمت جنوبی کے

حاکم اعلیٰ ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ گنجان مونچھیں عمر چالیس سے زیادہ۔ قیافہ دلی مسرتوں اور خوشحالیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ سیاست داں معلوم ہوتے ہیں۔

(۴۰) ع۔ش۔ سردار محمد داؤد خاں سمت مشرقی کی فوجوں کے قوماندان ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی سپاہیانہ مگر لبیں کتری ہوئی۔ خوب مضبوط جسم شاہانہ چہرہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ البانیہ کے احمد زغو ہیں۔

(۴۱) ع۔ج۔ عبدالاحد خاں مجلس شورائے ملی کے رئیس ہیں۔ افغانستان کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دے چکے ہیں۔ ڈاڑھی فرنچ کٹ۔ لبیں کتری ہوئی۔ خوب گورا رنگ۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ بال آدھے سے زیادہ سفید چہرہ پر تہجد کے آثار دور سے نظر آتے ہیں۔ بڑے متقی بڑے دیانتدار اور اسلامی اخلاق رکھنے والے مسلمان ہیں۔ میں نے ان کے ساتھ کھانا کھایا تو ان کے عابد چہرہ کے نور نے میری روح کو بھی غذا کھلائی تھی۔

(۴۲) ع۔ص۔ عبدالحق خاں مجلس شوریٰ کے معین ہیں۔ ڈاڑھی خشخاش۔ لبیں کتری ہوئی۔ لباس نیا۔ آنکھوں سے نیک اور پرہیزگار اور دانشمند معلوم ہوتے ہیں

(۴۳) ص۔ عبدالمجید خاں مجلس شوریٰ کے منشئ اول ہیں۔ ڈاڑھی فرنچ۔ مونچھیں گنجان۔ چہرہ سے سمرقندی مغل معلوم ہوتے ہیں۔ آثار محنت فکر بھی بشرہ سے ہویدا ہیں

(۴۴) ع۔ج۔ میر عطا محمد خاں مجلس اعیان کے رئیس ہیں۔ ڈاڑھی خشخاش۔ لبیں کتری ہوئی۔ بیضوی چہرہ آنکھیں فکرمند۔ بشرہ سے بیدار مغز معلوم ہوتے ہیں۔

(۴۵) حاجی محمد نواب خاں اعلیحضرت تاجدار کے مصاحب ہیں۔ سفید لمبی ڈاڑھی۔ لبیں کتری ہوئی۔ حجازی چوغہ پہنے ہوئے۔ سر پر عربوں کا عقال باندھے ہوئے۔ افغانستان کے مشہور شرفا ہیں اور وطن کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دے چکے ہیں۔ عمر ستر سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ بہت ذہین اور متقی نظر آتے ہیں۔

(۴۶) صالح محمد خاں پہلے سپہ سالار تھے۔ اب اعلیحضرت کے مصاحب ہیں۔ میانہ قد مضبوط جسم۔ سفید چھوٹی ڈاڑھی۔ سفید مونچھیں۔ نیا لباس چہرہ سے عزم و ہمت کا اظہار ہوتا ہے۔

(۴۷) محمد سرور خاں یہ بھی اعلیحضرت کے مصاحب ہیں اور بہت بڑے خاندانی آدمی ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی سفید مونچھیں۔ چہرہ جوانوں کا۔ بشرہ اہل علم اور اہل فن کا۔

(۴۸) و۔ج۔ گل احمد خاں رئیس بلدیہ ہیں ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں کتری ہوئی۔ بھاری جسم۔ چہرہ سے خدمت خلق کے جذبات ہویدا ہیں۔

(۴۹) عالیقدر جلالتمآب والاحضرت سردار احمد شاہ خاں

وزیر دربار ہیں۔ اعلیحضرت کے چچازاد بھائی ہیں۔ مضبوط جسم شاہانہ چہرہ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی لبیں کتری ہوئی۔ عمر چالیس سے زیادہ۔ افغانستان کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں۔

(۵۰) عالی قدر صداقت مآب محمد حید خاں

معین دربار ہیں عرصہ ہوا ہندوستان میں قونصل جنرل بھی رہ چکے ہیں۔ ہیں کابل میں انہی کے مکان میں ٹھہرایا گیا تھا۔ دراز قد۔ مضبوط جسم۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں گنجان۔ بڑے ملنسار مہمان نواز اور افغانستان کے سچے خیرخواہ نوجوان ہیں۔

(۵۱) عالی قدر جلالتمآب محمد نوروز خاں

اعلیحضرت کے سرمنشی ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان عمر۔ گندمی رنگ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ قیافہ سے فرض شناس اور وفادار معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۲) ع۔ج۔ اللہ نواز خاں اعلیحضرت کے یاور اول ہیں۔ ملتان کے رہنے والے ہیں عمر کا بڑا حصہ افغانستان کی خدمت میں گزارا ہے۔ اعلیٰ حضرت ان پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ گورا رنگ۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مؤثر آنکھیں۔ قیافہ سے تدبر اور فداکاری عیاں ہوتی ہے۔

(۵۳) ع۔ش۔ سید شریف خاں اعلیحضرت تاجدار یاور حربی ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ عمر جوان چہرے سے ارادہ کے مضبوط اور جواں مرد معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۴) ش۔ عبداللطیف خاں یاور حربی کے معاون ہیں۔ عمر جوان۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ آنکھوں اور چہرہ سے غور کرنے والے اور جلدی جوش میں آجانے والے معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۵) ع۔ش۔ فیض محمد خاں اعلیحضرت کے یاور (ایڈی کانگ) ہیں۔ اور جناب حاجی محمد نواب خاں صاحب مصاحب اعلیٰ حضرت کے صاحبزادہ ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی مضبوط جسم۔ بڑی بڑی مونچھیں۔ چہرہ سے اُولوالعزم معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۶) ح۔ محمد صفر خاں اعلیٰ حضرت کے یاور ہیں ڈاڑھی منڈی ہوئی لبیں کتری ہوئی جوان عمر۔ قیافہ سے ملنسار مگر پرجوش معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۷) ش۔ عبداللہ خاں اعلیحضرت کے یاور ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی لبیں کتری ہوئی۔ عمر جوان۔ آنکھیں روشن دماغی کا آئینہ ہیں۔

(۵۸) عالی قدر حافظ نور محمد خاں دارالتحریر شعبہ اول کے مدیر ہیں۔ جوان عمر۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ قیافہ منشیانہ ہے آنکھوں سے محنتی معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۹) عالی قدر عبدالاحمد خاں دارالتحریر شاہی کے مدیر دوئم ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی عمر جوان چہرہ پر عزم وہمت درخشاں۔

(۶۰) عالی قدر سراج الدین خاں دارالتحریر شاہی کے مدیر سوئم ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان عمر۔ چہرہ سے فلاسفر معلوم ہوتے ہیں۔

(۶۱) عالیشان شجاعتمآب عبدالغنی خاں

قلعہ شاہی کے قلعہ بیگی ہیں۔ جوان عمر۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی

با میاں افغانستان کا مشہور بت خانہ جو بت با میاں کے نام سے مشہور ھے
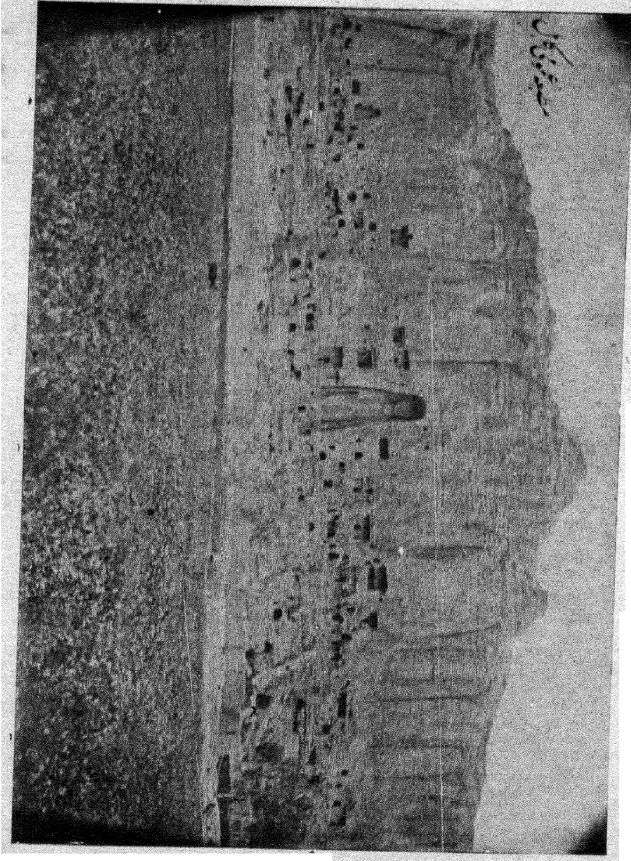
چہرے سے وفادار اور ہمت والے معلوم ہوتے ہیں۔

(۶۲) ع۔ش۔ علی شاہ خاں مکتب حربیہ کے

توماندان ہیں۔ جوان عمر۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ مونچھیں کتری ہوئی۔ بہت مضبوط اور شاندار چہرہ۔ چہرہ سے بہت بڑے فاتح اور سپہ سالار معلوم ہوتے ہیں۔

(۶۳) ع ع۔ش۔ سید عبداللہ خاں شاہ جی

جنگی کارخانوں کے رئیس ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ لبیں کتری ہوئی۔ جوان عمر۔ چہرہ شاندار۔ آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جذبات جلدی مشتعل ہوجاتے ہیں۔

(۶۴) حمیت مند محمد احسان خاں ہوائی

جہازوں کے تومان دان ہیں۔ یورپ میں تعلیم پائی ہے۔ آدھی آدھی مونچھیں اور ڈاڑھی منڈی ہوئی جسم بھاری ٹھوڑی کے نیچے کا حصہ مٹاپے کی وجہ سے بڑھا ہوا ہے۔ جوان عمر۔ قیافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت تیز وطرار ہیں۔ اگرچہ جسم بھاری ہے۔

(۶۵) ع۔ح۔ شیر احمد خاں طہران ایران

میں افغانستان کی طرف سے سفیر کبیر ہیں۔ ڈاڑھی صرف ٹھوڑی پر ہے۔ لبیں کتری ہوئی۔ عمر چالیس کے قریب۔ کتابی چہرہ۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ قیافہ سے سیاست دانی اور عقل کی گہرائی ظاہر ہوتی ہے۔

(۶۶) ع ج عبدالحسین خاں اسکو روس

میں افغانستان کے سفیر کبیر ہیں۔ لمبا چہرہ۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی بھاری جسم۔ روسیوں سے بہت مشابہ ہیں۔ مگر قیافہ سے پرجوش مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔

(۶۷) ع ج۔ سردار سلطان احمد خاں انگورہ

ٹرکی میں افغانستان کی طرف سے سفیر کبیر ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ آنکھوں اور چہرہ سے بہت خوش تدبیر معلوم ہوتے ہیں۔

(۶۸) عالی قدر جلالتمآب سردار احمد علی خاں

لندن انگلستان میں افغانستان کے وزیر مختار ہیں۔ جوان عمر ڈاڑھی مونچھ صاف۔ خوب چوڑا چکلا چہرہ۔ لارڈ کرزن کی تصویر سے مشابہ۔ قیافہ عقیل اور فہیم ہونے پر دلالت کرتا ہے

(۶۹) ع ج۔ محمد صادق خاں مجددی قاہرہ

مصر میں وزیر مختار ہیں۔ لمبی ڈاڑھی۔ عالمانہ شکل۔ عابد زاہد و سیاست داں۔

(۷۰) عالی قدر صداقتمآب عبدالرسول خاں

برلن جرمنی میں مرحوم والاشان محمد عزیز خاں شہید کی جگہ مقرر ہوئے ہیں۔ پہلے ہندوستان میں قونصل جنرل تھے۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ سفید مونچھیں۔ خوب مضبوط جسم۔ تمام دنیا کی سیاحت کئے ہوئے۔ افغانستان کے لائق اور فاضل لوگوں میں ہیں۔ چہرہ سے بہت بہادر اور مدبر معلوم ہوتے ہیں۔

(۷۱) عالی قدر صداقتمآب محمد صدیق خاں

مشہد مقدس میں افغانستان کے قونصل جنرل ہیں۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ عمر جوان۔ چہرہ سے خوش اعتقاد اور دانشمند معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۷) **عالی قدر رصد اقتاب باز محمد خاں** تاشقند ترکستان میں افغانستان کے قونصل جنرل ہیں۔ سفید ڈاڑھی سفید مونچھیں۔ چہرہ سے بہت سوچنے والے اور مستقل مزاج معلوم ہوتے ہیں۔

افغانستان میں یورپین

افغانستان میں یورپ کے جو باشندے مختلف خدمتوں پر مامور ہیں ان میں سے چند کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) **ہر گرمپہ** ۔جرمنی ہیں۔ بندوں اور نہروں کے انجینیر ہیں۔

(۲) **ہر موزر** ۔ جرمنی۔ افغانی چھاپہ خانہ میں نوکر ہیں۔

(۳) **ہر مایو رخرستین** ۔ جرمنی ہیں۔ پروفیسر تعلیم گاہ پیادہ ہیں

(۴) **ہر شمید** ۔ جرمنی ہیں یہ ہر مایو رخرستین کے مددگار ہیں

(۵) **ہر بوناتس** ۔ جرمنی ہیں۔ ڈاک خانہ میں نوکر ہیں۔

(۶) **موسیو کافیرو** ۔ اطالوی۔ توپچی۔

(۷) **موسیو جنومن جیئو** ۔ اطالوی۔ مشیر مال افغانستان

(۸) **موسیو تکاکاکی** ۔ جاپانی معلم مکتبہ حربیہ۔

(۹) **موسیو جیردیلا** ۔ اطالوی۔ توپچی۔

(۱۰) **موسیو ژدف ہاکن** ۔ فرانسیسی۔ محکمہ آثار قدیم کی تلاش و تفتیش کے افسر ہیں۔ افغانستان کے بہت سے قدیمی حالات معلوم کر چکے ہیں۔

(۱۱) **موسیو الوازی** ۔ انجینیر۔

(۱۲) **عالی قدر جلالتماب لیوند ستارگ** سفیر کبیر روس

(۱۳) **عالی قدر جلالتماب سر جارج میکانیکی** ۔ سفیر برطانیہ

(۱۴) **عالی قدر جلالتماب ون جین کلانتی** ۔ سفیر اٹلی۔

(۱۵) **عالیقدر جلالتماب ڈاکٹر شوبل** ۔ سفیر جرمنی۔

(۱۶) **عالی قدر جلالتماب بودار** ۔ سفیر فرانس۔

افغانستان کے دیگر عہدہ دار و ماہرین علوم و فنون

(۱) **غلام محمد خاں صاحب** ۔ پروفیسر صنائع نفیسہ کابل۔ بوڑھے

(۲) **عبدالعزیز خاں صاحب** ۔ معلم اسکول صنائع نفیسہ۔ جوان

(۳) **الیس ایم دین** ۔ معلم اسکول صنائع نفیسہ۔ جوان

(۴) **سید عبدالاحد خاں صاحب** ۔ متخصص معدن تعلیم یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۵) **امرالدین خاں صاحب** ۔ انجینیر برق۔ تعلیم یافتہ یورپ۔ جوان۔

(۶) **غلام محمد خاں صاحب** ۔ انجینیر برق۔ تعلیم یافتہ یورپ۔ جوان۔

کافرستان افغانستان کے قدیمی بت جو سکندر رومی کی یادگار ہیں

(۷) محمد حسین خاں صاحب - انجینیر ریڈیو تعلیم یافتہ یورپ - جوان -

(۸) محمد کریم خاں صاحب - متخصص ٹیلیفون تعلیم یافتہ یورپ - جوان -

(۹) محمد سعید خاں صاحب - متخصص ٹیلیگرات تعلیم یافتہ یورپ - جوان -

(۱۰) عبدالمجید خاں صاحب - متخصص ٹیلیفون تعلیم یافتہ یورپ - جوان -

(۱۱) نور محمد خاں صاحب - متخصص ادارہ نسل گیری حیوانات - تعلیم یافتہ یورپ - جوان

(۱۲) محمد نعیم خاں صاحب - انجینیر برق - تعلیم یافتہ یورپ - جوان -

(۱۳) محمد کریم خاں صاحب - متخصص زراعت - تعلیم یافتہ یورپ - جوان -

(۱۴) محمد یعقوب خاں صاحب - شرکت اسہامی تعلیم یافتہ یورپ - جوان

کابل کے شعرا و ادیب

(۱) قاری عبداللہ خاں صاحب لمبی ڈاڑھی مولویانہ شکل - انجمن ادبی کے ممبر - کابل کے مشہور شاعر -

(۲) عبدالعلی خاں صاحب مستغنی لمبی ڈاڑھی - عمامہ باندھے ہوئے - مولویانہ شکل - انجمن ادبی کے ممبر - اور مشہور شاعر -

(۳) میر محمد علی خاں صاحب آزاد ڈاڑھی صاف کابل کے شاعر -

(۴) صوفی عبدالحق خاں صاحب بیتاب - لمبی ڈاڑھی - عمامہ باندھے ہوئے - مولویانہ شکل - کابل کے مشہور شاعر

(۵) میر غلام حضرت خاں صاحب شائق ڈاڑھی صاف - کابل کے شاعر -

ماہرین علوم و فنون

(۱) قاضی میر محمد حسن خاں صاحب منجم - عمامہ باندھے ہوئے - سفید لمبی ڈاڑھی -

(۲) اخوندزادہ حبیب اللہ خاں صاحب منجم - سفید ڈاڑھی

(۳) غلام محی الدین خاں صاحب مدیر عجائب خانہ کابل چھوٹی چھوٹی سفید ڈاڑھی -

(۴) عبداللطیف خاں صاحب طبیب چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی ممبر مجلس اعیان -

(۵) شیخ محمد رضا خاں صاحب ممبر دائرہ تعلیم و تربیت

(۶) عبدالقدوس خاں صاحب طبیب کابلی - عمامہ باندھے ہوئے - سفید چھوٹی سی ڈاڑھی -

(۷) عبدالہادی خاں صاحب داوی ممبر افتخاری انجمن ادبی ڈاڑھی والے

(۸) سردار عزیز اللہ خاں صاحب معاون انجمن ادبی جوان ڈاڑھی صاف۔

(۹) عالی قدر سید عبداللہ خاں صاحب مدیر عمومی شعبہ شرق وزارت خارجہ۔ ڈاڑھی صاف۔ جوان۔

(۱۰) محمد یعقوب خانصاحب مترجم انگریزی ڈاڑھی والے

(۱۱) زیدان بدران صاحب۔ ممبر دائرہ تعلیم و تربیت۔

(۱۲) محمد یعقوب خاں صاحب فارغ التحصیل تعلیم حربی فرانس

(۱۳) احمد علی خانصاحب مترجم فرانسیسی۔ دار التحریر شاہی۔

ممتاز اراکین انجمن ادبی کابل

(۱) عالی قدر میر غلام محمد خاں صاحب غبار۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان۔

(۲) عالی قدر محمد کریم خانصاحب نزیہی۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان۔

(۳) عالی قدر غلام سرور خانصاحب جویا۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان۔

(۴) عالی قدر امین اللہ خاں صاحب زمرلائی ڈاڑھی منڈی ہوئی جوان۔

(۵) عالی قدر حفیظ اللہ خانصاحب ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان

(۶) عالی قدر سرور خانصاحب گویا۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان

(۷) صداقتمآب عبدالباقی خاں صاحب لطیفی۔ سرکاتب ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان۔

(۸) صداقتمآب سید قاسم خاں صاحب۔ مترجم ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان۔

(۹) عالی قدر صداقتمآب شاہزادہ احمد علیخانصاحب درانی۔ مدیر انجمن ادبی۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی۔ جوان۔

(۱۰) عالی قدر غلام جیلانی خاں صاحب اعظمی معاون انجمن ادبی۔

اور چند اصحاب

(۱) ع۔ص۔ عبدالرب خاں صاحب رئیس تمیز وزارت عدلیہ۔ بوڑھے۔ ڈاڑھی والے۔

(۲) ع۔ص۔ امین اللہ خاں صاحب رئیس محکمہ اصلاح وزارت عدلیہ۔ بوڑھے۔ ڈاڑھی والے۔

(۳) ع۔ص۔ قاری عبدالرسول خانصاحب رئیس دار العلوم عربیہ۔ بوڑھے ڈاڑھی والے۔

(۴) ع۔ص۔ محمد یوسف خاں صاحب رئیس دائرہ تربیت حیوانات و نسل گیری۔ ڈاڑھی صاف۔ جوان۔

(۵) ع۔ص۔ غلام حیدر خاں صاحب رئیس فیصلہ منازعات تجارتی۔ ڈاڑھی صاف۔ جوان۔

(۶) ع۔ص۔ خواجہ جان گل خاں صاحب رئیس دائرہ

خصوصی حضور ہمایونی - جوان - فرنچ فیشن -

(۷) ڈاکٹر نور محمد خاں صاحب شفاخانہ فوج - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۸) ڈاکٹر عبدالغنی خاں صاحب - سرطبیب شفاخانہ عسکری -

(۹) ع - ج - میر عطا محمد خاں صاحب رئیس لعیان چھوٹی ڈاڑھی - نہایت غیور مسلمان -

(۱۰) میر غلام احمد خاں صاحب - فارغ التحصیل تعلیم حربی ترکی -

(۱۱) میر غلام حامد خاں صاحب - فارغ التحصیل حربی روسی -

(۱۲) سکندر خاں صاحب - معلم دارالمعلمین -

(۱۳) محمد شریف خاں صاحب - فارغ التحصیل جرمنی متخصص سقف پوشی -

(۱۴) محمد زماں خاں صاحب - فارغ التحصیل در فرانس -

(۱۵) محمد صدیق خاں صاحب - انجینیر ریڈیو ٹیلیگراف

(۱۶) حافظ محمد اکبر خاں صاحب فارغ - کاتب انجمن ادبی -

(۱۷) ع - ص - عبدالحمید خاں صاحب - رئیس عمومی مطابع افغانستان و ممبر انجمن ادبی - ڈاڑھی والے نہایت مستعد و عملی مسلمان دین دار خاموشی پسند مہماز نواز

افغانستان کے اخبار نویس

(۱) محی الدین خاں صاحب انیس - بانی ہفتہ وار اخبار انیس - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۲) مولوی برہان الدین خاں صاحب کشککی - ایڈیٹر روزانہ اخبار اصلاح - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۳) محمد امین خاں صاحب خوگیانی - ایڈیٹر اخبار انیس ڈاڑھی والے - عمامہ پوش -

(۴) سید اکبر خاں صاحب - چیف ایڈیٹر رسالہ اوردوی افغان - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۵) ہاشم شائق صاحب - ایڈیٹر رسالہ آئینہ عرفان ڈاڑھی صاف بوڑھے -

(۶) محمد زماں خاں صاحب ترکی - ایڈیٹر رسالہ اقتصاد ڈاڑھی صاف - جوان -

(۷) سید لطیفی صاحب - مدیر رسالہ صحیہ - ڈاڑھی صاف - جوان -

(۸) میر غلام خاں صاحب - ایڈیٹر رسالہ حی علی الفلاح عمامہ والے - ڈاڑھی والے - بوڑھے -

(۹) عبدالصمد خاں صاحب جاہد - ایڈیٹر اخبار بیدار

ڈاڑھی صاف - جوان -
(۱۰) شمس الدین خاں صاحب قلعتگی - ایڈیٹر اخبار اتحاد مشرقی -
(۱۱) میر محمد عثمان خاں صاحب - ایڈیٹر اخبار

اتفاق اسلام ہرات - ڈاڑھی صاف - جوان -
(۱۲) غلام جیلانی خاں صاحب جلالی - ایڈیٹر اخبار اتحاد خانہ آباد - ڈاڑھی صاف - جوان -

سفرنامہ ختم ہوا

الحمد للہ افغانستان کا سفرنامہ ختم ہوا اگرچہ میں اس میں چند دیگر ضروری مضامین کا اور اضافہ کرنا چاہتا تھا جن کو رسالۂ کابل کے سال نامہ سے اقتباس کیا تھا مگر سفرنامہ میں ایک سال کی تصاویر کے سبب دیر ہو چکی تھی اور تقریباً اتنا ہی عرصہ ہز مجسٹی غازی محمد نادر شاہ کے سفرنامہ کا ترجمہ کرانے میں صرف ہو گیا تھا۔ اور سفرنامہ کے شائقین کے خطوط مسلسل آرہے تھے کہ اب دیر نہ لگائے اور جلدی شائع کیجئے اس لئے نئے اضافہ کو آئندہ اشاعت کے لئے ملتوی کیا جاتا ہے۔

چونکہ درخواستیں بہت زیادہ آچکی ہیں اس لئے خیال ہے کہ موجودہ ایڈیشن ایک مہینہ کے اندر ختم ہو جائیگا اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۴ء کے شروع میں شائع ہو جائے گا۔ میرے مخلص دوست جناب شہزادہ احمد علیخان درانی نے وعدہ کیا ہے کہ سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری اور افغانستان کے ممتاز اصحاب اور اہم عمارات کے فوٹو بھیجیں گے اگر وہ آگئے تو آئندہ اشاعت کے وقت انکو بھی شریک سفرنامہ کر دیا جائیگا۔ ثانی ابن بطوطہ نواب نواب دریار جنگ بہادر حیدرآباد دکن کا سفرنامہ افغانستان بھی خدا نے چاہا آئندہ ایڈیشن کے وقت اس کے ساتھ شریک کر دیا جائیگا۔ نواب صاحب نے وعدہ تو اسی ایڈیشن کیلئے اس کے دینے کا کیا تھا مگر ان کو اپنی اہلیہ صاحبہ کی علالت کے باعث مسودہ کے صاف کرنیکا وقت نہیں ملا۔ نواب صاحب کا سفرنامہ بہت دلچسپ ہے کا کیونکہ وہ ایران کا سفر کر کے وسط ایشیا کے راستہ افغانستان آئے تھے اور انھوں نے بہت گہری توجہ کے ساتھ یہ سفر کیا تھا۔

میرا دوسرا سفر خدا کو منظور رہے تو ۱۹۳۴ء کی گرمیوں میں میرا دوسرا سفر پھر ہوگا اور ہرات بلخ وغیرہ مقامات کی سیر کرونگا۔ اور حضرت علی کی وہ کرسی بھی لاؤنگا جو بلخ میں کسی شخص کے پاس ہے اور جس کے ذریعہ مختار نے کوفہ میں اور ابو مسلم خراسانی نے بلخ میں اہلبیت کے دشمنوں کے خلاف جنگ کر کے کامیابی حاصل کی تھی اور جس کو تاریخوں میں شرطۃ اللہ کے نام سے لکھا گیا ہے۔

خدا حافظ حسن نظامی